TIGHT BINGING BOOK

UNIVERSAL LIBRARY

OU_222462

UNIVERSAL LIBRARY

۸۹۱٫۴۳۱۵ U/1513
ن شع

بشیر احمد شہید

نظم نثر ح ۱۹۰۱

OUP—390—29-4-72—10,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵ ش۳۱۵ Accession No. 21513

Author ن ش شبیر علی

Title نظم شبیر حصہ اول

This book should be returned on or before the date last marked below.

حصّہ اوّل

نظمِ شبّیر

جسمیں قصائد ۔ غزلیات ۔ قطعات ۔ رباعیات ۔ ترکیب بند ۔ مسدس ۔ مخمس
مثنویاں ۔ متفرق نظمیں اور نوحے وغیرہ شامل ہیں

مصنفہٗ

علی شبّیر

سررشتہ دار انتظامی ہائیکورٹ حیدرآباد دکن

مترجم "سفرنامہ برکہارٹ" و مؤلف "تاریخ حجر اسود" و "تاریخ غلاف کعبہ" و "حجاز کے فرنگی سیاح"
و "محاکمہ قطعات ابن یمین و سعدی" مصنف "رسالہ محا" و "فسانہ عبرت" و "دور آخر" وغیرہ

مطبوعہ

تاج پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن

ربیع الاول ۱۳۴۵ھ

آذر ۱۳۳۶ف

حصہ اول

نظم شبیر

جس میں قصائد۔ غزلیات۔ قطعات۔ رباعیات۔ ترکیب بند۔ مسدس۔ مخمس
مثنویاں۔ متفرق نظمیں اور نوحے وغیرہ شامل ہیں

مصنفہ

علی شبیر

سررشتہ دار انتظامی ہائیکورٹ حیدرآباد دکن

مترجم "سفرنامہ برکہارٹ" و مولف "تاریخ حجر اسود" و "تاریخ غلاف کعبہ" و "حجاز کے فرنگی سیاح"
و "قطعات ابن یمین" و "سعدی" مصنف "رسالہ نجات" و "فسانہ عبرت" و "دو دانشمند" وغیرہ

مطبوعہ

تاج پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن

ربیع الاول ۱۳۴۵ھ — آذر ۱۳۳۶ف

دیباچہ اوّل

بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز

جب پیغمبروں کے قول و فعل کو لوگوں نے جنون سے تعبیر کیا تو ہم کو امید نہ رہی کہ ہمارے کام وقعت کی نظر سے دیکھے جائینگے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ واقعی کوئی کام اچھا یا کوئی برا ہے۔ بہت سی باتیں جنکو ہم باعث فخر سمجھتے ہیں۔ دوسرے لوگ انکو موجب ذلت گردانتے ہیں بہت سے کام جو پیغمبر ملکوں میں تہذیب و شائستگی کا نتیجہ سمجھے جاتے ہیں ہمارے ہاں اول درجے کی بدتہذیبی میں داخل ہیں بہت سی بری عادتیں دیکھتے دیکھتے ہماری ہنر معاشرت میں شریک ہوگئیں اور بہت سی عمدہ رسمیں ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں حقیقت یہ ہے کہ جس کام کو چار آدمی اچھا کہیں وہی اچھا ہے اور جسے برا کہیں وہ برا جو آگے ہیں وہ پیچھے ہٹائے جائینگے اور جو پیچھے ہیں وہ آگے بڑھائے جائینگے[۱] بہت سے ستارے ذرے بنکر خاک میں ملیں گے اور بہت سے ذرے ستارے بنکر آسمان پر چمکیں گے۔ بیشمار آدمی جو مسند عزت پر بیٹھے ہیں۔ ذلت کے اندھیرے گڑھے میں گرائے جائیں گے اور ذلیل آدمیوں کو صف اوّل میں جگہہ دیجائیگی بدنصیب ہے وہ جسنے ہنر کو عیب سے بدل دیا اور مبارک ہے وہ جسنے عیب کو ہنر کرکے دکھایا !!

ہم کو یقین ہے کہ علمائے اُمت مرحومہ ہماری بعض نظموں کو مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت نہ دینگے اور ہمارے معاصرین لعنت ولاحول کے پھول ہماری درگاہ پر چڑھائینگے مگر آنیوالی

۱؎ انجیل متی باب ۱۹ ۔ آیت (۱۶)

نسلیں ہم کو دعائے خیر سے یاد کرینگی اور مشرق و مغرب سے ایسے لوگ اٹھیں گے جو ہمارے اقوال و افعال کی سندلیں گے ۔ یہ کمزور آواز جو آج چنچل گوڑے کی ایک جھونپڑی سے بلند ہوئی ہے کسی زمانے میں ہندوستان کے ورد و دیوار سے سنائی دیگی اور یہ شراب جو اس وقت سستے داموں نہیں بک رہی ہے پرانی ہو کر انشاء اللہ مہنگی قیمت پر جائیگی ۔ زیادہ حد ادب

فقیر الی اللہ

شبیر

چنچل گوڑہ ۔ حیدرآباد دکن

ربیع الاول ۱۳۲۷ھ ۔ خورداد ۱۳۱۸ف ۔ اپریل ۱۹۰۹ء

دیباچہ دوم

اشہد ان لا الہ الا اللہ

میری شاعری کی ابتدا

اس ہیچمداں و بے بضاعت کو بچپن میں بیت بجشی کا بہت شوق تھا ہزارہا اشعار یاد کر لئے تھے جنکے ورد و مشغلہ سے طبیعت میں کسیقدر موزونیت پیدا ہو گئی تھی۔ جب کبھی بحث کے وقت جوابی شعر یاد نہ آتا تو اپنی طرف سے بھی کوئی زٹل قافیہ بنا کر جواب دیدیتا تھا۔ اسطرح میری شاعری کی ابتدا ہوئی۔ اسکے بعد کبھی کبھی کوئی قطعہ یا مسلسل اشعار بھی ہو جایا کرتے تھے۔ دس گیارہ برس کی عمر میں ایک مثنوی بھی لکھی تھی جس کا عنوان تھا "ہمارا کرکٹ میچ"۔

میری شاعری کی عمر

اس وقت میری عمر تخمیناً چوالیس برس کی ہے اور مجھے کوئی پینتیس برس سے شاعری کا خبط ہے۔ لیکن یہ خبط ہمیشہ یکساں نہیں رہا۔ کبھی ایک دن میں سو شعر کہے اور کبھی سو دن میں ایک شعر بھی نہوا۔ بلکہ بعض اوقات کئی کئی برس تک منہ میں قفل پڑا رہا۔

تلمذ

مجھے کبھی معمولی شعرا کا کلام پسند نہ آیا۔ ہمیشہ مشہور اساتذہ ہی کے کلام سے مستفیض ہوا اور اگرچہ اردو، فارسی، عربی، انگریزی اور بھاشا کے ان تمام شاعروں کو جنکے کلام سے میں مستفید و متمتع ہوا اپنا استاد سمجھتا ہوں مگر فی الحقیقت فن شاعری میں کسی خاص شخص کے سامنے میں نے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا۔

تحریکِ شعر

میں نے حتی الامکان قافیہ پیمائی اور مضمون کو گھیر باندھ کر لانے کی کوشش نہیں کی - اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ میری نظموں میں سوائے آمد کے آورد کا نام نہیں ہے - میرے بہت سے اشعار آورد کی مجسم تصویر نظر آئیں گے - لیکن عموماً میری یہ عادت رہی ہے کہ جب کبھی کوئی خاص اسباب شعر گوئی کے محرک ہوئے یا جب کبھی کسی واقعہ و حالت و کیفیت سے میں متاثر ہوا اور مضامین کا نقشہ خود بخود میرے ذہن میں قائم ہو گیا تو اسوقت اُن خیالات کو نظم کی شکل میں ظاہر کر دیا - منجملہ اُن اسباب کے جو میرے جذباتِ شاعری کو حرکت میں لائے تین چار قابلِ ذکر ہیں :-

الف - مدرسہ آصفیہ[1] واقع ملک پیٹ حیدرآباد دکن جہاں ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۸ء تک کوئی ساڑھے نو برس بحیثیت سکینڈ ماسٹر و ہوسٹل ماسٹر میں ملازم رہا۔

ب - انجمن اصلاح خیالات[2] جو ۱۹۰۵ء میں اس فقیر اور اسکے بعض ہم خیال احباب نے تمدنی اصلاح کی غرض سے بمقام بازار عیسیٰ میاں واقع حیدرآباد دکن قائم کی تھی۔

---

[1] حیدرآباد کا یہ مشہور مدرسہ علیگڈھ کالج کے اصول پر قایم کیا گیا ہے - جس زمانہ میں یہاں میں ملازم تھا فاضل اجل و ادیب یکتا مولوی عبدالحق صاحب بی - اے پرنسپل اورنگ آباد کالج اس مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر تھے اور جب تک مولانا ممدوح وہاں رہے اُن کی توجہ سے یہ مدرسہ اپنی تعلیم و تربیت و قومیت جلسہ ہائے پبلک ریڈنگ (مضمون خوانی) کے اعتبار سے تمام دکن میں ممتاز رہا - اب بھی اس مدرسہ کا خوشنما و دلکش منظر، اسکا دارالاقامہ اور اسکی رفیع الشان مسجد اہل ملک کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے - جناب نواب میجر ممتاز یار الدولہ بہادر جن کو اللہ تعالیٰ نے قومی و اسلامی درد بدرجہ غایت دیا ہے اس مدرسہ کے مہتمم ہیں ۱۲

[2] درویش اس انجمن کا سب سے پہلا پریسیڈنٹ اور ممبر انتظامی تھا - جناب مولوی سید نثار احمد صاحب مدراجی اول تعلقدار اسکے رکن انتظامی و روحِ رواں تھے اور جناب نواب منظور جنگ بہادر اول تعلقدار کئی سال اس انجمن کے معتمد رہے - انکے بعد مولوی سید میراں صاحب صیغہ دار تعلیمات نے بھی معتمدی کے فرائض انجام دئیے - یہ انجمن کوئی پانچ سال تک قایم رہی - محکمہ تعلیمات نے ہائی اسکول رزیڈنسی اسکے لئے وقف کر دیا تھا - ہر جمعہ کو اسکے جلسے ہوا کرتے تھے جنمیں تقریریں کیجاتی تھیں - لکچر دئیے جاتے تھے مضامین نظم و نثر پڑھے جاتے تھے اور چھوٹے چھوٹے قومی و اصلاحی ایکٹ ہوا کرتے تھے - منجملہ دوسرے مقاصد کے نیچرل شاعری کا ملک میں رواج دینا اور تجارت و صنعت و حرفت کیطرف اہل ملک کو راغب کرنا بھی انجمن مذکور کے مقاصد تھے ۱۲

ج - مدرسۂ نسواں واقع نامپلی حیدرآباد جس کے جلسوں میں مضمون خوانی ہوئی سنہ ۱۹۰۹ء سے
سنہ ۱۹۱۰ء تک معتمد رہا۔

د - انجمن دار التمثیل یا شرعی ناٹک بغرض ہندوستانی ناٹک بغرض اصلاح اور امداد
قومی مدارس کی اعانت کے لئے جون سنہ ۱۹۱۶ء میں بمقام حیدرآباد دکن قایم کی گئی

میری شاعری کا رنگ

عموماً اپنے واقعات و تجربات و مشاہدات نظم کئے ہیں یا کسی خاص امر پر اشعار کہے ہیں لوگوں کو نصیحت کی ہی مگر نہ واعظ کی حیثیت سے [illegible] بنا کر میں نے سلاطین و امرا کی مدح میں بے ضرورت شاعرانہ فرسائی کی اور نہ بجز دو ایک غزلوں کے کبھی شاعروں کی طرح پر کوئی غزل لکھی۔ عاشقانہ شاعری سے میں متمتع ضرور ہوا مگر [illegible] تعشق کے مضامین مجھے کبھی سوجھے نہیں اگر سوجھے بھی تو پسند نہیں اور اگر [illegible] ہی گئے تو مجھے پسند نہ آئے۔ اس قسم کے اشعار میں سے اسوقت یہ ایک قطعہ رکھا ہے جو کئی برس قبل کہا تھا۔

گو عشق بتاں میں تھا [illegible] پریشاں — جس شخص نے دیکھا میں ڈرکر وہی چونکا
میخانے میں [illegible] نہ لگایا — مسجد میں کبھی پہنچے تو زاہد ہی بھونکا
پر عشق سے واقف [illegible] اب تک — [illegible] دل پہ ہے بھاڑ ہی جھونکا

میں حتی الامکان اپنے اشعار میں [illegible] اور مبالغے [illegible] شعر [illegible] اصلیت قائم رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی اور [illegible] مضمون [illegible] جہاں اسلامی و قومی و مذہبی جذبات و اعتقادات [illegible] نظم [illegible] ہیں وہاں اسکی پوری پوری [illegible] پابندی ہو گئی جب کبھی حالت جوش و جذبہ و وجد میں کوئی خاص کیفیت قلب پر طاری ہوئی۔ اسکو بلا لحاظ اسکے کہ اسمیں مبالغہ ہے یا خلاف عقل و عادت [illegible] نظم کر دیا [illegible] مسلم ہے کہ جن اشعار کی بنیاد شاعر یا سامعین کے عقیدے پر ہو انکو بے اصل یا [illegible] نہیں کہا جا سکتا خواہ بہ نظر سرسری وہ اشعار اصلیت سے دور، عقل سے بعید، عادات انسانی کے خلاف اور فہم و ادراک سے بالاتر ہی کیوں نہ ہوں

سلہ اس مدرسہ کے مہتمم بھی جناب نواب ممتاز یار الدولہ بہادر تھے ۱۲

سلہ اس انجمن میں اصلاحی و نتیجہ خیز قومی ڈرامے کئے جاتے تھے۔ جن سے لوگوں کے خیالات میں عجیب تغیر ہو گیا تھا اور اہل ملک ایکٹ و ڈراما کو بجائے ہزل و تمسخر سمجھنے کے اصلاح قوم کا بہترین ذریعہ تسلیم کرنے لگے تھے یہ گنہگار دار التمثیل کا ڈراما نویس، معلم، اسٹیج منیجر، اور ایکٹر تھا۔ اس انجمن کے جلسے کوئی ڈھائی [illegible] مہینے تک ہوتے رہے ۱۲

میری نظموں کی زبان

میں نے اپنی نظموں میں زیادہ تر شمالی ہند کی مروجہ زبان اُردو استعمال کی ہے میں زبان اُردو میں وسعت دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ مگر اسقدر کہ عوام کو اُسکا سمجھنا مشکل ہو جائے۔ اسیطرح زبان کو محدود کر دینا بھی مناسب خیال کرتا ہوں لیکن نہ اس حد تک کہ محض عاشقانہ غزلوں کے مطلب کی رہجائے۔ زمانہ حال کے بعض شعرا الفاظ "تلک"، مت، پس، تب، سو، اُخرش، جوں بمعنی مانند یہ بمعنی مگر اور دکھلانا، بلوانا، تئیں وغیرہ کو متروک سمجھنے لگے ہیں مگر میں انکا استعمال جائز جانتا ہوں۔ محاورے کے اعتبار سے جو غلط الفاظ روزمرہ بولے جاتے ہیں میں انکو فصاحت سے خارج نہیں سمجھتا مثلاً "نواب" بلا تشدید اور "حضرت آدم" بلا اضافت بھی استعمال کر لیتا ہوں میری نظموں میں زبان و محاورہ کی یقیناً اور بھی غلطیاں موجود ہیں مگر ہمیشہ میرا یہ عمل رہا ہے کہ مطلب کو مینے محاورے پر قربان نہیں کیا۔

عروض و قافیہ

عروض و قافیہ کی باریک غلطیوں کو بھی میں مباح سمجھتا ہوں۔ بشرطیکہ اُس قسم کی غلطی سے۔

(۱) شعر ناموزوں نہو جائے۔

(۲) پڑھنے میں زبان نہ اٹکے۔

(۳) سننے سے کان کو تکلیف نہ ہو۔

ترتیب کلام

مجھہ میں ہمیشہ یہ بے پروائی رہی ہے کہ جو کچھہ لکھا وہ یا تو دل ہی میں رہنے دیا یا کسی پرچہ پر لکھدیا اور اِس قسم کے پرچے جیبوں یا میز کے خانوں میں پڑے رہے یا کسی بستے میں باندھ دئے گئے۔ مینے کوئی بیاض نہ بنائی یہاں تک کہ جب یہ ذخیرہ بہت بڑھ گیا تو میرے ایک عزیز شاگرد مولوی تفضل حسین افضل مرحوم ساکن چادر گھاٹ حیدرآباد دکن نے اِن منتشر کاغذات کو ایک مجموعے کی شکل میں مرتب کرنا چاہا اور بغرض نقل اپنے مکان پر لیگئے مگر وہ تمام ذخیرہ جو صغر سنی سے پچیس چھبیس برس کی عمر تک لکھا گیا تھا اور جسمیں میرے چار قومی اصلاحی ڈرامے "تماشائے عبرت" "دورِ آخری" "بہار دلفریب" اور "کشت زعفران" بھی شریک ہے یکم رمضان سنہ ۱۳۲۶ ہجری م ۲۸ ستمبر سنہ ۱۹۰۸ء کو رود موسیٰ کی قیامت خیز طغیانی میں دریا برد ہو گیا۔ اسکے بعد شوال سنہ ۱۳۲۶ھ م اکتوبر سنہ ۱۹۰۸ء میں میرے بعض شاگردوں اور عنایت فرماؤں نے

میری نظموں کا مجموعہ طبع کرانے کا ارادہ کیا اور وہ نظمیں جو مختلف طور پر شایع ہو چکی تھیں یا جو مجھے یا میرے شاگردوں اور عزیزوں کو یاد تھیں یا جو منتشر پرچوں پر لکھی ہوئی مل گئیں وہ بلا لحاظ ترتیب محض اس خیال سے کہ فی الجملہ آفات ارضی و سماوی سے محفوظ ہو جائیں چھپوانا شروع کیں مگر چالیس پچاس صفحے طبع ہونے پائے تھے کہ یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا اور وہ دفتر بے معنی پریشان کا پریشان ہی رہا۔

بالآخر ربیع الاول ۱۳۲۱ھ ہجری م اپریل ۱۹۰۳ء میں اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا کی اور مینے بہت سے پرچوں کی نقل ایک کتاب کی صورت میں کر لی اور اس طرح میرے پراگندہ اشعار کسیقدر باقاعدہ شکل میں نظر آنے لگے۔ اس بیاض پر مینے ایک دیباچہ بھی تحریر کیا تھا جو دیباچہ اول کے نام سے موسوم ہے اور اس کتاب کے شروع میں لگا دیا گیا ہے۔ مینے اُس مجموعے کو طبع کرانے کا ارادہ بھی کیا تھا مگر اہل مطابع کی بے عنوانیوں کیوجہ سے میرا خیال پورا نہوا۔ اب کوئی سترہ برس بعد میں پھر چونکا اور اپنی نظموں سے انتخاب کر کے فی الحال حصہ اول طبع کراتا ہوں۔ خدا مجھے اور اہالیان مطبع کو توفیق بخشے کہ یہ تیسری کوشش بار آور ہو۔

تقسیم کلام — بلحاظ مضامین یہ مجموعہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب "**مدایح و محامد**" جسمیں کچھہ قصائد وغیرہ اعلیٰ حضرت قدر قدرت آصفجاہ سابع مظفر الملک والممالک نظام الملک نظام الدولہ فتح جنگ خسرو دکن بادشاہ اسلام سلطان العلوم **نواب میر عثمان علیخان بہادر** ادام اللہ ملکہم و سلطنتہم کی مدح میں اور کچھہ نظمیں بعض امراء و حکام کی تہنیت وغیرہ میں لکھی گئی ہیں۔ اس باب میں اکثر بلا لحاظ ردیف نظمیں درج کیگئی ہیں۔ دوسرا باب **تجربات و مشاہدات** ہے۔ اسکی دو فصلیں ہیں۔ فصل اول میں قصائد، غزلیات، قطعات، و رباعیات ہیں۔ دوسری فصل میں متفرق نظمیں۔ ترکیب بند۔ مسدس، مخمس، مثنویات وغیرہ ہیں۔ تیسرا باب **جذبات مذہبی** ہے۔ باعتبار اقسام نظم اسکی تین فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں نعتیہ و اشتیاقیہ قصائد و غزلیات ہیں۔ دوسری فصل میں اشتیاقیہ و نعتیہ متفرق نظمیں ہیں۔ تیسری فصل سلام و نوحہ جات وغیرہ پر مشتمل ہے۔

معذرت — اس فقیر کی بعض نظمیں مذہبی نقطۂ نظر سے شاید آنکھوں میں کھٹکیں۔ انکی نسبت

دیباچہ اول میں جو کچھ کہا گیا ہے براہ کرم ناظرین اسکو بغور تمام ملاحظہ فرمائیں یہ بھی ممکن ہے کہ بعض نظمو نثر پر بہ نظر سرسری ہجو ہونے کا دہوکا ہو۔ مگر فی الحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ امیروں۔ فقیروں عہدہ داروں، اہلکاروں، شاعروں، واعظوں، صوفیوں، عاملوں، اور ناول نویسوں وغیرہ وغیرہ کے مختلف طبقوں میں جو عیب دنیا کے ہر ملک میں موجود ہیں یا جو مجھے کسی وقت کہیں نظر آئے اُن کا ذکر میں نے محض خدا واسطے بغرض تزکیہ نفس و تصفیہ قلب و اصلاح اہل ملک شاعرانہ پیرایہ میں کردیا ہے۔ اُس سے نہ کسی خاص شخص کی ہجو مقصود ہے اور نہ کسی کا خاکہ اڑانا مطلوب والسلام

خادم الشعرا

علی شبیر

سررشتہ دار انتظامی۔ ہائیکورٹ

حیدرآباد دکن

ربیع الاول ۱۳۴۵ھ
آبان ۱۳۳۵ف
ستمبر ۱۹۲۶ء

فہرست مضامین مجموعہ نظم نیر

صفحہ	عنوان نظم
الف	دیباچہ اول
ب	دیباچہ دوم
۱	**باب اول**
	مدائح و محامد
"	بارگاہ آصفی میں حاضری کی تمنا
۲	عرض حال بہ پیشگاہ حضرت بندگانعالی
"	مدح حضور پر نور
۳	قصیدہ بہ تقریب سالگرہ مبارک اعلیحضرت
۴	افتتاح مکان عدالت عالیہ کیلئے اعلحضرت کی تشریف آوری
۵	مدح خسرو دکن
"	قطعہ دعائیہ
۶	تہنیت و مدح عالیجناب نواب سر امین جنگ بہادر مولوی احمد حسین صاحب ایم اے ۔ بی ۔ ایل ۔ کے سی ایس ۔ آئی صدر المہام پیشی حضرت اقدس و اعلی
"	سہرا بہ تقریب شادی جناب خواجہ الطاف حسین صاحب مددگار تعلقدار داماد عالیجناب نواب سر امین جنگ بہادر صدر المہام پیشی حضور پر نور
۸	نواب سر بلند جنگ بہادر کی سفر حج سے واپسی
۹	شکریہ حضرۃ حاجی اختر حمید سلطان بیگم صاحبہ قبلہ

صفحہ	عنوان نظم
۱۰	قصیدہ تہنیت عالیجناب نواب مرزا یار جنگ بہادر چیف جسٹس ہائیکورٹ حیدر آباد
۱۱	تہنیت تشریف آوری عالیجناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر
"	قطعہ تاریخ تشریف آوری عالیجناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر
"	قطعہ تاریخ تقرر عالیجناب نواب مولوی محمد مبارز الدین خان بہادر
۱۳	تہنیت استقلال نواب حاکم الدولہ مرحوم سابق میر مجلس ہائیکورٹ
۱۴	تہنیت نواب شیر الملک مرحوم
"	مدح جناب مولوی سید ظہور الدین احمد صاحب
۱۵	قطعہ تہنیت مولوی میر عسکر علی مرحوم
"	قطعہ تہنیت شادی جناب نواب محمد مسعود اللہ خان بہادر صاحب
۱۶	ترکیب بند وفات خطیب امجد حسین مرحوم
۲۰	**باب دوم**
	تجربات و مشاہدات
	فصل اول
	قصائد و قطعات و غزلیات و رباعیات وغیرہ
۲۰	تعصب
۲۱	حضرت آدم کی ناخلف اولاد
۲۲	خدا کے ہاں سنیارٹی کا لحاظ
"	دربار حکام سے واپسی

صفحہ	عنوان نظم	صفحہ	عنوان نظم
۲۳	نوکری کے لئے شرکت امتحان کا نتیجہ	۴۰	قطعہ تاریخ تعمیر مسجد واقع پل چادر گھاٹ بنا کردہ
〃	غریبوں کی امیروں سے عید کی ملاقات		حضرت خواجہ حیات اللہ صاحب ساکن کاچی گوڑہ
۲۴	وسم	〃	قصر خلافت کے چار دروازے
۲۵	تمام شہر کو پہچاننے والے ملازم	۴۱	غزل - ایک دم میں موت ہے اک میں حیات
〃	غزل - یاد ایام کہ جب نفع و ضرر ایک ہی تھا	〃	دریدہ دہن و پنبہ دہن
〃	گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری	〃	راشی کی علامت
۲۶	شیطانی خواب	۴۲	لباس کو مذہب سے کیا تعلق
۲۸	بہاریہ غزل - ابر مستانہ روش پر سر کہسار آیا	〃	خوشامد کی ضرورت
〃	اپیل بدرگاہ حضرت احکم الحاکمین بنا راضی حکام	〃	تیر بہدف سفارش
۳۰	غزل - اے شیخ جو عیاری دکھا ہی نہیں سکتا	〃	ملاقات کے لئے غیر معمولی روک ٹوک
〃	کہ کرد کہ نیافت	۴۳	غزل - ملنے کی یاں نہیں ہے بت پر جفا سے داد
〃	تبادلہ حکام	〃	نکھٹو مردوا
۳۱	غزل - قہقہوں سے نالہ آہ عزیزاں بڑھ گیا	۴۴	... زاد دشمن
〃	دیو اور اسکا قیدی	〃	[illegible]
۳۴	مردوں کی بے وفائی	۴۵	انتظار نا روا
〃	غزل - عدو کے در پہ میں چشم پر آب لیکے گیا	۴۶	ترغیب تعلیم نسواں
۳۵	انقلاب زمانہ مرزا نعلول کی زبانی	۴۷	شادی مانع آزادی
۳۶	مصیبت مشیت سے خالی نہیں۔	۴۸	امیروں کا قبرستان
〃	اقبال و دولت	〃	خوف و امید
〃	ایک شاعر کی بے وقت موت	۴۹	ایک معزول بادشاہ کے خیالات
۳۷	شام کے وقت گاؤں کا سماں	〃	جھوٹ بولنے کا دن
۳۸	ملازمت سے دو دو باتیں۔	۵۰	غزل - نہیں فرق کفر و دیں میں شب بے نیاز ہے بتر

صفحہ	عنوان نظم	صفحہ	عنوان نظم
۵۰	ہائے نوکری	۶۳	ناخلف باپ
،،	چمار کو عرش پر بھی بیگار	،،	بے موقعہ نصیحت کا انجام
۵۱	ہاتھی کے دانت	،،	راشیوں پر ایک پھبتی
،،	غزل ـ رہ حصول ہنر گو ہے ظاہرا دشوار	،،	کیا خاک
،،	انگریزی تقلید	،،	رنج و فکر میں ناطقہ بند ہو جاتا ہے
،،	پڑھے لکھوں سے شکایت	۶۴	مناظرہ سود و زکوٰۃ ـ
۵۲	ایک عہدہ دار کی مصروفیت	۶۶	قومی غزل ـ قوم گمراہ کا ہے راہ پہ لانا مشکل
،،	سیلاب بلا	،،	قطعہ تاریخ ماخوذی منافق ـ
۵۶	دفتر پر خانقاہ کا دھوکا	۶۷	ملک الموت سے شکایت
،،	غزل ـ انداز آسمان کج ہے یہ نہیں ہے اگر	۶۸	...کے ضروری کاغذات
،،	بلی کھائیگی نہیں تو لنڈھائیگی	،،	ظالم و رحیم
۵۷	بڑھے تو امیر ـ گھٹے تو فقیر ـ مرے تو پیر	،،	غزل ـ جو صبح باعث گرفتاری بلا پھرتے ہیں ہم
،،	دور اندیشی	۶۹	ایک بیمار کے خیالات بستر مرگ پر
،،	زمانہ سازی	،،	غلام نہیں رہے مگر جورو کے غلام بہت ہیں ـ
۶۰	ایک غمزدہ کے خیالات	،،	غزل ـ ہوکے مایوس جو رخصت ہوئے گلزار سے ہم
۶۱	راز کا انجام	۷۰	سلام کرنے کی وجہ
،،	مولویصاحب سے ایک سوال	،،	میرے سلام مجھے واپس کرو
،،	ملاقاتیوں سے ناراضگی ـ	،،	ایک ملازم کی سرگزشت
،،	ایک مشائخ کا فیض	۷۲	دیگراں را نصیحت خود میاں فضیحت
۶۲	ہرکس بخیال خویش خبطے دارد	،،	سب سے اچھا داماد
،،	ایک حاکم کی صاف گوئی	،،	بہو تہا چہا باجے گہنا
،،		،،	حق گوئی سے ایک سررشتہ دار کی معذرت

صفحہ	عنوان نظم
۷۴	سناجے میں بدنیتی
〃	شاہ صاحب کی لن ترانیاں
〃	فرشتوں کو دھوکا
۷۶	غزل ۔ غرور زندگی مستعار کو نہیں
〃	حاکموں کے در پر دھرنی دینا
〃	ترکوں سے اہل مغرب کی وجہ عداوت
〃	غزل ۔ ہم سے پہلے بھی بہت کچھ شورشیں ہوئی ہیں
۷۷	پہلے دیکھے پیچھے کہانا
〃	حیدرآباد کا میلاد شریف
۷۸	سفارش سننے والے عہدہ دار پہ پھبتی
〃	غزل ۔ ہمارا کون ہے سب یار اور اغیار دشمن ہیں
۷۸/۱	خدا سے ایک گنہگار کی توقع ۔
〃	ہماری تصویر کے دونوں رخ
〃	ایک عہدہ دار کی دعا ۔
۷۸/۲	ایک غلام کی خوشی
〃	بڑوں سے چھوٹے اچھے ہیں ۔
〃	ایک بد دماغ منتظم ۔
۷۹	برادران حقیقی
〃	عدیم الفرصت حکام
〃	دھوتی باندھ لو مگر پتلون نہیں پہن سکتے ۔
〃	ہر یکے ناصح برائے دیگراں
〃	ہمدردان قوم کے زبانی دعوے ۔

صفحہ	عنوان نظم
۸۰	مسلمانوں کا تنزل
〃	ایک حاکم ناانصاف کا شکریہ
〃	غزل ۔ ہم سیہ کاروں کی حرص و آز اب بھی کم نہیں ۔
۸۱	سب کو ایک لکڑی نہ ہانکو
〃	نالائقی کا صلہ
۸۲	فحش ناولوں پر اک نظر
〃	ایک حاکم کی رجعت قہقری
۸۳	ہے سوجھتا جو ایک تو اندھے ہزار ہیں ۔
۸۴	بغیر بھوک کے کھانا ۔
〃	مغرور شاگرد کی نسبت ایک استاد کا فقرہ
〃	چمگادڑوں کی مہمانی
〃	غزل ۔ کیوں نہ اس ظالم کی ساری مملکت برباد ہو
۸۵	وظیفہ پر علیحدہ ہونیوالے رشوت خواروں کو صلاح
〃	آثار سلف
〃	غزل ۔ جو ہے وہی اسے شیطان کا حامی سمجھو ۔
۸۶	ایک خلیق معتمد
〃	ترقی کے لیے حاکموں کی خوشامد
〃	سلیقہ و بے سلیقہ
〃	سرکار کی نصیحت
۸۸	غزل ۔ رہے کچھ دن لیا ہم بھی ولیکن محض اسیرانہ
〃	فیشن بھی ترقی کا باعث ہے
〃	فضول خرچ و کفایت شعار

صفحہ	عنوان نظم
۸۸	ایک حاکم دورہ کی فکر
۸۹	خدا کی خلاف مرضی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا
〃	غزل ۔ احمقوں کی روز افزوں کامگاری دیکھتے ہیں
〃	ایک مولوی صاحب کا فتویٰ
۹۰	کارنامۂ یزید
〃	غزل ۔ بہنوز رہین ناؤ ہے موج بلا کچھ اور کہتی ہے
〃	بیمار پرسی کے لئے جانا اور کئی کئی دن رہنا
۹۱	بیمار پرسی کے لئے مع بچوں کے جانا
〃	ایک مظلوم کی بددعا
۹۲	غزل ۔ کیوں عاصیوں پہ یارب تیرا کرم نہیں ہے
〃	بہرتے ہیں خدا بہرتا ہے ۔
〃	ایک بیہودے کی ہجو
〃	غزل ۔ افکار کا عادی دل رنجور نہیں ہے
۹۳	[illegible]
〃	ضعف نے کر دیا خورشید لب بام مجھے
〃	حاکموں کا استقبال اسٹیشن پر
۹۴	مفلسی ہی سہی
〃	غزل ۔ پوچھ لیتا ہوں رائیں سب کی
〃	چور کی داڑھی میں تنکا ۔
۹۵	غزل ۔ متاع زہد پہ اے شیخ ناز رہنے دے
〃	موت کو صلاح
〃	قطعہ تاریخ تعمیر مسجد ۔
۹۶	جانی دشمن
〃	غزل ۔ بلا کے قصۂ مضطر سنے تو کون سنے
〃	واعظ اوروں کو رلاتے ہیں خود نہیں روتے ۔
〃	بندوں کو کسی طرح چین نہیں ۔
〃	غزل ۔ عزت قوم ہیں ہم لوگ مٹائے جاتے
۹۷	مانگنا چندے کا بھی برا ہے ۔
〃	غزل ۔ سچ تو یہ ہے ہستی انساں سراپا ہیچ ہے
〃	مسلمانوں کے سنبھلنے کی امید
۹۸	ملاقات کیلئے عدیم الفرصتی کا عذر
〃	حاکموں سے دوستی گانٹھنے کا طریقہ
〃	اصلی حقدار
〃	خدا نہ کرے
۹۹	نفاق
〃	حق دعاگوئی
〃	ایک متفکر کے خیالات
〃	ایک فیصلہ
۱۰۱	ماماؤں کے ساتھ بدزبانی
〃	غزل ۔ حاصل عمر دو روزہ گو بظاہر غم تو ہے ۔
〃	قول مرداں جاں دارد
۱۰۲	امیروں کی نسبت ایک فقیر کا خیال
〃	غزل ۔ دل بھی مائل ہے اب پھر مناجات تو ہے
〃	گدائے متکبر ۔

صفحہ	عنوان نظم
۱۰۳	افسران سررشتہ کا بخل زبانی
"	غزل ۔ قابلیت کی دلیلیں اور کچھ ہو یا نہو
"	[illegible]
۱۰۴	فصل دوم متفرق نظمیں
"	کوئل
۱۰۶	ایک سپاہی کا خواب
۱۰۹	پرند کی فریاد ایک بیگم سے
۱۱۰	جنگ یورپ لنڈن
۱۱۲	شکستہ مسجد
۱۱۴	ایک ستم ظریف
۱۱۵	سوہلے ۔ ٹونے ۔ گالیاں
۱۱۶	شکوۂ جنگ
۱۱۷	کبیر چٹائی
۱۱۸	مسجد کے خائن متولی کی نسبت ایک جولاہے کا خیال
۱۱۹	ساچق مہندی
۱۲۰	بدزبان ساس پھوہڑ بہو
۱۲۱	قرض لیکر شادی کرنا
"	اچھا مرشد
۱۲۲	پورب والے شاہصاحب
۱۲۳	عامل کامل
"	چنومیاں سیندھی نوش
۱۲۴	دکھیہ بھریں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں
"	سرتاج قلندر
۱۲۵	چنڈول
۱۲۶	ایک تیتر باز کا گیت
۱۲۷	مچھلی والے کا گیت
"	ٹھگوں کا گیت
۱۲۸	چوروں کا گیت
۱۲۹	ہولی
"	ملار
۱۳۰	شرابیوں کا گیت
۱۳۱	باب سوم جذبات مذہبی فصل اول نعتیہ و اشتیاقیہ
"	حمد و نعت
"	حاجیوں کا داخلہ مدینے میں
۱۳۲	ہوائے یثرب
۱۳۳	غزل ۔ احمد پاک تک اشکوں سے جایا نہ گیا
"	نقشۂ کعبہ و مدینہ دیکھکر ایک مشتاق کے خیالات
"	غزل ۔ یثرب کو کوئی سر کے ہی بل جائے تو اچھا
۱۳۴	غزل ۔ یوں ہوا و حرص میں ہم نے دی ٹھوکر تو کشتی قلم اٹھا
"	یثرب سے شکایت

صفحہ	عنوان نظم
۱۳۵	بکے کا اک مسافر
۱۳۶	غزل۔ شب ہجراں عبث لپٹی ہے تو کالی بلا ہوکر
″	غزل۔ بندوں کی صفت اور ہے اوصاف خدا اور
۱۳۷	حضرت شفیع المذنبین کی خدمت میں سلام
۱۳۸	سلام
″	غزل ناتمام۔ قدم کس کا کعبے میں آگیا کہ زمیں پہ بت ہی ہر اک گرا
″	صلی اللہ علیہ وسلم
۱۳۹	میلاد مسیح
″	غزل۔ مرقد سے جو ہم صبح کا سرگرم فغاں اٹھیں
″	مشتاق کعبہ
۱۴۱	تمنائے مدینہ
″	سرکار بلالیں یثرب میں
۱۴۲	غزل۔ مدینے جانے کے کچھ ساز و ساماں ہو جائیں
″	میلاد محمد صلی اللہ علیہ وسلم
۱۴۳	فقیرانہ غزل
۱۴۴	اشتیاق حج
″	مجھکو بلاتے نہیں ؟
۱۴۵	غزل۔ حاجیو روضۂ پر نور سے آؤ آؤ
″	ایک معروضہ
۱۴۶	غزل۔ ہنسی خوشی سے چلو یا غم و عنا سے چلو
″	غزل۔ دید دولت پہ سنبھالے ہیں عاصی مجھکو
″	مشتاقوں کا مدینے میں داخل ہونا۔

صفحہ	عنوان نظم
۱۴۷	غزل۔ گنہگاروں کو دوزخ سے بچانا یا رسول اللہ
۱۴۸	غزل۔ یثرب جو میں پہونچوں تو لگے خلد بریں مجھ
″	حاجیوں کا قافلہ اب مدینے پہنچا ہے۔
″	غزل۔ یا نبی آپ سر عرش معلی پہونچے
۱۴۹	غزل۔ مسکن مرا یثرب میں بظاہر تو نہیں ہے۔
″	حضرت نزل سے گزارش
۱۵۰	او تاجدار جنت مدینے کے والی
″	غزل۔ خدایا رحم فرما اب کہ ہم میں کچھ نہیں باقی
۱۵۱	مسلمانوں کو مبارکبادی
″	آہنگ حجازی
۱۵۳	فصل دوم — متفرق اشتیاقیہ و نعتیہ نظمیں
″	مدینے کی چاندنی
۱۵۵	ترکیب بند اشتیاقیہ
۱۵۶	صوفیانہ ٹھمری
۱۵۷	اشتیاقیہ گیت
″	عاصیوں کی التجا
۱۵۸	عالم حیرت
۱۵۹	مخمس
۱۶۱	مکہ معظمہ
۱۶۳	ترکیب بند مناجاتیہ
۱۶۴	سرکار سنبھالو مجھکو

صفحہ	عنوان نظم
۱۶۴	خمسہ برغزل خود
۱۶۷	**فصل سوم**
	سلام و نوحہ جات
"	سید الشہدا کی خدمت میں سلام
"	شکوۂ فرات
۱۶۸	واقعات کربلا
۱۶۹	ماتم رضاؑ
۱۷۰	اصغر نے کیا کیا تھا ؟
"	واویلا !!
۱۷۱	سلام بہ خدمت امام علی رضا علیہ السلام
"	شہادت امیر المومنین علی ابن ابی طالب
۱۷۲	ساقی کوثر کا ماتم
۱۷۴	نوحۂ علی اصغر
"	الوداع
۱۷۵	ہے ہے رضائے مظلوم
[illegible]	اے کرب وبلا خونخوار زمیں
۱۷۶	شبیر کا نوحہ شبیر پر
۱۷۸	شبیر کا نوحہ اصغر پر
۱۸۱	مظلوم سکینہ مغموم سکینہ
"	تابوت سکینہ
۱۸۲	صبح محشر
"	محرم کی چاندنی
۱۸۳	ماہ عرب
"	نوحہ
۱۸۴	احمد ثانی
۱۸۵	بیمار کربلا
"	سکینہ کی مصیبت
"	شام قیامت
۱۸۶	گھر نظر آتا ہے خالی خالی
۱۸۷	تمت
۱۸۹	قطعات تاریخ طبع کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بابِ اوّل

مدائح و محامد

بارگاہ آصفی میں حاضری کی تمنّا

مقدور کیا۔ ملیں جو شہِ کامراں سے ہم
بھجوائیں وہ۔ تو آئے ہیں ایسے کہاں سے ہم

فصلِ بہار۔ بابِ چمن بند۔ یا نصیب!
گلچیں سے ہیں ملول۔ نہ کچھ باغباں سے ہم

گلگشت کی سہی نہ اجازت۔ مگر ہے شکر
بیٹھے ہوئے تو دیکھتے ہیں آشیاں سے ہم

کہنا صبا! یہ آصفِ گردوں جناب سے
شاہا! پڑے ہیں دُور ترے آستاں سے ہم

برسوں زباں پہ لائے نہ ہم شکوۂ فراق
آخر کو چیخ ہی اُٹھے جوشِ فغاں سے ہم

یارانِ ہم سفر سرِ منزل پہنچ گئے
بچھڑے ہیں نقشِ پا کی طرح کارواں سے ہم

گُل ہیں۔ مگر نہ زینتِ باغ و چمن ہوئے
کمھلا رہے ہیں دشت میں جورِ خزاں سے ہم

ہوتے نہیں شریکِ گُل آرائیِ چمن
واقف ہیں گرچہ رسم و رہِ گلستاں سے ہم

حالانکہ ہم بھی خوانِ سخن کے ہیں میزباں
دکھلائی دے رہے ہیں مگر میہماں سے ہم

پڑتی نہیں نظر شہِ جوہر شناس کی
گویا ہنوز نکلے نہیں بحر و کاں سے ہم

آئے ادھر بھی دورِ مئے فیضِ آصفی
چکرا گئے ہیں گردشِ دورِ زماں سے ہم

عرض حال بہ پیشگاہ حضرت بندگانعالی

میں کہ ہوں فکر معیشت سے پریشان بہت / تنگدستی نے کیا ہے مجھے حیران بہت

کعبۂ امن واماں ! قبلۂ حاجات روا / جز معاشی سے ہوا ہے مجھے خلجان بہت

تین سو ہے مری تنخواہ ۔ گر مجھے دار / اسمیں ہیں اپنے پرائے شہ ذیشان! بہت

شکر الحمد! کہ دل اب بھی قوی ہے میرا / جو ہے مشکل ۔ نظر آتی ہے وہ آسان بہت

اعلیٰ حضرت مرے حامی ہیں مجھے غم کیا ہے / ہے مری عقدہ کشائی کا بھی سامان بہت

لیکے حاجت در دولت پہ ہوا ہوں حاضر / ساتھ آئے ہیں مرے حسرت وارمان بہت

نہیں ممکن کہ رہے بندۂ درگہ محروم / جب کہ غیروں پہ بھی ہوں آپکے احسان بہت

حکم اب میری ترقی کا بھی صادر ہوجائے / جاری جس طرح کئے آپنے فرمان بہت

مدح حضور پرنور

زینت افسر و اورنگ بڑھانے والے / فتنہ و شر کو زمانے سے مٹانیوالے

شعلۂ تیغ سے اعدا کو جلانے والے / جور و ایذا سے رعیت کو بچانے والے

میر عثمان علیخاں ۔ شہ گردوں رفعت! / قوم کی شان زمانے میں بڑھانے والے

تابع شرع متیں حامی دین وملت! / خیر اسلام کی دن رات منانے والے!

تم نے اصلاحیں وہ فرمائیں کہ خوش ہیں سب لوگ / اس زمانے کے بھی اور اگلے زمانے والے

رعب شاہی کا وہ بیٹھا ہے دلوں پر سکہ / سر اٹھا سکتے نہیں فتنہ اٹھانے والے

عہد شہ میں کسی ظالم کو نہ ہنستے دیکھا / بیٹھے روتے ہیں غریبوں کو رلانے والے

سینکڑوں کر دئیے سرکار نے نافذ اسکیم / عیش اڑانے لگے ۔ یاں خاک اڑانے والے

ہوئے عمال ترقی سے شہا! مالامال / زر اٹھانے لگے تکلیف اٹھانے والے

یومیہ منصب و تنخواہ و وظیفہ انعام / روز و شب پاتے چلے جاتے ہیں پانیوالے

کرتے کرتے ترے احکام سخا کی تعمیل / تھک گئے اہل حساب اور خزانے والے

داستانیں ہوئیں شاہان سلف کی تازہ / ذات والا سے ۔ او لاکھوں کے لٹانے والے

فیض کے تم نے بہائے ہیں جہاں میں دریا
کیوں نہ ممنون تمہارے ہوں زمانے والے

اہل مشرق ہوں کوئی یا کہ ہوں اہل مغرب
آپ کے دم کی ہیں سب خیر منانے والے

مصر و شام و عرب و ہند و عجم میں شاہا
تم ہو کوس لمن الملک بجانے والے

قصیدہ بہ تقریب سالگرہ مبارک اعلیٰ حضرت

مرحبا! ماہ ہمایوں! روز مسعود! السلام
اے تجھے صبح مبارک! اے تجھے فرخندہ شام!

اے خوشا ساعت! کہ عالم میں ہوئے آپ جلوہ گر
میر عثمان علی خاں۔ خسرو گردوں خیام

جنکے نام نامی کا ڈنکا بجا ہے دہر میں
طنطنہ پہنچا ہے جنکے دور کا تا سقف بام

جو تدبر میں ہیں سرتاسر نشانِ آصفی
جو تجمل میں ہیں سرتاپا سلیماں احتشام

ذات عالی پر ہے جنکی سب مسلمانوں کو فخر
ہند میں باقی ہے جن سے قوم کا سب احترام

جنکو رہتا ہے سدا اہم جاں نثاروں کا خیال
فکر بہبود رعیت جن کو رہتی ہے مدام

تن دہی سے صرف کرتے ہیں جو اوقاتِ شریف
کارہائے سلطنت میں رات دن بالالتزام

جنکے دم سے مسندِ شاہی پہ ظاہر ہے وجود
جنکے قدموں سے مساجد میں ہے پیدا احتشام

اے نظام الملک! آصفجاہ! شاہِ دیں پناہ!
حامیِ شرعِ متیں! بحر کرم! فخر کرام!

پیر و مرشد! آپکے دربار گوہر بار سے
قوم کی اگلی شکوہ و شان کا زندہ ہے نام

بارگاہ آصفی ہے چشمۂ جود و سخا
جس سے جاری ہیں جہاں میں نہرہائے فیض عام

ریزہ چینِ خوانِ آصف ہر جگہ موجود ہیں
ہند ہو۔ مصر و عرب ہوں یا عجم یا روم و شام

دستگیری سے اسی سرکارِ فیض آثار کی
حاجیوں کے قافلے جاتے ہیں تا بیت الحرام

کون لیتا ہے؟ حضور! اتنی یتیموں کی خبر
پرورش کا ہے ایامیٰ کی کہاں یہ انتظام؟

یوں تو دنیا میں ہزاروں ہیں رئیس و حکمراں
ہے فیوض جاریہ کا کس کے ہاں یہ اہتمام؟

خانقاہیں، مسجدیں، درگاہیں، معبد، مدرسے
ہیں زبانِ حال سے ممنونِ سرکارِ نظام

ملک و ملت کا تعصب کچھ نہیں سرکار کو
فی الحقیقت نام یاں پیارا نہیں۔ پیارا ہے، کام

کچھ مسلماں ہی نہیں ہیں بندگانِ زر خرید
بن گئے ہیں فضل سے سرکار کے ہندو بھی غلام

آپکے لطف و مراحم سب پہ یکساں ہیں شہا!
لوحش اللہ! ایں چنیں شاہ و رئیسے اینچنیں!
شاد باش و شاد زی! اے خسروِ عالی تبار!
ظلِ عالی جاں نثاروں پر ہے سایہ فگن
نکہتِ گلہائے خندانِ ریاضِ شاہ سے
حاسدوں کے فتنہ و شر سے رہے محفوظ یہ
ایسے صدہا جشنِ عشرت ہم کو کرنے ہوں نصیب

چھا رہا ہے ابرِ رحمت دولتِ عالی میں عام
بارک اللہ! ایں سیاست حبذا! ایں انصرام
اے نظام! ابن نظام! ابن نظام ابن نظام
یاں رہے دورِ نظام اور چرخ پر شمسی نظام
ہوں معطر ہم دعاگویانِ دولت کے مشام
رحمتیں نازل رہیں ملکِ دکن پر صبح و شام
یار ہوں۔ سرکار ہوں۔ شبیر ہو اور باغ عام ۱؎

افتتاح مکان عدالت عالیہ کیلئے اعلیحضرت کی تشریف آوری

تجھ میں اب فصلِ بہار۔ اے گلستاں! آنیکو ہے
عدل سے پھولا پھلا ہے جس کے گلزارِ دکن
ذاتِ والا پر ہے جس کی سب مسلمانوں کو ناز
دیدۂ بیدار جس کا طالبِ راحت نہیں
دادخواہوں کا ٹھکانا مستغیثوں کی پناہ
جسکی انگشتِ شہادت ہے کلیدِ بابِ عدل
ہے جبیں سے جسکی اک شانِ سلیمانی عیاں
وہ محی الدین والملۃ۔ شہ عیسیٰ نفس
تاجدارِ آصفی۔ شانِ سلف کی یادگار
میر عثمان علیخاں۔ قبلۂ حاجت روا
السلام! اے پیشگاہِ عدل و انصاف۔ السلام

بہرِ گلگشت آج شاہِ کامراں آنے کو ہے
اس چمن میں وہ ہمارا باغباں آنیکو ہے
آج وہ فخرِ سلاطینِ زماں آنے کو ہے
وہ رعیت کا جفاکش پاسباں آنے کو ہے
ذرہ پرور۔ چارہ سازِ بیکساں آنے کو ہے
آج وہ انصاف گستر۔ میہماں آنے کو ہے
وہ جنابِ آصفِ ذیجاہ۔ یاں آنے کو ہے
جس سے آئی قوم کے قالب میں جاں آنے کو ہے
خضرِ فرخ پے۔ امیرِ کارواں آنے کو ہے
حامیِ دیں۔ کعبۂ امن و اماں آنے کو ہے
بخشنے کو جسکے تجھے توقیر و شاں آنے کو ہے

۱؎ یہ قصیدہ بتاریخ ۲ رجب ۱۳۳۲ھ بمقام باغ عامہ جلسہ محکمۂ صفائی میں جو بہ صدارت عالی جناب نواب سالار جنگ بہادر سابق مدار المہام سرکار عالی منعقد ہوا تھا پڑھا گیا تھا اور محکمۂ صفائی کی پرزور تحریک و مراسلت کی بنا پر نیاز مند نے تیار کیا تھا ۱۲

ہے عدالت قصرِ شہ کا اک لقب - حیرت یہ ہے — بنکے مہماں اپنے گھر خود میزباں آنے کو ہے

آسماں سے کیوں نہ سرگوشی کرے اب یہ مکاں — شاہِ عالی مرتبت گردوں مکاں آنے کو ہے

ہوتے ہیں اب جلوہ فرما - کاخ کسریٰ میں حضور — بارگاہ عدل میں نوشیرواں آنے کو ہے

عرش پر کیوں نہ ہو اہل عدالت کا دماغ — بادشاہ عدل گستر اب یہاں آنے کو ہے

جس تماشے کی تھیں اک مدت سے آنکھیں منتظر — شکر ہے - پیش نظر اب وہ سماں آنے کو ہے

کر سکے شیریں کلامی - کیا کوئی شیریں سخن؟ — بزم میں اب خسروِ شیریں زباں آنے کو ہے

شاعری اور نکتہ سنجی کی بند ہے اب کیا ہوا — بادشاہ نکتہ سنج و نکتہ داں آنے کو ہے

شعر گوئی ختم کر شبیر - ہے وقتِ دعا — حاضریں کے دل سے آہیں تا زباں آنے کو ہے

ملک میں یارب رہے سرسبز یہ نخل مراد — دم قدم سے اسکے یاں لطفِ جناں آنے کو ہی

دُرفشاں دایم رہے - یہ ابر رحمت ہند میں — فیض سے اسکے بہار بے خزاں آنے کو ہی

مدح خسرو دکن

شہِ اسلام! دیں پرور! نشان شان یزدانی — نظام الملک آصفجاہ! شایانِ جہانبانی

تمہاری ذاتِ والا سے مفخر تخت خاقانی — تمہارے فرقِ اقدس سے شکوہ تاج سلطانی

تمہارا عہدِ بابرکت - ہے بندوں کے لئے رحمت — تمہارا سایۂ انور - ہے شاہا! ظل سبحانی

تعالی اللہ! زہے آصف! کہ ور ذاتِ ہمایونت — نشانِ آصفی پیدا و ہم شانِ سلیمانی

خداوندا! سلامت رکھ تو عثمانِ علیخاں کو — دکن ہو دم قدم سے انکے رشکِ باغ رضوانی

نہ ہوگا حکمراں ایسا کوئی آفاق میں شبیر — فدائی جسکے ہیں گبر و مسلماں اور نصرانی

قطعۂ دعائیہ

طرب و عیش سے اے شاہ! تو دلشاد رہے — غمِ گیتی سے رعیت تری آزاد رہے

عدل و انصاف کے اب ایسے بجا دو ڈنکے

کہ زمانے میں ترا نام سدا یاد رہے

تہنیت و مدح عالیجناب نواب سر امین جنگ بہادر مولوی احمد حسین ایم۔ اے۔ بی۔ ایل۔ کے۔ سی۔ یس۔ آئی صدر المہام پیشی حضور اقدس و اعلیٰ

آپکے بخت جواں میں پھر شباب آنے کو ہے
فخر کرتی ہے زمین ہند جس کی ذات پر
دست والا میں تمہارے مولوی احمد حسین
نظم و نسق ملک کی کشتی بھنور میں جب پڑی
دفتر پیشی کا دیکھا آپ کو جب معتمد
آبیاری سے تمہاری اے گرامی منزلت!
آپ کے دشمن بہت سے ہو گئے خوار و تباہ
ہو مبارک آپ کو شادی الطاف حسین
شاعر گوشہ نشیں شبیار خادم آپ کا

ق

عنقریب اب شاہ سے کوئی خطاب آنے کو ہے
آپکے ہاں وہ شہ گردوں کاب آنے کو ہے
دولت عالی سے دولت بے حساب آنے کو ہے
ایک طوفاں مچ رہا تھا انقلاب آنے کو ہے
خلق سمجھی نور میں اب ماہتاب آنے کو ہے
گلشن ملک دکن میں آب و تاب آنے کو ہے
اور جو کچھ باقی ہیں ان پر بھی عذاب آنے کو ہے
مژدہ باد! اب موسم چنگ و رباب آنے کو ہے
بن بلائے آپ کے در پر جناب آنے کو ہے

سہرا بہ تقریب شادی جناب خواجہ الطاف حسین صاحب مددگار تعلقدار داماد عالیجناب نواب سر امین جنگ بہادر صدر المہام پیشی حضور پر نور

اگرچہ جناب خواجہ الطاف حسین صاحب کی مبارک شادی کو اس وقت انیس سال گزرے ہیں مگر اس سہرے کا

ا؎ اس درویش کی یہ نظم اگرچہ تصرفات درویشانہ میں شمار نہیں ہو سکتی تاہم شاعرانہ پیشین گوئی ضرور ہے۔ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ میں عالیجناب نواب امین جنگ بہادر کی دختر نیک اختر کی شادی جناب خواجہ الطاف حسین صاحب سے قرار پائی تھی۔ نیازمند نے شادی شروع ہونے سے قبل ۱۸ ذیقعدہ کو یہ نظم عالیجناب ممدوح کے ملاحظہ میں گزرانی اسوقت تک اور نیز ایام شادی میں کسی کو اس بات کا علم و یقین نہ تھا کہ حضرت غفران مکاں نواب میر محبوب علیخاں نور اللہ مرقدہ رونق افروز شادی ہونگے مگر خدا کی شان کہ ۲۳ ذیقعدہ کو تشریف آوری کے بارہ میں فرمان خسروی صادر ہوا جیساکہ نیازمند نے پہلے شعر میں عرض کیا تھا۔

عنقریب اب شاہ سے کوئی خطاب آنے کو ہے

خطاب کے معنے یہاں فرمان شاہی ہیں۔ حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

سحر با باد میگفتم حدیث آرزو مندی　　خطاب آمد کہ واثق شو بہ الطاف خداوندی

چنانچہ ۲۶ ذیقعدہ کو حضرت غفران مکان عزت افزائے دولتکدۂ نواب صاحب معز ہوئے اور دوسرے شعر کی تصدیق ہوئی نیز عالیجناب نواب صاحب جب جو اسوقت معتمد پیشی و چیف سکریٹری تھے صدر المہامی پیشی کی خدمت جلیلہ سے ممتاز فرمائے گئے اور خطابات سے سرفرازی بخشی گئی۔ غرضکہ اس [illegible]

پھر چا ہنوز ارباب سخن کی زباں پر ہے ۔ بتاریخ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ جب حضرت غفراں مکان اعلیحضرت
نواب میر محبوب علیخان بہادر نور اللہ مرقدہٗ جناب صدر المہام بہادر کے دولتکدے پر
تشریف فرما ہوئے اور چند شعرا کو اعزاز باریابی بخشا تو اس فقیر کو بھی بہ مراحمِ خسروانہ بندگانعالی
نے کرسی پر بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی اور بہ عنایت بے پایاں و توجہات بیکراں یہ سہرا سماعت
فرما کر اپنے نمکخوار کو معزز و مفتخر فرمایا تھا

مبارک وقت ہے لکھیے برنگِ بوستاں سہرا
بنا دیجے گُلِ مضموں سے شاخِ زعفراں سہرا

مگر یہ فکر ہے ہم سے نہ لکھا جائیگا ہرگز
لکھا کرتے ہیں جیسا شاعرانِ خوش بیاں سہرا

طبیعت خرچ نہیں کرتی ہے مضمونِ خیالی کا
کریں ہم پیش کیا لکھکر بطورِ ارمغاں سہرا

بعید از فہم و دور از عقل باتوں سے ہو کیا حاصل
بجز اس کے کہ بنجائے سراپا داستاں سہرا

کہاں ممکن کہ لائیں توڑ کر ہم عرش کے تارے
بنائیں واسطے نوشہ کے مثلِ کہکشاں سہرا

یقیں آتا نہیں ہم کو کہ ماہِ نو کی کشتی میں
لگا کر گوہرِ انجم سے لائے آسماں سہرا

فلک کیا بھیجنے والا ہے! کیا ہم لینے والے ہیں!
کہ لیں عقدِ ثریا اور بنائیں دلستاں سہرا

نہیں ممکن فراہم سات دریا کے کریں موتی
بنائیں پھر نئے انداز کا اک درفشاں سہرا

نوا سنجی کریں گلشن میں مرغانِ چمن کیونکر
فلک پر کیسے ہو وردِ زبانِ قدسیاں سہرا

رگ گل سے بنائے کیا کہیں بلبل یہ سہرے بھی
گندھا ہے مہر انور کی شعاعوں سے کہاں سہرا؟

یہ مانا منہ سے نوشہ کے ہنسی میں پھول جھڑتے ہیں
مگر کیسے بنائیں چنکر انکو باغباں سہرا؟

یہ کہہ دینا تو آساں ہے مگر اس جھوٹ کی حد بھی
بھلا کسطرح گوندھیں آ کے حورانِ جناں سہرا؟

یہ سب کچھ ہو نہیں سکتا تو بس اب کہہ کے دو باتیں
کریں ختم اور نہ لکھیں ہم جنیب سہرا ہمیاں سہرا

نہ ہو کیوں عز و شانِ خواجہ الطافِ حسین افزوں
جو باندھیں بندگانِ عالی شاہِ کامراں سہرا

سعادت دستِ ظل اللہ نے دی یہ شرف وہ ہے
کرے جس پر ہمیشہ فخر اگر پائے زباں سہرا

ہمایوں بخت! فرخ فال! اے عالی گہر نوشہ
کرے تم کو مبارک خالقِ کون و مکاں سہرا

عطا ہوں آپ کو جاہ و حشم سرکارِ عالی سے
رہے علم و حکم کا آپ کے سر جاوداں سہرا

نہ باندھے کچھ طلسمِ ظاہری ثمینار یہ ڈر ہے
کہیں تم سے نہ کر دے شاعروں کو سرگراں سہرا

نواب سربلند جنگ بہادر کی سفرِ حج سے واپسی

اِس درویش کو سالہا سال سے تمنائے حج و زیارت ہے۔ بغیر دیکھے ہوئے اُس مقدس سرزمین کے دلکش منظر آنکھوں میں پھر رہے ہیں اور بغیر سنے ہوئے حاجیوں کی صدائے لبیک کانوں میں گونج رہی ہے۔ سنہ ۱۳۲۸ ہجری میں جب کہ عالیجناب معلی القاب فضل العلماء حاجی مولوی نواب سید محمد حمید اللہ خاں بہادر ایم۔ اے بیرسٹر ایٹ لا سابق میر مجلس عدالت عالیہ حیدرآباد دکن جو اس نیازمند کے محسن ہیں سفر حرمین سے مشرف ہو کر واپس تشریف لائے تو وہ خیالات جو برسوں سے میرے دل میں موجیں مار رہے تھے آخر اس سیلاب کی شکل میں اُمنڈ پڑے

آئے ہیں یثرب سے واپس حاجیوں کے کارواں
رشک میرے دلمیں کیا کیا لے رہا ہے چٹکیاں

وائے قسمت ! ہائے طالع ۔ ہم یہیں بھٹکا کئے
واں جو ہو آئے ۔ زہے تقدیر و بخت کامراں!

بارگاہِ اقدسِ سلطانِ دیں تک وہ گئے
ہم یہاں پھرتے رہے گردِ فلاں ابنِ فلاں

اب تصور اور ہی عالم میں مجھ کو لے گیا
چھا رہا ہے اور ہی کچھ میری آنکھوں میں سماں

اب مری تسکین حلق و قصر سے ہوتی نہیں
ہو گیا اب سر ہی میرے دوش پر بارِ گراں

دامنِ دل کھینچتے ہیں دشتِ بطحا کے ببول
پنجۂ خارِ مغیلاں میں پھنسا ہے دستِ جاں

نکہتِ بادِ بہاری سے مرا دل بھر گیا
ہے کہ ہر بادِ سموم و عالمِ فصلِ خزاں

سبزۂ غلطاں مرے پاؤں میں اب چبھنے لگا
آرہے ہیں یاد صحرائے عرب ۔ ریگِ رواں

ہر طرف وہ حاجیوں کے خیمے ہی خیمے لگے
وہ صدا لبیک کی اونٹوں کا وہ شور و فغاں

مکے میں وہ محملِ مصری و شامی کا ورود
وہ غلافِ پاک کعبہ پر ہجومِ عاشقاں

چاہِ زمزم پر وہ مشتاقوں کا اک جمِ غفیر
وہ حطیم و ملتزم پر اہلِ دل گریہ کناں

داخلے کے وقت وہ حجاج کا جوش و خروش
وہ جھپٹنا سوئے سنگِ اسود و رکنِ یماں

دمبدم وہ نعرۂ تکبیر کی دلکش صدا
جابجا وہ حمد و تسبیحِ خداوندِ جہاں

وہ صفا ۔ مروہ ۔ منیٰ میں حاجیوں کا اژدحام
سعی میں وہ دوڑتے چلنا بسانِ پہلواں

کوہِ رحمت پر وہ خطبہ اور وہ اُس کا اثر
وہ خموشی وہ متانت از زمیں تا آسماں

کعبے سے پھر زائروں کا جانبِ طیبہ سفر
وہ وفورِ شوق میں صلِّ علیٰ وردِ زباں

راستے میں قافلے کا سیدھا سادہ وہ جلوس
شغدف و شبری کجاوہ۔ محمل و تخت رواں

ناقوں کا وہ رقص کرنا سن کے آہنگ حجاز
وہ حدی خوانوں کا نغمے وہ سُریلی گھنٹیاں

رات کو منزل کا وہ پر لطف منظر دلفریب
وہ صدائیں بزہ! بزہ! کی وہ بدوی پاسبان

وہ جناب رحمۃ للعالمیں میں حاضری
فرط بے تابی سے وہ مشتاق آنکھیں خوں فشاں

وہ مزارات مقدس کی زیارات بقیع
وہ دعائیں حاجیوں کی۔ کاش ہو مدفن یہاں

وقت رخصت آبدیدہ ہو کے وہ پڑھنا سلام
سامنے وہ مرقد پرنور شاہ انس و جاں

حیف یہ نعمت نہ مجھ کو ہاتھ آئی۔ یا نصیب
وائے قسمت: سر رہا مشتاق سنگ آستاں

کسطرح شہباز باغ خلد تک جاتے قدم
ہائے! یہ عاصی کہاں! وہ روضۂ اطہر کہاں

ہاں اگر ہر جمعہ ہوتا ہے کچھ نعم البدل
حج نہ ملنے کی تلافی یہ ہے پیش عارفاں

باندھ کر احرام اور لبیک اب کہتے ہوئے
کیجیے طوف مولوی حاجی حمید اللہ خاں

شکریہ حضرۃ حاجی اختر حمید سلطان بیگم صاحبہ قبلہ

اختر حمید سلطان بیگم صاحبہ قبلہ المتخلص بہ سہاگن جب ۲۷ ۱۳ھ میں حج و زیارت سے مشرف ہو کر ماہ ربیع الاول ۲۸ ۱۳ھ میں مراجعت فرمائے بلدہ ہوئیں تو اس نیازمند کو بھی کچھ تبرکات عنایت فرمائے جنکے شکریہ میں یہ نظم لکھی گئی۔ جناب ممدوحہ عالیجناب معلی القاب نواب سرور الملک بہادر کی دختر نیک اختر و محل عالیجناب افضل العلماء نواب بلند جنگ بہادر ہیں۔

نیر برج شرف اختر سلطان بیگم
میری مخدوم و مکرم۔ میری محسن ذیشاں

بہرہ ور تم جو زیارات مقدس سے ہوئیں
کیوں نہ ہو؟ طالع بیدار تمہارا زیر فرماں

کر دیا حج سے مشرف بھی خدا نے تم کو
آرزو وہ بھی بر آئی جو تھی مدت سے نہاں

جو تبرک کہ مجھے تم نے عنایت فرمائے
شکریہ انکا بڑا ہے مری چھوٹی ہے زباں

کون کرتا ہے غریبوں پہ عنایات و کرم؟
لطف چھوٹوں پہ جو فرمائیں وہ انساں ہیں کہاں

للہ الحمد! یہ اخلاق ہے تم میں ظاہر
شکر! یہ وصف بھی ہے ذات مبارک میں عیاں

شیوۂ لطف سے آثار سعادت پیدا
رگ و پے میں اثر خون شرافت پنہاں

چونکہ ہر حال میں کرتی ہو عنایت مجھ پر — چونکہ فرماتی ہو تم مجھ پہ نہایت احساں
کیا عجب ہے جو توسل سے تمہارے اللہ — بخشدے مجھ کو بھی جاگیر میں باغ رضواں
انکا سایہ ہے سر پہ ہمارے برسوں — شامل حال ہے آپ کے فضل یزداں

ق

قصیدہ تہنیت عالیجناب نواب مرزا یار جنگ بہادر چیف جسٹس ہائیکورٹ حیدرآباد دکن[1]

گرچہ ہیں پابند ہم محکوم طاعت کے لئے — خلق بھی لازم ہے ارباب حکومت کے لئے
جس سررشتہ کا ہوگا افسر و حاکم خلیق — دل نہ مائل ہونگے ہرگز اُسکی خدمت کے لئے
منت اللہ جس افسر کے ہیں خدام ہم — ہے نمونہ صاحبانِ جاہ و حشمت کے لئے
میر مجلس مولوی مرزا سمیع اللہ بیگ — ذاتِ والا جن کی رحمت ہے عدالت کے لئے
وصف لکھیں آپ کا یا اُس شہ عادل کی طرح — آپ کو جس نے چنا ہے عدل و نصفت کے لئے
شاہ کے الطاف بیحد۔ آپکے احساں ہزار — اک زباں کافی نہیں ہے شکر نعمت کے لئے
آپکی ذات گرامی سے عدالت کو ہے فخر — لگ گئے ہیں چار چاند اب اس کو زینت کے لئے
منتظر تھا آپ کے آنے کا یہ ایوانِ عدل — شوق سے اپنے قدم۔ حضرت سلامت کے لئے
کس مپرسی میں ہے اہل عدالت مدتوں — آپنے باندہی کمر انکی حمایت کے لئے
تھیں جو اسکیمیں اضافے کی کھٹائی میں پڑی — آپنے نافذ کرائیں دفع کلفت کے لئے
آپکی کوشش سے آخر وہ نقائص مٹ گئے — سنگ رہ تھے جو ترقی عدالت کے لئے
الغرض۔ اس صیغے کو اُس سطح پر لے آئے آپ — جو تھی شایاں اور زیبا اسکی وقعت کے لئے
مطمئن جب ہوگئے فرض اضافی سے تو پھر — کی توجہ فرض ذاتی سے فراغت کے لئے
یعنے اس ماہ مبارک میں کیا ہے انتظام — دخترِ فرخ شیم کی رسم رخصت کے لئے
شکر ہے یہ وقت آیا، سب عزیز و اقربا — چشم بر رہ تھے اِسی مسعود ساعت کے لئے
مرحبا وقتِ ہمایوں! حبذا یوم سعید — ہم نے بھی حصے تری یمن و سعادت کے لئے
اپنے مطلب سے یہاں ہم آچکے تھے بارہا — آج۔ آئے ہیں مبارک اور سلامت کے لئے

[1] عالیجناب عالی القاب نواب مرزا یار جنگ بہادر آنریبل مولوی مرزا سمیع اللہ بیگ چیف جسٹس حیدرآباد ہائیکورٹ دام اقبالہم کی دختر نیک اختر کی تقریب رسم رخصت کے موقع پر تاریخ ۳۰۔ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۰ھ یہ نظم پیش کی گئی تھی ۱۲

بارگاہِ ایزدی میں ہے دعا شبیر کی — آپکے اقبال وعمر وبخت ودولت کے لیئے
ظلِ عالی میں رہیں یا سر سبز یہ دولھا دلھن — دست بستہ عزت وحرمت ہوں خدمت کیلیئے
شاد وآباد ان کو دائم رکھے خلاق جہاں — ساتھ ہو فضلِ خدا انکی حفاظت کے لیئے

تہنیت تشریف آوری عالیجناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر

عالیجناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم - اے بیرسٹر ایٹ لا شوال ۱۳۳۹ھ میں جب خدمت جلیلہ معتمدی عدالت وکوتوالی وامور عامہ سرکار عالی پر تشریف لائے تھے اسوقت یہ غزل لکھی گئی تھی - آجکل عالیجناب ممدوح معتمد سرکار عالی صیغہ افواج وغیرہ ہیں

للہ الحمد! کہ اب شاہ کا فرماں آیا — لے کے پیغام خوشی پیکِ سلیماں آیا
شکر! صد شکر! کہ پھر بادِ بہاری آئی — شکر للہ! کہ پھر ابرِ بہاراں آیا
اے صبا! جا کے جوانانِ چمن سے کہدے — منتظر جسکے تھے - وہ سروِ خراماں آیا
آگئی گلشنِ احباب میں پھر تازہ بہار — کہ وہ رونق دہِ سرو وگل وریحاں آیا
کی بہی خواہِ ریاست کو عطا پھر خدمت — قدر دانی پہ خیالِ شہ ذیشاں آیا
بسکہ شبیر ہے وابستہ تمہارے گھر کا — در دولت پہ بصد شوق غزل خواں آیا

قطعہ تاریخ تشریف آوری عالیجناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر

ہمارا یوسفِ گم گشتہ آیا — ہیں دن عید ہے شب لیلۃ القدر
سنِ رونق فزائی ہم نے شبیر — لکھا - پھر آگئے نواب ذوالقدر

۱۳۳۹

قطعہ تاریخ تقرر عالیجناب نواب مولوی محمد مبارز الدین بہادر

ماہ تیر ۱۳۲۲ف میں جب عالیجناب نواب مولوی محمد مبارز الدینخاں بہادر مددگار تعلقدار مقرر ہوئے تھے اُس وقت اُن تعلقات خاص کی بناء پر جو اس درویش کو عالیجناب ممدوح سے ہیں یہ قطعہ تحریر کیا گیا - آجکل نواب صاحب معز ناظم خاص صیغہ کورٹ آف وارڈز ہیں

گو ستایش نہیں مرا شیوہ | باد خوانی سے مجھ کو سخت ہے عار
مدح گوئی سے مجھ کو کام نہیں | کوئی حاکم ہو یا ہو عہدہ دار
نہیں باندھے ہیں آج تک میں نے | اپنی نظموں میں جھوٹ کے طومار
متصف ۔ بہ صفات اعلیٰ ہے | گر کوئی ہو ۔ تو ہے بجا اظہار
تا ہو اوروں کو موجب ترغیب | تا ہو ۔ نیکی پہ نیک کو اصرار
سینکڑوں یاں امیر زادے ہیں | دائم الخمر و بندۂ خمار
انکو نسبت کہاں مبارز سے | انکے اڈھنگ اور انکے اطوار
وہ محمد مبارز الدین خاں | نیک خو ۔ نیک طبع ۔ نیک شعار
جن کے اوصاف ۔ قابل تعریف | جنکی تعریف ۔ قابل اقرار
خلق میں وہ ۔ نمونۂ اسلاف | جود میں وہ ۔ مقلد اخیار
منبع لطف و معدن احسان | خوش بیاں ۔ خوش مزاج و خوش گفتار
شغل انکا ۔ تلاوت قرآں | ورد ان کا ۔ نماز و استغفار
نوجواں انکے مثل بلدہ میں | میں نے دیکھا نہیں کوئی زنہار
انکی یہ عمر ۔ اور یہ تقویٰ ! | انکی یہ وضع ۔ اور یہ اطوار !
فی الحقیقت یہ اک مشائخ ہیں | نہ سہی ریش و جبہ و دستار
کیوں نہو ؟ اس ولی کے ہیں یہ خلف | جسکا گھر وقف تھا پے نادار
جس کے در سے پھرا نہ خالی ہاتھ | کوئی مفلس ۔ فقیر یا ناچار
خوان جسکا تھا ۔ مثل خوان خلیل | جس کی سرکار تھی ۔ سخی سرکار
جس نے اولاد کے لئے میراث | کچھ نہ چھوڑی سوائے نیک آثار
الغرض جن کے ہوں سلف ایسے | کیا عجب وہ بھی ہوں جو خجستہ تبار
کوئی حیرت نہیں اگر ان کو | بخشا شاہ دکن نے عز و وقار
ملی ان کو جو مال میں خدمت | حق بہ مرکز رسید آخر کار
فکر تاریخ مجھ کو تھی شبابؔ | دی لب دل نے یہ صدا اک بار
تم یہ کہدو مبارز الدین بھی | ہو گئے آپ سوم تعلقدار

ف ۱۳۲۲

تہنیت استقلال نواب حاکم الدولہ مرحوم سابق میر مجلس ہائیکورٹ

یہ قصیدہ نواب حضور نواز جنگ حاکم الدولہ محمد مصلح الدین خاں مرحوم المتخلص بہ سعادی؟ سابق میر مجلس حیدرآباد ہائیکورٹ کے استقلال کی تقریب میں لکھا گیا اور بتاریخ ۲۳ بہمن ۱۳۱۲؁ف بمقام محفوظ عدالت ایک بڑے جلسے میں پڑھا گیا تھا اسکے پڑھنے سے قبل نیازمند نے ایک مختصر تقریر کی تھی جس میں اس امر کی توجیہ بیان کی گئی تھی کہ یہ نظم زبان فارسی میں کیوں لکھی گئی۔ قصیدہ شروع کرنے سے پیشتر چند فقرے اس تقریر کے بھی درج کئے جاتے ہیں:—

شبیر ہندی نہاد کی تیغ زبان اگرچہ خالص فولاد ہندی کی ہے مگر اسمیں کچھ کچھ جوہر شمشیر اصفہانی کے بھی موجود ہیں۔ یہ درویش اگرچہ رہتا حیدرآباد میں ہے لیکن کبھی کبھی اس کو شیراز کے خواب بھی نظر آجاتے ہیں اس مبارک موقع پر میں نے چاہا تھا کہ زبانِ اردو میں کوئی نظم لکھکر سامعہ خراشی کروں مگر ہمارے واجب التعظیم ممدوح کے نام نامی و تخلص گرامی نے طبیعت کا رخ پلٹ دیا کہ حضرت مَصْلِحُ الدِّیْن سعدی کا تہنیت نامہ اور زبان اردو میں؟ ایک بہت ہی بے جوڑ بات ہے۔ غرض کہ ان خیالات نے مجھ کو اپنی پرانی لکیر پر نہیں چلنے دیا اور میں آنکھہ بند کر کے ایرانی سڑک پر ہولیا۔

دوش وقتِ صبح ایں مژدہ بگوشِ جاں رسید
کز جناب آصفِ گردوں حشم فرماں رسید

میر مجلس حاکم الدولہ بہادر را ز لطف
حکم استقلال اکنوں از شہ ذیشاں رسید

حبذا! اے ماہ آذر! اے دوشنبہ مرحبا
منۃً للہ! آخر حق بہ حقداراں رسید

صد سپاس و منت آں سلطان عادل را کزو
ایں چنیں حکمے بہ پاس غمگساراں رسید

در جہاں سرسبز ماند یارب آں نخلِ مراد
کز ہوایش باغ ما را رونق بستاں رسید

اے ولی نعمتم! بشرح و فور انبساط
از دلِ شوریدہ من تا لبِ نغواں رسید

جشنِ استقلالِ تو تنہا نہ ما کردیم و بس
زیں نوید ہم راہ روشنا آمد و فرحاں رسید

کے بود ہر کس سزاوار قبولِ خاص و عام؟
ایں سعادت کے بہر در جز درِ خاصاں رسید؟

تا دلِ اربابِ حاجت راہ بردن مشکل است
ورنہ از جاہ و حشم سہل است تا کیواں رسید

بحر مواجے است دنیا۔ ورطہ اش حق العباد
اے خوشا مردیکہ تا ساحل ازیں طوفاں رسید

بارک اللہ! از وجودت اے گرامی منزلت — صد ثبوت معدلت پیدا و ہم پنہاں رسید
شاد باش و شاد زی! اے حاکم عالی مقام — نام نیکت در جہاں تا گنبد گرداں رسید
دوستاں جمع اند و شیباں اند ریں بزم نشاط — سرخوش از صہبائے احسان تہنیت گویاں رسید

قطعہ تہنیت نواب مشیر الملک مرحوم

نواب عسکر جنگ آفتاب الدولہ مشیر الملک نواب میر مصطفےٰ علیخاں مرحوم کے فرزند نواب میر جعفر علیخاں کو خطاب ثریا جنگ عطا ہونے پر یہ قطعہ لکھا گیا تھا۔

اے مشیر الملک! والا جاہ! عالی مرتبت — آفتاب دولت آصفیہ! فرخندہ شیم
ہے بجنس سے آپ کی شان امیری آشکار — بلدہ میں ہے آپکی ذات ستودہ مغتنم
کارنامے آپکے اسلاف کے دنیا میں ہیں — واقعات آصفی کے ہم نشین و ہم قدم
چرخ شہرت پر ہیں انکے نام نامی جلوہ گر — تذکرے انکے ہیں تاریخوں میں زیب رقم
ہے دکن میں جاں نثاری انکی اک بین مثال — فی الحقیقت قابل تقلید آقا و خدم
یہ صلہ تھا سرفروشی کا۔ کہ تھے عالم میں وہ — مالک طبل و نشاں اور صاحب سیف و قلم
بے بہا وہ خدمتیں جو آپ کے اجداد نے — کی تھیں وقت جنگ آصفجاہ کے زیر علم
آج شاہ قدرداں سے پھر ملی ہے انکی داد — پھر نظر آتی ہے کچھ افزونی جاہ و حشم
خوش سیر جعفر علیخاں آپ کے فرزند اب — فضل سلطاں سے ہوئے ہیں مورد لطف و کرم
بارگاہ خسروی سے مل گیا ان کو خطاب — اپنے ہم چشموں میں ٹھیرے سرفراز و محترم
ہو مبارک آپ کو یہ سرفرازی یہ عروج — شاد رکھے آپ کو خلاق با عیش و نعم

مدح جناب مولوی سید ظہور الدین احمد صاحب

یہ اشعار اردی بہشت ۱۳۲۰ف میں لکھے گئے تھے جب کہ جناب مولوی سید ظہور الدین احمد صاحب وظیفہ یاب زائد سشن جج اورنگ آباد مجلس عالیہ عدالت میں معتمد تھے

ظہورِ پرتوِ دینِ محمد — نبیرہ سید ظہور الدین احمد
شریف و اشراف پرور — ہمارے معتمد - اللہ اکبر!

قطعۂ تہنیت مولوی میر عسکر علی مرحوم

مولوی میر عسکر علی مرحوم سشن جج کو معتمدی عدالت العالیہ سے جب ۱۳۲۲ف میں نظامت فوجداری بلدہ پر ترقی دی گئی تھی اُس وقت یہ قصیدہ لکھا تھا اور ۱۰ امر تیر ۱۳۲۲ف کو الوداعی جلسہ میں پڑھا گیا تھا

کسی کو اک جگہ رکھتا ہے کب دورِ زماں برسوں — غنیمت ہے جو ذکرِ خیر رہجائے یہاں برسوں
یہ مانا آپ جاتے ہیں ولیکن معتمد صاحب — یہاں قایم رہے گا آپ کا نام و نشاں برسوں
در و دیوارِ مجلس آپ کے مرہونِ منت ہیں — صدائے شکر سے گونجے گا یاں کا ہر مکاں برسوں
ہمارے دل مسخر کرلیئے ہیں تعلق بجد سے — رہیں گے مدح میں ہم آپکی رطب اللساں برسوں
عجب کیا ہے اثر سے آپکی شیریں کلامی کے — رہیں شیریں ہمارے بھی اگر کام و دہاں برسوں
تمہارے لطف و احساں کہ نہ بھولینگے کبھی قصے — رہے گی یاد ہر اک کو تمہاری داستاں برسوں
کھدا ہے نقشِ الفت لوحِ دل پر اہلکاروں کی — کریں گے یاد تم کو سب یہاں پیر و جواں برسوں
یقیں ہے آپ بھی ہم کو نہ دل سے دور سمجھیں گے — خدا رکھے اگر بالفرض ہم کو آسماں برسوں
مبارک ہو ترقی مولوی عسکر علی صاحب — بحقِ حضرتِ شبیر تم ہو کامراں برسوں
خدا رکھے سلامت حاکم الدولہ بہادر کو — رہے مجلس میں انکے دم قدم سے عز و شاں برسوں
بہارِ باغِ مجلس ہے اسی ذاتِ گرامی سے — خداوندا پھلے پھولے ہمارا باغباں برسوں

قطعۂ تہنیت شادی جناب نواب محمد مسعود اللہ خانصاحب

نواب محمد مسعود اللہ خانصاحب انجنیر ضلع میدک عالیجناب افضل العلما نواب سربلند جنگ بہادر سابق چیف جسٹس ہائیکورٹ حیدرآباد دکن کے فرزند ارجمند اور عالیجناب نواب جیون یار جنگ بہادر ایم اے بیرسٹر ایٹ لاجج ہائیکورٹ کے داماد ہیں - یہ قطعہ ۵ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ م ۲۸ فروردی ۱۳۳۴ف کو جلسۂ شادی میں پڑھا گیا تھا۔

تعالی اللہ! پھر بخت رسا لایا یہاں مجھہ کو
یہ وہ محفل ہے عشرت کی - یہ وہ جلسہ ہے شادی کا
تصور کا کرشمہ ہے - کہ آتے ہیں نظر اس وقت
سہانا وقت - بزم انس - یہ مجمع عزیزوں کا
تکلف کا یہاں کیا ذکر؟ اپنے گھر میں ہیں گویا
نہ کیونکر ہر طرف محفل میں اب دیکھوں کہ یاد آئے
صبا کہنا مبارکباد اُن کو میری جانب سے
خدا رکھے سدا [illegible] اس گھرانے کا
سلف اچھے خلف [illegible] اچھے [illegible]
لگا دے ساحل مقصود پر بیڑا جہاز اُس کا

بحمد اللہ! پھر آیا نظر اب یہ سماں مجھہ کو
کہ لایا شوق دید اِسکا یہاں دامن کشاں مجھکو
مہ پر نور مسعود - اور محفل - آسماں مجھہ کو
یہاں خوش ہوں - نہ دو تکلیف سیر گلستاں مجھکو
دکھائی دے رہے ہیں میہماں سب میزباں مجھہ کو
مرے محسن - مرے مرشد - حمید اللہ خاں مجھکو
سمجھتے ہیں جو اپنا جاں نثار و مدح خواں مجھہ کو
ہوا ثابت سراپا خلق ہر پیر و جواں مجھہ کو
نظر اِک آفتاب آتا ہے سارا خانداں مجھہ کو
گیا منزل پہ پہنچا کر امیر کارواں مجھہ کو

ترکیب بند وفات خطیب امجد حسین مرحوم

عالیجناب نواب سر امین جنگ بہادر سی - آئی - ای - صدر المہام پیشی کے خلف اکبر خطیب امجد حسین مرحوم اس ہیچمداں کے ارشد تلامذہ میں سے تھے مرحوم بغرض تعلیم ولایت گئے ہوئے تھے اور کئی سال کے قیام کے بعد تعلیم ختم کر کے حیدرآباد واپس آنے والے تھے کہ یکایک ۱۳۲۱ھ میں چند روز علیل ہو کر بمقام لندن رحلت کی اور [illegible] انگلستان میں سپرد خاک کئے گئے - اس سانحہ جانکاہ سے جو صدمہ میرے دل پر ہوا تھا ان اشعار کی صورت میں ظاہر ہوا - یہ ترکیب بند "اشک شبیر" کے عنوان سے شایع بھی ہو چکا ہے

بند اول

ستم یاں کون سا برپا نہیں ہے؟
سبھی کچھ ہو رہا ہے - کیا نہیں ہے
ازل سے ہے یہاں قایم یہ مسلخ
جو اس میں آگیا - بچتا نہیں ہے
یہ وہ محبس ہے - جس سے عمر بھر تک
نکلنے کا کوئی رستہ نہیں ہے
ہمارے دوست [illegible] بھی ہیں امانت
کوئی اپنا بھی یاں اپنا نہیں ہے

کہیں دنیا کو کیوں دہوکے کی ٹٹی؟ — یہ دہوکا ہے؟ "نہیں ہوکا نہیں ہے"
بنی آدم مصائب کے ہیں عادی — انہیں صدموں سے کچھ ہوتا نہیں ہے
ہزاروں حادثے ہوتے ہیں دنرات — کسی کو کچھ مگر پروا نہیں ہے
نہیں چلتی کسی کے کان پر جوں — سمجھتے ہیں - "ہمیں مرنا نہیں ہے"
زبانی ہیں یہ ہشیاری کے دعوے — کہ آنکھوں پر کوئی پردا نہیں ہے
شراب بے خودی ہم پی چکے ہیں — غلط ہے گر کہیں "نشہ نہیں ہے"
کوئی لاکھ اپنے کو قابو میں رکھے — الم میں ضبط کچھ ہوتا نہیں ہے
کسی کا ذکر کیا کیجے؟ کہ اس وقت — ہمیں کو صبر کا یارا نہیں ہے

دُرِ شہوار اپنا کھو گیا ہے
سنبھالو! "اب ہمیں کچھ ہو گیا ہے"

بند دُوم

یہ کس کی موت مرگِ ناگہاں ہے — کہ غیروں کو بھی رنج بے کراں ہے
یکایک آگیا یہ تار کیسا؟ — کہ اب تارِ نفس ہر دم رواں ہے
اندھیرا چھا گیا آنکھوں میں اسوقت — تہ و بالا زمین و آسماں ہے
خبر یہ مرگ **امجد** کی ہے شاید؟ — جبھی ہر آنکھ سے آنسو رواں ہے
کلیجہ کیوں نہ سینے سے نکل جائے؟ — کہ آخر صدمۂ مرگِ جواں ہے
حقیقت میں نہیں اب دل ٹھکانے — یہ کہنے کے لیئے کہدو - کہ "ہاں ہے"
چڑھا دیں آؤ چلکر ہم بھی دو پھول — "شہید علم کی تربت کہاں ہے"
پڑھیں ہم فاتحہ کس طرح جا کر؟ — زمیں حائل ہے! دریا درمیاں ہے
یہ منزل کیسے طے ہوگی الٰہی؟ — نہ دل میں دم! نہ پاؤں میں تواں ہے
نہیں سنتا صدائے آہ یعقوب — خدا معلوم - یوسف اب کہاں ہے
خبر اُس طفلِ گم گشتہ کی پوچھو — عزیزو! آیا مصری کارواں ہے

"ضعیفی پر الٰہی ۔ اس کی رحمت" — "دلِ یعقوب از بس ناتواں ہے"

ہجومِ یاس میں جانِ حزیں ہے
ملے کھو کر ۔ یہ وہ یوسف نہیں ہے

بندِ سوم

خیال امجد! ترا آتا رہے گا — دلِ غم دیدہ گھبراتا رہے گا
یہ تیرا ۔ عالمِ غربت میں مرنا — وطن میں ہم کو تڑپاتا رہے گا
تری تصویر ۔ ہم دیکھا کریں گے — تصور ۔ دل کو بہلاتا رہے گا
بجھا ہے دل ۔ مگر جوشِ محبت — دلوں میں آگ بھڑکاتا رہے گا
بظاہر ۔ فائدہ تجھ سے نہ پہونچا — مگر ۔ تو فیض پہنچاتا رہے گا
نشانِ قبر تیرا اہلِ فن کو — نکاتِ علم سمجھاتا رہے گا
یہاں سے قافلے جائیں گے لندن — وہاں سے کارواں آتا رہے گا
گماں ہوگا ۔ کہ ۔ "تو بھی آ رہا ہے" — یہ دھوکا ۔ دل ۔ سدا کھاتا رہے گا
ہمیشہ ہم تجھے ڈھونڈا کریں گے — سدا ۔ تو ہم کو ترساتا رہے گا
تری گورِ غریباں کا وہ منظر — ہمیں ہر وقت دہلاتا رہے گا
پڑھیں گے فاتحہ سیاح تجھ پر — دُرِ اشک ابر برساتا رہے گا
نہ پہونچیں ہم مگر اپنا تصور — ترے مرقد پہ منڈلاتا رہے گا

نگہ سے گو لحد تیری نہاں ہے
ہمارا دل مزارِ بیکساں ہے

بندِ چہارم

لگی ہو آگ سی جب تن بدن میں — تو پھر کیا خاک جی بہلے چمن میں
صدائے نغمہ کیا خوش آئے اُس کو؟ — جو ہو خلوت گزیں بیت الحزن میں

خدا کے خاص بندوں کا ہے یہ کام
کہ وہ صابر رہیں رنج و محن میں

علالت اور صدمہ پر بھی جن سے
نہو پیدا کوئی شکوہ سخن میں

صفات اس قسم کی پائی ہیں ہم نے
مشیرِ خاصِ سلطان دکن میں

امین جنگ ذیشان صدرپیشی
نہاں ہیں راز جس کے جان و تن میں

امانت اُس پہ نازاں تخلیہ میں
صدارت اُس کو شایاں انجمن میں

مثال اُسکی سیاست کی نہ پائے
اگر ڈھونڈے کوئی اہل زمن میں

مدبر ہی بخوبی جانتے ہیں
جو اُس نے نیکیاں کی ہیں دکن میں

ہوا وہ صدر اعظم بھی ولیکن
نہ فرق آیا ذرا خلقِ حسن میں

یہاں ایسا کوئی پیدا نہ ہوگا
غنیمت ہے وجود اس کا دکن میں

بہ صدقِ دل دعا کرتا ہے شبلیؔ
سدا۔ درگاہ رب ذوالمنن میں

"بنے گلشن۔ دلِ پُر داغ احمد"
"رہے سرسبز۔ دائم۔ باغِ احمد"

بابِ دُوّم

تجرباتِ و مشاہدات

فصلِ اوّلْ

قصائد و قطعات و غزلیات و رباعیات وغیرہ

تعصب

تعصب! ہم سمجھتے ہیں تجھے شعلہ جہنم کا
خدا کی مار تجھ پر۔ تو نے بانی کیطرح ظالم!
جب آیا ضد پہ تو اپنی۔ تمیز نیک و بد کیسی؟
رہا شک تجھ کو عصمت میں۔ یہ بدبینی؟ ارے کافر!
بجھائے تشنگی جب آپ پیکاں سے تو پیاسوں کی
گلِ خنداں ہزاروں تو نے مٹی میں ملائے ہیں
شہیدانِ جفا تیرے جہنم کو ڈبو دیں گے
ہوائے دشمنی تیری بدولت پھر ہے زوروں پر
خداوہ وقت لائے تفرقے سب بلکہ مٹ جائیں
وجودِ پیشوایانِ مذاہب[1] جفت عنقا ہو

جلایا تو نے شیرازہ ستمگر! سارے عالم کا
بہایا خون سطحِ ارض پر اولادِ آدم کا
فزوں رتبہ علی سے تو نے سمجھا ابنِ ملجم کا
کیا پاس ادب تو نے نہ کچھ داماں مریم کا
گماں ہو کیوں نہ تیرے ہر کنوئیں پر چاہِ رستم کا
بندھے کیونکر نہ انکے سوگ میں تار اشکِ شبنم کا؟
جو پہنچا حشر میں سیلاب انکی چشمِ پرنم کا
دھواں اب عرش تک پہنچا چراغِ بزمِ ماتم کا
بجے ڈنکا زمیں سے آسماں تک دینِ محکم کا
رہے کھٹکا نہ کچھ باقی شیاطینِ مجسم کا

[1] مذاہب = مذاہبِ باطلہ ۱۲

حضرتِ آدمؑ کی ناخلف اولاد

رغبت ہے آدمی کو بُرے واقعات سے
ہوتا ہے خوش پہنچ جو کسی کو ضرر گیا

اچھی خبر سنی تو چلی کان پر نہ جوں
منحوس قصے کہنے کو یہ در بدر گیا

لُطف آگیا اسے۔ کہ فلاں پر ہوا عتاب
جاگیر اسکی ضبط ہوئی۔ اُسکا گھر گیا

باچھیں کھلیں جو شہر بدر ہو گیا کوئی
خوش ہو گیا۔ جو عہدے سے کوئی اُتر گیا

دِل ہو گیا بحال۔ جو بگڑا کسی کا حال
جان آگئی اگر کوئی نواب مر گیا

طوفان و زلزلہ کی جو پڑھ لی کوئی خبر
بگڑا ہوا مزاج بھی دم میں سنور گیا

ریلیں کہیں لڑیں تو طبیعت اُدھر لڑی
بلوہ کہیں ہوا۔ تو دل اسکا اُدھر گیا

آتش فشاں پہاڑ پھٹا۔ اِسکو لَو لگی
پھر لینے یہ خوشی خوشی اسکی خبر گیا

جب جنگ چھڑ گئی تو اِسے عید ہو گئی
پھر ذکر ہے وہی۔ جہاں پھٹا۔ جدھر گیا

نعلیں بجائیں اِسنے کہ اُس ملک میں بھی آ
لشکر وہ شادیانے بجاتا گزر گیا

باہر ہے جامے سے کہ ہوا فتح وہ حصار
مالِ غنیمت اتنا اِدھر سے اودھر گیا

دِل اسکا جمع ہے کہ فلاں شہر کو غنیم
کل۔ گولے مار مار کے مسمار کر گیا

پھولے نہیں سمایا جو ٹوٹا محاصرہ
جب قتلِ عام کی سنی گویا ابھر گیا

دِل باغ باغ ہے کہ رہے دس ہزار کھیت
جی بھر گیا۔ جو لاشوں سے میدان بھر گیا

خونریز معرکہ نہ ہوا۔ اب ہے یہ اُداس
مارا گیا نہ کوئی۔ تو دل اسکا مر گیا

تار التوائے جنگ کا پڑھ کر ہوا ملال
سُن لی جو صُلح کی وہیں چہرہ اُتر گیا

القصہ۔ اُنس اب نہیں انسانیت کا جزو
ہو گا کبھی۔ پر اب وہ زمانہ گزر گیا

بالطبع آدمی کو تنفر ہے خیر سے
فی الواقعی بشر تھا۔ جو یہ سوئے شر گیا

نقشِ قدم کو والد ماجد کے چھوڑ کر
یہ ناخلف شریر کبھی اور پر گیا

خدا کے ہاں سینیارٹی کا لحاظ

اک عہدہ دار کی عادت تھی اپنے دفتر میں / ترقی دیتا اُسی کو جو سینیر ہوتا
ہمیشہ رہتے تھے محروم جونیر اُس سے / کبھی اضافہ نکرتا تھا ایک دمڑی کا
سمجھتا تھا وہ دیانت کو ایک فعل عبث / امانت اُسکی نظر میں تھی خبط بیہودہ
کمال و علم و لیاقت کی اُسکو قدر نہ تھی / پڑے تڑپتے تھے ہشیار و لایق و یکتا
پرانے جتنے سند یافتہ تھے نالایق[1] / ترقی ملتی تھی اُن کو بغیر چون و چرا
خدا کی شان! یہ اک روز اُسنے دیکھا خواب / کہ ہو گئی ہے قیامت - ہوا ہے حشر بپا
نکلکے آئے ہیں مُردے تمام قبروں سے / خدا کے آگے ہے حاضر ہر اک بڑا چھوٹا
اس انتظار میں ہر شخص ہے سراپا چشم / کہ دیکھیں ملتی ہے کس کس کو جنت الماویٰ؟
یکایک آئی یہ آواز "ایہا الحضرات / بہشت اُس کو ملیگی جو سینیر ہوگا"
یہ لفظ سنتے ہی ہاتھوں کے اڑ گئے توتے / رہے نہ خوف کے مارے کسی کے ہوش بجا
جب آیا مسئلہ سینی آر ٹی در پیش / جھپٹ کے لائے رسول لسٹ کا تیار قضا
کسی نے دیکھا نہ صدق و صفا نہ فسق و فجور / جو دیکھا ہی تو - قدامت کا ایک دُم چھلا
کسی کے کام نہ کچھ آسکے یہاں اعمال / بس ایک لکڑی سے ہانکا گیا - گدھا - گھوڑا
جو چھوٹے بچے تھے - جنت میں کس طرح جاتے؟ / گریڈ اُن کا تو سب سے ہی تھا گیا گذرا
ملی نہ خلد جوانانِ پارسا کو بھی / کہ نمبر اِن کا بھی دیکھا تو جونیر نکلا
پرانے پاپی تھے شیطان سینیر سب میں / ملے بہشت میں اُن کو مراتب اعلیٰ

درِ حکام سے واپسی

تا درِ حکام عالی مرتبت والا مقام / صورتِ اہل غرض پہونچے ہیں ہم بھی بارہا
اُٹھتے تھے اُس وقت دُھن میں کیا قدم تیزی کیساتھ / کیسی آسانی سے کٹ جاتا تھا لمبا راستہ

[1] مستند نالایق ۱۲

جھومتے گردن اٹھائے - چوکڑی بھرتے ہوئے
سُن کے پھر سرکار کی کڑوی کسیلی گفتگو
یا تو جاتے وقت وہ پھرتی - وہ چالاکی - وہ جوش
یا بہ وقت واپسی شش پنج وہ حزن و ملال

ہر قدم پر سوچتے جاتے تھے اک فقرہ نیا
سارا وہ جوش و خروش اک دم ہرن ہوتا تھا ہوا
گویا اُڑتے ہیں ہوا پہ - ہیں سوار باد پا
مُردے کو دفنا کے گویا آرہے ہیں اقربا

نوکری کے لئے شرکت امتحان کا نتیجہ

ایک دفتر میں جو خالی ہوئیں دو تین جگہ
افسر محکمہ نے کرکے مقرر اک دن
امتحاں دیکھے غریبوں کی بھی کچھ آس بندھی
تھا یہ پاکھنڈ مگر محض دکھانے کے لئے
کچھ دنوں بعد وہاں پہنچے کوئی عرضیگزار
پوچھتے پھرتے تھے "نکلیگا نتیجہ کب تک"
آج تم پوچھتے ہو ہونگے تقرر کس دن"
پوچھتا کون ہے یاں لایق و نالایق کو
دور سے آئے تھے یاں چاک گریباں کتنے
بے وسیلہ جو یہاں آن مرے تھے اُنہیں
کام اس معرکے میں آگئے جتنے تھے یتیم

سینکڑوں لوگوں نے اپنے تئیں واں پیش کیا
الغرض امتحاں سب عرضیگزاروں کا لیا
کہ دئیے بن یہاں چلجائے گا اپنا بھی دیا
دل میں جو آیا کیا - پاس کیا فیل کیا
تاکہ معلوم کریں کون مرا؟ کون جیا
رُو کے اک ظلم رسیدہ نے جواب انکو دیا
جنکو منظور تھا کرنا - اُنہیں کل کر بھی دیا
ہے سہاگن وہی در اصل جسے چاہے پیا
حیف! ظالم نے کسی کا بھی گریباں نہ سیا
سب کی گردن پہ چھری پھر گئی اک بچ نہ جیا
سب کے ساتھ آپنے بھی جام شہادت ہے پیا

غریب کی امیروں سے عید کی ملاقات

درِ امیر پہ جاکر غریب بیچارہ
سلام عید کا بارِ گراں اُتار گیا
امیر بُت بنے بیٹھے رہے - خبر ہوئی
کہ اُنکے پیٹ میں سر کون آکے مار گیا!

وہم

او وہم! ترا ہو ستیاناس
تونے ہی سدا غضب ہی ڈھایا

چلتا رہ چال ٹیڑھی بیڑھی
رستے پہ تو آج تک نہ آیا

دھن تیری رہی سدا نرالی
ہر وقت نیا ہی راگ گایا

تونے کبھی باپ پر کیا شک
سمجھا کبھی بیٹے کو پرایا

باندھا کبھی ماں پہ تونے بہتان
طوفاں کبھی بیٹی پر اٹھایا

دیکھے نہ بزرگ و خرد تونے
اک ایک سے بیوی کو چھپایا

بک بک کے ہمیشہ مغز چاٹا
طعنوں سے سدا کلیجہ کھایا

بے وجہ پلٹ گیا ترا رخ
گھر بھر کی پلٹ دی تونے کایا

دروازے کو تیغا کر دیا کیوں؟
دیوار کو تونے کیوں چُنایا؟

کیوں تونے غلام کی خبر لی؟
کیوں باندی کا تونے سر منڈایا؟

بے جرموں کو تونے چور سمجھا
ناکردہ گنہ کو ٹھگ بتایا

نوکر کوئی کب ٹکا ترے پاس؟
سب چل دیئے چھوڑ کر تقایا

حاکم ہے تجھ سے خوش نہ ماتحت
سب نے تجھے نظروں سے گرایا

یاروں کو بنایا تونے اغیار
اغیار کو جاں ستاں بنایا

آئی جو پڑوسن آگ لینے
خود جل گیا اوروں کو جلایا

دیکھا جو فقیر کوئی در پر
کیا کیا ترے دل میں پھر نہ آیا

لے بیٹھا اگر کوئی جماہی
تو سمجھا کہ اس نے منہ چڑایا

باتوں کو بھی تونے جانا جادو
سائے کو بھی تونے جانا سایا

تو سمجھا کسی نے دیدیا کچھ
جب تجھ کو ذرا بخار آیا

او دشمن جاں ترا بُرا ہو
تجھ سا بھی مرض کوئی نہ پایا

ہو کس سے ترا علاج موذی!
لقمان نے بھی تو ہاتھ اٹھایا

جس پر ترا زہر چڑھ گیا وہ
کب کھیلا؟ ہزار اُسے کھلایا

شیطان ترا کبھی نہ اُترا
پڑھتے رہے گو حدیث و آیہ

کاٹے کا ترے نہیں ہے منتر
سب جادوگروں نے آزمایا

جس پر تری چھاؤں پڑ گئی ہے
بھوتوں کا ہوا ہے اُس کو سایا

جس پر ہوا تیرا دانت ظالم
کچا اُسے آخرش چبایا

تمام شہر کو پہچاننے والے ملازم

اس محکمے کے نوکر - ہر اک کے ہیں پڑوسی
بائع کا ہے جو کوئی - تو کوئی مشتری کا

بیگانہ آشنا سا - آٹھ آنے جس کو دو گے
ہے شہر بھر سے واقف - عملہ رجسٹری کا

غزل

یاد ایام - کہ جب نفع و ضرر ایک ہی تھا
قدر دولت کی نہ تھی سنگ و گہر ایک ہی تھا

اب کہاں ہے وہ لڑکپن کا زمانہ اپنا
مشغلہ جب کہ ہمیں شام و سحر ایک ہی تھا

فکر کچھ بھی ہی نہیں کھیلنے کھانے کے سوا
کام کچھ تھا - تو یہی آٹھ پہر ایک ہی تھا

ایک کا ایک کو دنیا نے بنایا دشمن
ورنہ ہم جس کے ثمر ہیں وہ شجر ایک ہی تھا

ہاتھ اپنے ہی کئے بھائی پہ قابیل نے صاف
حضرت آدم کا بھی یہ لخت جگر ایک ہی تھا

سمجھا منصور کو فرعون سے فائق کیونکر
دعوٰے اے دوستو! دونوں کا اگر ایک ہی تھا

تم نے شبلی کی کچھ قدر نہ جانی افسوس
آدمی لاکھ سہی - وہ بھی مگر ایک ہی تھا

گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری

پائی جس شخص نے شبلی وطن میں توقیر
چشم وقعت سے ہی دیکھا اُسے جس نے دیکھا

یوں تو پردیس بھی اچھا ہے - پہ وہ بات نہیں
مور جنگل میں جو ناچا بھی تو کس نے دیکھا

شیطانی خواب

ابلیس مقہور لعنۃ اللہ علیہ کو حسب قانون الہٰی بندگان خدا کو بہکانے کی اجازت عطا ہو چکی ہے جیسا کہ ہماری کتاب مقدس فرماتی ہے" ان میں جن کو تو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکالے اور ان پر اپنے سوار پیادے چڑھا لا اور انکے مال و اولاد میں بھی ساجھا کر لے، اور خوب دم جھانسے دے ۔ اور شیطان کے وعدے سب ہو کے کی ٹٹی ہیں" (سورہ بنی اسرائیل) سب سے پہلا شکار جو شیطان کے جال میں پھنسا وہ ہمارے والد بزرگوار حضرت آدم علیہ السلام ہیں خواجہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

پدرم روضۂ رضواں بہ دو گندم بفروخت ناخلف باشم اگر من بہ جوے نفروشم

ابتدائے آفرینش سے ابتک یہ مردود اکبر ہمیشہ اپنے اختیارات محصلہ کو برابر کام میں لاتا رہا ہے اور انبیا و صلحا شہدا و ما وشما کو بہکاتا چلا آرہا ہے ۔ انجیل شریف میں وارد ہے" شیطان نے عیسیٰ کو ایک اونچی پہاڑی پر لیجا کر دنیا کی ساری بادشاہتیں ایک دم میں دکھادیں اور اُس سے کہا کہ یہ سارا اختیار و شان و شوکت تجھے دونگا اور جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں پس اگر تو مجھے سجدہ کرے تو یہ سب تیرا ہوگا ۔ یسوع نے اُسے جواب میں کہا کہ اے شیطان میرے سامنے سے دُور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خدا کو سجدہ کر اور صرف اُسی کی بندگی کر"

(انجیل لوقا باب ۴ آیت ۵-۸)

ایام حج میں رمی الجمرات یعنے حاجیوں کا شیاطین پر کنکریاں پھینکنا اُس واقعہ کو یاد دلاتا ہے جبکہ شیطان نے حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو دم دینا چاہا تہا ۔ ان واقعات سے ثابت ہے کہ ہر زمانہ میں جو متقی و پارسا گزرے ہیں خصوصًا اُنپر شیطان کا دانت رہا ہے اور یوں تو جو اسکے ہتھے چڑھے اُس کو چٹپیائے بغیر نہیں رہتا ۔ صلائے عام

کوئی بھی اغوائے شیطانی سے بچ سکتا نہیں اور خصوصًا حضرت آدمؑ کی جو اولاد ہو

اس درویش کی یہ نظم" شیطانی خواب" بھی ایک سچا واقعہ ہے جو عالم رویا میں پیش آیا ۔ اسکے بعض اشعار سے اگرچہ بارگاہ ایزدی میں سوء ادبی ظاہر ہوتی ہے ۔ لیکن وہ الفاظ چونکہ نقل کفر کی حیثیت رکھتے ہیں اسلئے اُمید ہے کہ ہمارے تکفیر کے شایق علما خوردہ گیری نہ فرمائیں گے ایک اعتراض یہ بھی وارد ہو سکتا ہے کہ شاعر کو شیطانی ہرزہ بیانات کا جواب ادا کرنا ضرور تہا ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کام مجھ جیسے شخص کا نہیں ہے جو انسان کی ضعیف الفطرتی اور شیطان کی روز افزوں قوت کا اندازہ کر کے بعد مایوسی عرض کر چکا ہے۔

شیطاں پر ہو غلبہ نہیں کوئی بات ہے
ہو گا اضافہ قدرت دیو لعیں میں اور
زیادہ حد ادب

خواب میں مجھکو نظر آئے مقطع اک بزرگ
صورت زیبا و نورانی بہ شکل اولیا

سینے پر آنکھے وہ لہراتی ہوئی ریش سفید
وہ عمامہ سبز سر پر۔ بر میں وہ نیلی عبا

دیکھتے ہی اُن کو میں سمجھا کہ ہیں مرشد کوئی
عقدہ مشکل مرا انسے یقیناً ہو گا وا

دست بستہ خادموں کیطرح ہو کر سرنگوں
خدمت اقدس میں انکی عرض یہ مینے کیا

المدد! یا مرشدی مولا و ہادی۔ دستگیر!
الغیاث! اے قبلۂ حاجات و رہبر پیشوا!

مدتوں سے آپ کا خادم بڑی حیرت میں ہے
سوچتا ہے حل نہیں ہوتا مگر یہ مسئلہ

کافران مخمور دولت۔ مومنین مسموم فقر
اتقیا محزون و گریاں شاد و مسرور اشقیا

کشتۂ تیغ مظالم روئیں ڈاڑھیں مار کر
ظالموں کو آئے اپنے خندۂ دنداں نما

جوتے چٹخاتے ہوئے در در پھرے عالم غریب
ناکسوں کو مرحمت ہو راہوار بادپا

بیگنہ منصور بیچارے کو کھینچیں دار پر
ہو کے خوش نغمیں بجائیں جاہل عالم نما

وقف آزادی رہیں کنعان کے بردہ فروش
پائمال مصر میں یوسف ہو محبوس بلا

درد کے مارے پڑے ایوب تڑپیں خاک پر
فرش مخمل پر لگائیں لوٹ ناشکرے صدا

لہرے ٹپے گائیں مینڈک موج میں چھیڑیں ملار
حضرت یونس کا دم ہو بطن ماہی میں فنا

سبزۂ روئے زمیں وقف خر دجال ہو
ناقۂ صالح کے ظالم کاٹ ڈالیں دست و پا

عیسئ گردوں نشیں یوں ظلم سے مصلوب ہو
چرخ چارم پر کرے زہرہ طوائف جو چلا

حیف دندان مبارک ہوں محمدؐ کے شہید
دانت دکھلا کر ابوسفیان مارے قہقہا

کیا ستم ہے ابن ملجم نوش جاں شربت کرے
ساغر خون جگر بسمل علیؑ مرتضےٰ

کاسۂ سر سبط پیغمبر کا نیزے پر چڑھے
جام زریں میں چڑھائے مے یزید بے حیا

اے دریغا! آنچناں لطف و جفائے اینچنیں
از شما خواہیم انصاف این چہ اوان چرا!

پیر مرد با صفا نے سنکے یہ میرا کلام
اک عجب سنجیدگی سے سر ہلا کر یوں کہا

بات یہ ہے تابع حکم خداوندی ہیں خوار | بندگان شیخ نجدی کا ہے ونکالج رہے

سُن کے یہ بندیاں اُسکا ہو گیا ہیں منفعل
جس کو مینے بھیڑ سمجھا تھا وہ نکلا بھیڑیا

بہاریہ غزل

ابر رستا نہ روش بر سر کہسار آیا | موسم نغمہ و سیر گل و گلزار آیا
وہ گرجنے لگے بادل وہ گھٹائیں اٹھیں | وہ برسنے لگی بوندیں وہ دہواد ہار آیا
دامن کوہ سے اُٹھکر سوئے وادی نالا | گرتا پڑتا ہوا یوں صورت میخوار آیا
لڑکھڑایا ۔ کبھی جھوما ۔ کبھی سر دھننے لگا | گہ بلندی پہ چلا گاہ نگونسار آیا
سبزہ زاروں میں لگی جامنیں اودی اودی | زرد زرد آم بہر کوچہ و بازار آیا
بلبل و قمری و طاؤس و تدرو و صلصل | نغمہ سنجی کو ہر اک بر سر اشجار آیا
آم پر بیٹھی ہوئی کرتی ہے کویل کوکو!! | یہ چیختا پی! پی! پپہیا سوئے انار آیا

اُٹھو سکھیاں چلو باغ میں جھولا ڈالیں
بہر گلگشت ہر اک یار وفادار آیا

اپیل بدرگاہ حضرت احکم الحاکمین بناراضی حکام بیدین

یہ نظم ۱۸۹۶ء میں بمقام آگرہ چند مظلوموں کی استدعا پر جن کو بعض جفاکیش ظالم حاکموں نے نشانہ جور و ستم بنا رکھا تھا لکھی گئی تہی اور مندرجہ ذیل عنوان سے شائع ہوئی تہی :-
"اپیل بدرگاہ واحد القہار حضرت احکم الحاکمین بناراضی حکام بیدین لعنت اللہ علیہم اجمعین"

اے قلم! اب ہو رواں یہ وقت ہے تعجیل کا | چل زباں! دکھلا تماشا تو بھی قال و قیل کا

ان ملاعین و شیاطین مجسم کے خلاف | جو کہ باعث ہو رہے ہیں دین کی تذلیل کا
بارگاہ قادر مطلق میں کرتا ہوں اپیل | مرغ دل سے کام لونگا شہپر جبریل کا
ہو گئے ہیں کتنے ہی فرعون یا رب جمع یاں | نافذ اب جمنا پہ کر دے حکم رود نیل کا
کب ہیں قایل یہ لعین اغوا کم فی الدین کے | جمگیا ہے نقش دل میں سنت قابیل کا
انکو جیتے جی تو فرصت ظلم سے ملتی نہیں | ہوگا فردائے قیامت دن مگر تعطیل کا
انکے پیٹوں میں بھرا ہے اسقدر مال حرام | مٹ گیا دنیا سے نام اب عمرو کی زنبیل کا
قول انکے سارے جھوٹے۔ باتیں انکی سب خلاف | ہے عدم میں وقت انکے وعدے کی تکمیل کا
بیٹھے ہیں انصاف نگلے۔ دل ہے ایماں سے تہی | گوشت سے خالی ہو جیسے آشیانہ چیل کا
نامۂ اعمال ان کا گرچہ ہے شیطاں کی آنت | پھر بھی ناممکن ہے لکھنا جز مو کی تفصیل کا
لے کے کاجل تھوپ دیں اسپر کراما کاتبین | ہے یہی اک نسخہ اس مضمون کی تقلیل کا
داستانیں گرد ہو جائینگی قوم عاد کی | غلغلہ محشر میں ہوگا انکی جب تفصیل کا
رہنے کا دوزخ میں ان کو حکم ہی۔ پیچھے پڑے | کب زمانہ آتا ہے اس حکم کی تعمیل کا
یہ مسلم ہے کہ ہے دجال کا مرکب گدھا | کر دیا پھر کس نے مالک انکو اسپ و فیل کا
عرش تک کیا انکے ظلموں کی خبر جاتی نہیں | منقطع کیا ہو گیا اب سلسلہ ترسیل کا
موت نے ان سے اٹھا لی ہی توجہ کس لئے | کیوں نہیں پڑتا ہے انپر ہاتھ عزرائیل کا
ہو گئے دنیا میں آثار قیامت آشکار | ایک عالم منتظر ہے صور اسرافیل کا
یہ نہیں موقع کہ ہو باران رحمت کا نزول | آگ برسائیں تو ہے احسان میکائیل کا

ق

انکے ہاتھوں ہو رہی ہیں مسجدیں ہزاروں پائمال | دھاوا صرف اک کعبہ پہ تھا اصحاب فیل کا
آسماں سے اپنے پتھر کس لئے گرتے نہیں | یا مرے قہار! یہ موقع نہیں ہے ڈھیل کا

غزل

اے شیخ! جو عیاری دکھا ہی نہیں سکتا
محفل میں تری بار وہ پا ہی نہیں سکتا

دیکھے ہیں زمانے کے بہت ہمنے الٹ پھیر
صدمہ کوئی آنکھوں میں سما ہی نہیں سکتا

مرنے سے جو پہلے ہی مرے - چرخ ستمگر
کیا اسکو ستائیگا - ستا ہی نہیں سکتا

جب تک نہ کریں مولوی خود اپنی ہی اصلاح
وعظ انکا کہیں رنگ جما ہی نہیں سکتا

درماندہ ہے خود پیر کرے کسکی شفاعت
سر پیٹو مریدو کہ بچا ہی نہیں سکتا

دنیا ہی کو کوئی چھوڑدے - پر نقش تعلق
چاہے بھی مٹانا تو مٹا ہی نہیں سکتا

حال دل اشفتہ کوئی مجھسے نہ پوچھو
گونگے کا سا ہے خواب بتا ہی نہیں سکتا

اے پیر خرد جاکے کسی اور کو بہکا
شبلی تری چال میں آ ہی نہیں سکتا

کہ کرد کہ نیافت

دنیا ہی میں مل جاتی ہے ظالم کو سزا
فرعون جہاں ہو وہیں آئیں موسے

جب کنس نے لوگوں کا کیا ناک میں دم
متھرا میں ہوئے کشن کنہیا پیدا

تبادلۂ حکام

کل ایک دوست نے مجھسے کہا بحمد اللہ
چلی ہمارے موافق ہی اب جہاں میں ہوا

ہمارا مزرع امید ہو چلا تھا خشک
مگر خدا نے دیا عین وقت پر چھینٹا

جس انتظام کے مدت سے منتظر تھے ہم
ہزار شکر کہ اب وہ ظہور میں آیا

فلاں جگہ پہ مقرر ہوئے فلاں صاحب
وہاں سے نکلے فلاں اور فلاں گئے بھیجا

ہیں انمیں خوبیاں یہ لیڈرانہ وہ عیب
مزاج انکا ہے ایسا اور انکا تھا ویسا

ہمارے حق میں وہ ایسے تھے اور یہ ایسے
امید ان سے ہمیں یہ ہے انسے یہ ڈر تھا

یہ مژدہ کہکے مرے دوستنے جو چاہی داد
تو پھر مجھے بھی یہ مجبور ہوکے کہنا پڑا

تمہاری باتیں یہ ہیں بچپنے کی ۔ بھائی جان!
ابھی ہوا ہی نہیں تم کو تجربہ اس کا

سب ایک سے ہیں ۔ کسی سے خدا نہ ڈالے کام
جو یہ ہوئے تو ہیں کیا؟ جو وہ ہوئے تو کیا؟

ہمیں تغیرِ حکام سے خوشی جب ہو
کہ انکے ساتھ ہوں موقوف عاملانِ قضا

غزل

قہقہوں سے نالۂ آہ عزیزاں بڑھ گیا
پڑ گئی پھیکی فضا ۔ خونِ شہیداں بڑھ گیا

کہتے ہیں نافذ ہوئے ہیں کچھ قوانین اب نئے
پھر جہاں میں اقتدارِ زورِ شیطاں بڑھ گیا

ایک کر دی پیر و مرشد نے خدائی اور خودی
اسکو خود بینی نہ کہئے ذوقِ عرفاں بڑھ گیا

ہو گئیں قایم حریمِ دل کی جنت تک حدود
پھر گلگشت اب تو کچھ صحنِ گلستاں بڑھ گیا

اپنے رونے کے سوا اب قوم کا رونا ہی ہے
شاعروں کی دل لگی کا اور ساماں بڑھ گیا

کچھ توجہ شہر کی صحرا نوردوں پر بھی ہو
دامنِ شوق ان کا اے خارِ مغیلاں بڑھ گیا

عاصیو! ایسا نہ ہو تم سستے داموں بیچ دو
رحمتِ باری ہے ارزاں ۔ نرخِ عصیاں بڑھ گیا

چھوڑ دی خلد آدم نے اور زاہد نے کی دنیا ہی ترک
اپنے والد سے یہ برخوردار ذیشاں بڑھ گیا

کب شیاطیں کو سلیقہ ہے کہ آپس میں لڑیں
ان فنونِ خاص میں شیطاں سے انساں بڑھ گیا

اب تو اپنے دست شفقت پھیر دینا چاہئے
شاہ صاحب حلقہ درسِ مریداں بڑھ گیا

مقبرہ وہ کیا اداسی بھی جہاں چھائی نہ ہو
بادشاہو منظرِ گورِ غریباں بڑھ گیا

خواب ہے شبابِ دنیا اور مصائب طولِ عمر
عمر گزراند ہوئی خواب پریشاں بڑھ گیا

دیو اور اسکا قیدی

یہ کہانی ایک انگریزی نثر سے ترجمہ کیگئی ہے ۔ چونکہ اس سے ایک زبردست اصلاحی و اخلاقی سبق حاصل ہوتا ہے اسلئے مجھے امید ہے کہ یہ ناظرین کے دلوں پر اثر کئے بغیر نہ رہے گی۔

یاد اب آتی ہیں شاما کی وہ پیاری باتیں
زندہ دل ایسا ہی دنیا میں کوئی کم ہوگا

فطرۃً اس کو تعلق تھا ہوا خوری سے
دل کو بھاتی تھی بہت صحنِ گلستاں کی فضا

جا بجا گھومتے پھرنے کی اُسے عادت تھی
فکر کو پاس پھٹکنے نہیں دیتا تھا کبھی
ایک دن جی میں یہ آئی کہ نکلکر گھر سے
دور تک پہنچا غرض لطف اٹھانے کے لئے
گیت میں اُس نے نکالی وہ سریلی آواز
آخر اک چشمۂ شیریں جو ملا جنگل میں
پانی جی بھر کے ابھی پی نہ چکا تھا کہ وہیں
ڈیل اور ڈول میں وہ دیو بلا تھا سچ مچ
پہلے تو خوب اُسے دیکھ کے آنکھیں سنکیں
نوگرفتار بلانے کی بہت کچھ کوشش
کثرت غم سے کبھی پھاڑنی چاہی زنبیل
ہوئی دامِ مصیبت سے خلاصی نہ ہوئی
دیو اس کوشش بیجا پہ ہنسا خوش ہو کر
لمبے ڈگ بھرتا ہوا جام خوشی سے سرشار
اِس جگہ کا تھا نہایت ہی بھیانک منظر
اسکے باہر تھیں کھڑی سر بہ فلک دیواریں
دیو نے گھستے ہی سب بند کئے دروازے
گرم بازار یہاں موت کا دیکھا اس نے
ہوش جاتے رہے جب دیو کے کھانے کے لئے
بن گئی جان پہ اور خوف سے چھکے چھوٹے
زیست سے ہو گیا مایوس اسیرِ مضطر
قتل اُس کو نہ کیا دیو لعیں نے اسوقت
بند لیجا کے کیا اس کو پھر اک زنداں میں

گانے اور سیٹی بجانے کا تھا دل سے شیدا
دل کو ہر طرح سے اپنے وہ سدا خوش رکھتا
سیر و گلگشت کرے جانب دشت و صحرا
جوش اور ولولے میں سیٹی بجاتا گاتا
گونج اٹھی جس کی صداؤں سے پہاڑ و بن کی ہوا
تشنگی اپنی بجھانے کو یہاں وہ ٹھہرا
پیچھے سے آن کے اک دیو نے اُس کو پکڑا
قد و قامت میں تھا اس سے کوئی سو حصے بڑا
جلد پھر اپنی بڑی جھولی میں اس کو ڈالا
تاکہ ہو بچۂ ظالم سے کسی طرح رہا
فرطِ وحشت سے کبھی بھاگ کے جانا چاہا
ہاتھ پاؤں بھی بڑے مارے بہت کچھ چیخا
اُس اسیرِ غم و اندوہ کی نہ کی کچھ پروا
راہ طے کر کے بہت جلد گھر اپنے پہونچا
نہ کہیں پھول نہ سبزہ نہ درختوں کا پتا
اور اندر کی وہ حالت کہ اندھیرا گھپ تھا
اپنے قیدی کو پھر اُس جھولی سے باہر چھوڑا
آگ کا ڈھیر بھڑکتا ہوا روشن پایا
اپنے سے دو بڑے مقتولوں کو بھنتے دیکھا
عقل جاتی رہی آنکھوں میں اندھیرا چھایا
پھر گیا آنکھوں میں تصویر اجل کا نقشا
صرف دکھلا دیا یہ حادثۂ جاں فرسا
جو کہ اُس کے لئے پہلے سے تھا تیار کیا

قیدخانہ یہ نہایت ہی تہا تنگ و تاریک ہرطرف لوہے کا مضبوط لگا تھا جنگلہ
پانی رکھا تہا یہاں ٹھیکرے میں پینے کو کہانے کے واسطے روٹی کا تہا سوکہا ٹکڑا
سیخوں سے پھوڑتا تہا سر پاسیز ناشاد ٹکریں مارتا تہا رنج سے ہردم جھنجلا
دلِ محزوں پہ تہی آسکے جو چڑھائی غم کی حسرت و رنج سے جاتا تہا کلیجہ دہکا
الغرض سخت پریشانی و غم میں اُس نے لوٹتے پیٹتے اس رات کو جوں توں کاٹا
صبح ہوتے ہی وہ پھر ظالم اظلم کمبخت چہاتی پر اسکی ستانے کے لئے آن چڑہا
جب ستمگر نے یہ دیکہا کہ گرفتار بلا کچھہ نہیں کہاتا ۔ مرا جاتا ہے بھوکا پیاسا
کنج زنداں سے اُسے کھینچا پکڑ کر گردن اور بالجبر کھلایا اُسے کچھ تھوڑا سا
دوسرا دن بھی اسیطرح گزارا اُس نے اُسی اک گوشہ تاریک میں پڑ کر تنہا
یہاں مونس تھا نہ غمخوار نہ یارو یاور نہ کوئی ساتہی نہ ہمجنس نہ کوئی اپنا
یاد آتی تہی اُسے دہوپ کہلے میداں کی کبہی برسات کے بادل کا وہ گہراسایا
سوچتا تہا کبہی اُن ٹھنڈی ہواؤں کی بہا کبہی وہ چہاؤں درختوں کی وہ گہنیں سہرا
یاد آتی تہیں فضائیں کبہی گلزاروں کی اپنے دلچسپ مکاں کا کبہی چپہ چپہ
یاد آتے تہے کبہی عمدہ غذاؤں کے مزے دوست احباب اپنے کبہی ملنا جلنا
تہا اسی فکر میں ہر وقت وہ غلطاں پیچاں چین اُس کو کسی پہلو سے نہ آتا تہا ذرا
مثل دیوانوں کے چلاتا تہا ہوکر بیتاب چاہتا تہا کسی صورت سے ملے چھٹکارا
دوسرے روز ہوا دیو پہر آکر موجود اور یہ چاہا کہ سنائے اُسے قیدی گانا
اُسکی خواہش تہی کہ ہو غمزدہ ویسا ہی بجا شاد و مسرور وہ جسطرح کہ رہتا تہا سدا
سخت مجبور کیا زمزمہ سنجی کے لئے چہاڑکر ہاتھہ گرفتار بلا سے لپٹا
قیدخانہ بہی بہلا ایسی جگہ ہے کہ جہاں کوئی غمگین و حزیں شوق سے ہو نغمہ سرا
سنگدل حیف نہ اس بات کی پہونچا تہہ کو لال پیلا ہوا غصے میں بہت ہی بھڑکا
آخرش قیدی بلبل کو گھسیٹا باہر مارکر چاہا کہ اُس سے سُنے لہرا ٹپہ
درد و تکلیف سے مظلوم نے چیخیں ماریں ہوگیا دیو کے ہاتھوں میں تڑپ کر ٹھنڈا

اس فسانہ کو کہانی نہ سمجھنا شبلیؔ — واقعہ صحیح ہے یہ جھوٹ اسمیں نہیں ہے اصلا
دیو تو اصل میں اک لڑکا تھا ظالم بے رحم — شاما مظلوم حقیقت میں تھی شاما چڑیا

مردوں کی بے وفائی

یہ نظم مدرسہ نسوان آصفیہ واقع ملک پیٹھ حیدرآباد دکن کی لڑکیوں کے لئے لکھی گئی تھی جس کو ۱۳۴۲ف میں ایک تعلیم یافتہ لڑکی نے مدرسہ مذکور کے سالانہ جلسہ میں پڑھا تھا

ہم مسلمانوں میں یاں کے ہے یہ اک عیب بڑا — کہ جو شادی کرے بیوہ تو سمجھتے ہیں برا
باوجودیکہ شریعت میں ہے تاکید اس کی — یہی فرمان پیمبر ہے یہی حکم خدا
آج تک ہے یہی اسلامی ممالک میں رواج — مصر و شام و عرب و روم و عجم میں ہر جا
پھر بھی ہٹ دھرمی سے لوگ اُس کو برا کہتے ہیں — تھا پہلے جو کوئی کرلے بیچاری بیوہ
مرد سو شادیاں کرلیں تو نہ چونکے کوئی — بیوہ کے عقد پہ بھونک اٹھے محلہ سارا
پاس اپنے کبھی عزت سے بٹھائیں نہ اُسے — طعنے دے دیکے کریں چھلنی کلیجہ اُس کا
لاکھوں بیوائیں یہاں بھوک سے مرتی ہیں۔ مگر — عمر بھر نام تلک لیتی نہیں شادی کا
اور جو عورت کوئی مرجائے تو چہلم سے بعد — فکر یہ کرتا ہے شوہر کہ بنے پھر دولہا
ق
تاش کا جوڑا پہن لیتا ہے ظالم خاوند — مرنے والی کا ہو چاہے کفن تک میلا
کسی عورت نے بہت خوب کہا ہے شبلیؔ — مرد کی ذات موئی بیوفا ہوتی ہے بوا

غزل

عدو کے در پہ میں چشم پُر آب لے کے گیا — کہاں کہاں دل خانہ خراب لیکے گیا
الٰہی! ہو قدح عمر محتسب لبریز — بھرا ہوا مرا جام شراب لے کے گیا
نشاط زندگی مقصود ہے جو دنیا میں — وہ ہم سے رہزن عہد شباب لے کے گیا
خیال ساقی کوثر نے کردیا مے خوار — عذاب کیا مرا الٹا ثواب لے کے گیا
صلہ زمانے میں نخوت سے سر اٹھانے کا — بتائیے تو سہی کیا حباب لے کے گیا؟

ڈریگا آتش دوزخ سے وہ بھلا کیا خاک
ملیگا چین یقیناً نہ حشر تک شبانی

جو دل میں دوستی بو تراب لے کے گیا
جو میں لحد میں یہی اضطراب لے کے گیا

انقلاب زمانہ مرزا بغلول کی زبانی

یہ نظم ۲۰ جنوری ۱۹۰۶ء کو بمقام باغ عامہ مدرسۂ آصفیہ حیدرآباد دکن کے جلسۂ پینی ریڈنگ میں پڑہی گئی تہی اور خصوصیت کے ساتہہ اسی جلسے کے لئے نیازمند نے تیار کی تہی ۔ ایک شخص چوگوشہ ٹوپی پہنے ۔ سر پر بڑے بڑے پٹے ۔ باریک ململ کا انگرکھا زیب تن کئے ۔ جسکے گریبان میں سے جالی کا کرتہ دکھائی دیتا ہوا ۔ پاؤں میں گھیتلی جوتی ۔ شروع کا ڈہیلا پیجامہ ۔ ہاتہوں سے سنبہالتے ۔ اسٹیج پر آتے تہے اور بڑی شد و مد کیساتہہ تحت اللفظ یہ نظم پڑہتے تہے ۔ اگرچہ ان اشعار میں باعتبار شاعری کوئی خاص خوبی اور صنعت نہیں ہے مگر کچھ تو لباس کا اثر کچھ پڑہنے کا ڈہنگ ۔ اور کچھ موقعہ و وقت مناسب ۔ خلاصہ یہ کہ اس نظم کو اسقدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ایک ایک شعر کئی کئی بار پڑہوا کر سنا گیا اور واہ وا ! اور ونس مور ! کی صداؤں سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تہی ۔ اس جلسے میں مولانا حالی مرحوم اور حضرت میرن صاحب دہلوی غالب کے دوست بہی تشریف فرما تہے ۔ یہ دونوں حضرات بے انتہا محظوظ ہوئے اور تقریباً ہر شعر پر چیرز دیتے رہے ۔ دوسری مرتبہ نہم ماہ فروری ۱۹۰۶ء کے جلسے میں جب پڑہی گئی تو دو شعر زائد کردئے گئے ۔ جن میں اسکی مقبولیت بار بار پڑہانے اور دمبدم ونس مور ہونے کی طرف اشارہ ہے ۔ حاضرین جلسہ کو قریب قریب اسکے تمام شعر ورد زبان ہوگئے تہے

اگلی رسموں کا مزا جاتا رہا
پچھلی باتوں کا مزا جاتا رہا

چل گئی ہیں اب تو ترکی ٹوپیاں
ان کلاہوں کا مزا جاتا رہا

بال انگریزی ۔ جو ۔ اب رکہنے لگے
ببری پٹوں کا مزا جاتا رہا

جب سے پتلونیں ہوئیں رائج یہاں
ان پجاموں کا مزا جاتا رہا

ناڑے کے بدلے بٹن ٹکنے لگے
سرخ نیفوں کا مزا جاتا رہا

چڑ گئی انگریزیت ہر ایک کو
مسی سرموں کا مزا جاتا رہا

کیک و بسکٹ کا جو چٹخارا لگا
قبلہ ! کلچوں کا مزا جاتا رہا

در بدر پھرتے ہیں کہتے ہانکتے
اب وکیلوں کا مزا جاتا رہا

بچہ بچہ پاس جب ہونے لگا
ایم۔ اے۔ بی۔ اوں کا مزا جاتا رہا

ق
جب سے ناٹک کی مچی ہے دھوم دھام
ناچ گانوں کا مزا جاتا رہا

اکڑوں نے وہ دکھائیں شوخیاں
رنڈی بھڑؤوں کا مزا جاتا رہا

سچ تو یہ ہے پڑھتے پڑھتے دوستو
میرے شعروں کا مزا جاتا رہا

بے تُکی جب تالیاں پٹنے لگیں
ونس موروں کا مزا جاتا رہا

نیچروں کی روکی پھیکی نظم سے
بیت فردوں کا مزا جاتا رہا

شعر کیا بغلول اپنا سر الکھیں
بھائی۔ غزلوں کا مزا جاتا رہا

مصیبت مشیت سے خالی نہیں

کہئے نہ مصیبت کو کبھی قہر خدا
ہے وہ بھی کسی مرض کا کڑوا نسخہ

بچے چھپتے ہیں کونے کونے نادان!
اور ماں اُنھیں بالجبر پلاتی ہے دوا

اقبال و دولت

اقبال و دولت اک جا رہتے نہیں ہمیشہ
اچھی طرح سے ہم نے دنیا کو دیکھ ڈالا

ہے آج پاس اسکے تو کل ہے پاس اُسکے
رنڈی ہو کس کی جورو اور بھڑوا کسکا سالا

ایک شاعر کی بے وقت موت

قصہ مرگ جواناں درمیاں رہ جائیگا
ذکر خیر اپنا بزیر آسماں رہجائیگا

موت پر ہوگا ہماری خواب راحت کا گماں
جسم خاکی کشتۂ خواب گراں رہجائیگا

نقش ہستی سب مٹیگا ۔ہاں مگر ہو موم سا
نقش الفت رہنمائے کارواں ہ جائیگا

میرے مرنے کا الم ہوگا نہ صرف احباب کو
دشمنوں کے دل پہ بھی داغ گراں رہجائیگا

میں نہیں ہنسنے کا لیکن دوستو! میرا خیال
لینے کو دل میں تمہارے چٹکیاں رہجائیگا

یادگار فصل گل اک رہگئی ہے عندلیب
اُڑ گئی یہ بھی تو خالی آشیاں رہجائیگا

پھانس سا کھٹکا کریگا۔ اے عزیزو! عمر بھر
رُوح کا یارب! تعلق عالم اجسام سے
قبر تک پہنچا کے لوٹیں گے عزیز و اقربا
عمر بھر شبیر رہ سکتے نہیں آنسو رواں

میرا اشعار آدھ جو ورد زباں رہ جائیگا
گر ہوا تو۔ مجھ کو رنج بیکراں رہ جائیگا
چہل قدمی کر کے پائے ناتواں رہ جائیگا
جوش کچھ دکھلا کے اشک خونفشاں رہ جائیگا

شام کے وقت گاؤں کا سماں

پیلی پیلی دھوپ بام و در پہ ہے چھائی ہوئی
سوئے مشرق بڑھتی جاتی ہے سیاہی مدام
پڑ گئیں اب دھیمی سورج کی وہ کرنیں تیز تیز
جھنڈ کے جھنڈ اڑتے جاتے ہیں بسیرے کے لئے
کیاریوں میں گیہوں کی دہقان پانی دیچکے
ڈھوریوں کے کھلانے کیلئے کھلیان پر
مستعد جو کہنے کتے نے بھی چھوڑا کھیت کو
اک تھکا ماندہ مسافر کھیت کی پگڈنڈی پر
فکر میں اب ناج پانی کی چلی ہیں عورتیں۔
نالے میں دن بھر چرائی گھاس کھا کے بھینس کو
چھپروں کے نیچے اب چمگادڑیں اڑنے لگیں
گاؤں کے اک چھوٹے سے مندر میں میل کچیلے
ہو رہی ہے، آرتی اسوقت۔ گھنٹے بج چکے
جابجا ہر جھونپڑی میں آگ روشن ہو گئی
جمع بیٹھے ہوئے چوپال میں سلگا الاؤ

ڈوبتا جاتا ہے سورج ہو چلا ہے جھٹپٹا
شام کا آیا عمل دن نے اٹھایا بسترا
روشنی بھی ہو گئی مدہم اندھیرا بڑھ چلا
ڈھونڈھتے ہیں اب پرندے اپنا اپنا گھونسلا
کھول ڈالے بیل جوارے کے پروا تھم گیا
کھیت والا گھاس کا گٹھا اٹھا کر لے چلا
یا بیانی ختم کی۔ مالک کے پیچھے ہو لیا
آ رہا ہے ٹٹو کو سنٹی سے ٹک ٹک ہانکتا
کوئی غلہ لا رہی ہے۔ کوئی پانی کا گھڑا
دودھ دُھہنے کے لئے اب لیکے چروا [illegible]
گنبد کہنہ کے اوپر چند کا ڈنکا بجا
بج رہا ہے سنکھ اور گھنٹے کی آتی ہے صدا
جوش سے ہے بم مہادیو! اک پجاری کہہ رہا
ہنڈیا روٹی پک رہی ہے۔ ٹمٹماتا ہے دیا
کوئی ڈھولا گا رہا ہے۔ کوئی کہتا

جھونپڑی میں سوئیں گے سب چین سے دہقاں غریب
محلوں میں شاہوں کو بھی وہ آ نہیں سکتا مزا

ملازمت سے دو دو باتیں

یہ نظم سنہ ۱۳۳۱ف میں انجمن اصلاح خیالات واقع بازار علی میاں حیدرآباد دکن میں پڑھی گئی تھی انجمن مذکور کے مقاصد و اغراض میں یہ بھی داخل تھا کہ ملازمت کے عیوب کہہ کر ابنائے وطن کو تجارت پیشہ کی جانب متوجہ کیا جائے۔ مولوی الطاف حسین حالی مرحوم نے بھی ملازمت کی برائی میں ایک مسدس "ننگ خدمت" کے عنوان سے لکھا ہے۔ اندیشہ تھا کہ اس نظم کے خیالات "ننگ خدمت" سے لڑ جائیں گے مگر خدا کی قدرت کہ اسکا ڈھنگ علحدہ ہی رہا

اے عدوئے آبرو! اے نوکری! قہر خدا — ہم کو اب مطلق نہیں بھاتی کوئی تیری ادا
خوب ہی دھوکے میں رکھا تو نے ہم کو آج تک — تیرے جھوٹے سچے وعدوں پر رہے ہم مبتلا
ایسے دم جھانسے دئے تو نے کہ لٹو ہو گئے — آگا پیچھا کچھ نہ سوچا تیرا ہی کلمہ پڑھا
ایسی کچھ الو کی لکڑی تو نے ہم پر پھیر دی — بھول بیٹھے اُطْلُبُوا الْاَرْزَاقَ مِنْ اَبْوَابِہَا
سارے دروازوں کو چھوڑا تیرے در پر آ اڑ گئے — سب سے کر کے قطع اک تیرا ہی سمجھا آسرا
ایسے تو نے کیا خدا جانے چکھائے تھے مزے — جنکے آگے کوئی چٹخارا نہ پھر اچھا لگا
خوبیاں آئیں نظر ہم کو جو تھے تیرے عیوب — ایسا غفلت کا ہماری عقل پر پردہ پڑا
تو نے اے عزت کی دشمن تنگ کرنے کیلئے — ہم کو ماتحت ایسے ایسے حاکموں کا کر دیا
جنکے جور و ظلم اور کبر و رعونت دیکھکر — عہد فرعونی کا ہے آنکھوں میں نقشہ پھر رہا
صاحب و سرکار و نواب و خداوند و حضور — موقع و بے موقع تو نے ہم سے سب کہوا دیا
کیسے کیسے خر دماغوں کی کرائیں منتیں — کی خوشامد کیسے کیسے ناکسوں کی بارہا
تابعدار و کمترین ۔ فدوی و خادم ۔ جاں نثار — تیری خاطر عرضیوں میں ہم نے کیا کیا کچھ لکھا
عرض کرتے وقت جوڑے افسروں کے ہاتھ تک — منفعل ہو کر لیا سر کو کبھی اپنے جھکا
کلمۂ حق کے لئے لب پر رہی مہر سکوت — ہاں ہیں ہاں ۔ جھوٹی ملائی بالادستوں کی سدا
بے وقوف و بے خرد ۔ نالائق ۔ احمق بے شعور — ہم کو سب تیری بدولت بارہا سننا پڑا
کہتے ہیں کو کر کی عزت ہے یہ نوکر کی نہیں — درحقیقت ہے بہت ہی سچ یہ کوئی کہہ مرا
جس جگہ بھیجے گئے ۔ پہونچے وہاں ہم سر کے بل — حکم جو ہم کو ملا ۔ اُسپر "بہت اچھا" کہا

”ہے اگر جاکر تو ناجاکر“ یہ بالکل ٹھیک ہے
اور ”جو ناچے تو ناچا کر“ ہے بالکل سچ کہا

نام لیوؤں کو تو اپنے کرتی ہے کیا کیا ذلیل!!
کیا کیا اپنے بندوں پر کرتی ہے تو جور و جفا!!

دیکھ تو کیا کیا ہیں انکے ساتھ اب تیرے سلوک
کسطرح تو ان سے پیش آتی ہے ہر صبح و مسا

تیرے ہاتھوں بک کے جو اب ہو گئے تیرے غلام
اُنپہ کیا کیا لطف ہیں تیرے ذرا ہم کو بتا؟

اس سے بڑھکر کیا مصیبت ہے جو قابو میں ہو
چلنا۔ پھرنا۔ کھانا۔ پینا اور سونا جاگنا

موت میں، شادی میں، بیماری میں یا تہوار میں
ہل نہیں سکتے ہیں وہ بیچارے بن تیری رضا

تونے ایسے ایسے ویرانوں میں پھینکا ہے انہیں
رونے کو مزدور کا بھی ہے نہیں جس جا پتہ

لاش بیٹے کی پڑی ہے۔ باپ کو یہ فکر ہے
کیجئے دفتر میں جاکر پیشتر خدمت ادا

بیٹی کی شادی میں ہو سکتا نہیں باوا شریک
تیرے کارن ہمنے یہ بھی بارہا دیکھا سنا

ایک دنیا سوتی ہے اوڑھے لپیٹے چین سے
اب بھی پہرے والا بیچارہ ہے ہوہوا کر رہا

ایک دن ملتا نہیں آرام اس بدبخت کو
گرمی ہو، جاڑا ہو۔ مینہ ہو۔ یا کہ ہو طوفاں بپا

رتبے جنکے کم ہیں۔ انکو پھر بھی کم خلجان ہے
مرتبے جن کے بڑے ہیں انکو ہے کھٹکا بڑا

پانچ کا نوکر ہو۔ یا ہو۔ پانسو کا۔ الغرض
جو ترے ہتے چڑھا تو نے اُسے چٹپیا دیا

اب تلک لیتے ہیں ہم اُن بزرگوں کی سند
جو کلید رزق کچھ رکھتے نہ تھے تیرے سوا

کرتے تھے یا جی گری چھ چھ روپے کی جو۔ مگر
محنت و مزدوری سے بیدرہ کمانا عار تھا

کالے کوسوں جاتے تھے جو ہو کے بھرتی فوج میں
بنئے بن سکتے نہ تھے لیکن وطن میں برملا

چھوڑتے تھے بیوی بچوں کو گدائی کے لئے
سر کٹا کر آپ لیتے تھے عدم کا راستہ

تھوڑی سی تنخواہ پر بھی گھر کو کہکر ”خیر باد“
چھاؤنی پردیس میں چھانے کا جنکو غم نہ تھا

نوکری چھٹنے پہ جن کو فاقے مرنا تھا قبول
پیشے کو سمجھے تھے لیکن بدتر از جرم خطا

ہم نے بھی پیشہ وروں کو اب تلک سمجھا ذلیل
اور شرافت ہر جگہ اپنی بگھاری فخریہ

لیکن اب اے نوکری! اے دشمنِ آزادگی!
تیری جانب سے ہمارا جی بہت ہی پھر گیا

لاکھ درجے تجھ سے افضل ہے ہماری رائے میں
ہر تجارت۔ محنت و مزدوری کا ہر مشغلہ

دفتروں میں جابجا امیدواری کے لئے
جوتیاں چٹخانے سے بہتر ہے جوتے گانٹھنا

نیز کے قبضے میں ہو جس شخص کی آزادگی | ایسے منشی سے تو ہے ہر حال میں موچی بھلا
اسکو حق ہے سوئے اپنی نیند اپنی نیند اٹھے | ق | کیونکہ وہ نوکر نہیں ہے کچھ کسی کے باپ کا؟
روزمرہ گھنٹے دو گھنٹے کی گر ہو جائے دیر | مختنی ۔ مزدوروں کو ہوتی نہیں پروا ذرا
منشیوں کو ہم نے اک دو دو منٹ کی دیر پر | ق | بے تحاشا دوڑتے دیکھا ہے صدہا مرتبہ
ہے خلاصہ یہ کہ تیرا جسقدر ہوتا ہے خوف | اتنا ہم لوگوں کو ڈر ہوتا نہیں اللہ کا
زمرۂ خدام میں تیرے ہیں گو ہم بھی شریک | گو ۔ ہمارا نام بھی ہے تیرے دفتر میں لکھا
بھروسہ کچھ نہیں ہے تیرا اے بیخ ازنڈ | ق | بلکہ ہر دم تیری جانب سے ہے دل میں وغدغہ
ہے نظر اب تک تو سیدھی ۔ پھر بھی تو نے کی جو آنکھ | آج تو بدلے ۔ تو کر سکتا ہے تیرا کوئی کیا؟
لیکن اتنا اور بھی تجھسے کہے دیتے ہیں ہم | ق | اب تلک تو خیر جو کچھ ہو گیا وہ ہو گیا
انشاء اللہ گاڑی اڑنے کی نہیں تیرے بغیر | یہ مقولہ یاد رکھیو آج سے شبیر کا
اک جگہ اور ایک ہی در کے نہیں پابند ہم | سامنے آنکھوں کے ہے ملک خدا خلق خدا

قطعہ تاریخ تعمیر مسجد واقع پل چادر گھاٹ بنا کردہ حضرت خواجہ حیات اللہ صاحب ساکن کاچی گوڑہ

مرحبا! خورشید ایمان ہے کیسا جلوہ گر | کیسی یہ مسجد بنی ہے خوشنما و دلکشا
صفحۂ ہستی پہ یہ جب تک رہیگی یادگار | نام قایم رکھیگی خواجہ حیات اللہ کا
سال تعمیر اسکا جب پوچھا ۔ کہا شبیر نے | کعبۂ ارباب حاجت سجدہ گاہ اتقیا

۱۳ ہ ۲۵

قصر خلافت کے چار دروازے

عالیجناب نواب ضیا یار جنگ بہادر مولوی مفتی سید نور الضیاء الدین ضیا جج ہائیکورٹ حیدرآباد دکن علم و فضل میں مرتبۂ بلند و فارسی شاعری میں پایگاہ رفیع رکھتے ہیں چند سال ہوئے جناب ممدوح نے یہ قطعہ تحریر فرمایا تھا

کے توان شرح مقام مصطفےٰ و بوتراب | آں نبی وایں ولی ۔ آں آفتاب ۔ ایں ماہتاب
شہر علم مصطفےٰ را جز علی بابے نہ بود | یارب ایں قصر خلافت را چرا شد چار باب

اس قطعہ کے مضمون کے متعلق بعض حضرات کو کچھ شکوک ہوئے جنکے رفع کرنے کی غرض سے اس ہیچمدان نے قطعۂ ذیل عرض کیا ۔

شاہی و فقر است شان حضرت اُمّی خطاب
زیب بوش چار یار و زیب نقش بوتراب

بیش از یک در نزیبد کلبۂ درویش را
می سزد قصر خلافت را ولیکن چار باب

غزل

ایک دم ہی موت ہے۔ اک ہی حیات
یہ ہے دنیا اور اس کی کائنات!!

جب یہ ہم بھولے تھے وہ موسم کہاں
دن ہی اگلے ہیں نہ ہے اگلی سی رات

السلام! اے وقت جاہ و مال و زر!
الوداع! اے دورِ اصل و نسل و ذات

کم نہ ہوگی رونق دنیا کبھی
کیا کمی کوّوں کی۔ گر باقی ہے بہات

شیخ کی جب دسترس سے دور ہو
دولتِ دنیا پہ کیوں مارے نہ لات

ریش اور جبّہ کہیں دھوکا نہ دے
ہیں چھچھورے جو بظاہر ہیں ثقات

ق
نشۂ دولت سے اب تو مست ہو
جانتے ہو فرض ساری رسمیات

پھر دکھانا تم یہی جوش و خروش
اک ذرا بیٹی کی آ جائے برات

ق
بڑھ گئی الحمدللہ! اب خوشی
کم نہیں شادی سے تقریب وفات

کون مرنے کا کسی کے غم کرے
کھانے پر سب آ رہیں گے بڑھ بڑھ کے ہات

م
ہو تمہیں شیدا خود واہی جبھی
کہتے ہو رسموں کو ناحق واہیات

دریدہ دہن و پنبہ دہن

بکتا ہے جو چبڑ چبڑ منہ میں وہ آئے بے لگام
سادھی ہے جس نے چپ اُسے کہہ دو کہ منہ سے پھوٹ چیت

پنبہ دہان و یاوہ گو دونوں پہ چار حرف ہیں
کالی بھلی ہے اور نہ سیت دونوں کو مارو ایک کھیت

راشی کی علامت

اک افسرِ ذی تجربہ سے میں نے یہ پوچھا
بتلایئے کچھ مجھ کو بھی راشی کی علامت

فرمایا کہ رشوت کا جسے پڑتا ہے چسکا
پھر اُس کو کسی بات سے آتی نہیں غیرت

بے وجہ وہ ہر شخص کی سُن لیتا ہے جھڑکی
ذلت کو سمجھتا ہی نہیں وہ کبھی ذلت

گو خدمتِ حکام ہے ہر شخص پہ واجب
لیکن وہ سمجھتا ہے اسے خاص سعادت

کرتا ہے وہ تعظیم سدا اہلِ غرض کی
ہر اک کو سمجھتا ہے وہ اپنا ولی نعمت

بنیا کوئی آئے تو کہے "آؤ جی راجہ"
دیکھے جو مسلماں کو کہے "بیٹھئے حضرت"

یہ جتنی علامات بیاں ہم نے کیں تم سے
گو ان میں سے ہر ایک ہے رشوت کی علامت

راشی کی مگر سب سے بڑی ایک ہی پہچان
آئے تو وہ نو دس بجے مغرب کو ہو رخصت

لباس کو مذہب سے کیا تعلق

واعظ! لباس پر ہیں عبث آپ لوٹ پوٹ
کیا حرج آپ کا ہے اگر پہنے کوئی کوٹ؟

ظاہر ہیں کیا خدا کو بھی سمجھا ہے آپ نے
بھائی! وہ دیکھتا ہے ہمارے دلوں کے کھوٹ

خوشامد کی ضرورت

کیوں کہئے برہمنوں کو راجہ
کچھ ان کا نہیں ہے آجکل راج

جوتا ہو اگر تمہیں گٹھانا
تو ڈپٹی کو بھی پکارو مہراج

تیر بہدف سفارش

میں کہہ رہا تھا "پیر سفارش اگر کرے
ممکن نہیں کہ ٹال دے اُسکا سخن مرید"

یہ سُن کے پوچھنے لگے دو ایک امیدوار
کہئے۔ "ہیں کس کے ناظمِ خاطر کُن مرید"

میں نے کہا "سنا نہیں مرشد کا اُنکے نام
لیکن یہ جانتا ہوں کہ ہیں وہ بھی ان مرید"

ملاقات کیلئے غیر معمولی روک ٹوک

کیوں نہ اُس مغرور جاہل کو کہیں شدادِ وقت
جبکے در پر ہوں معیّن ایسے دربان شدید

جو نہ پہنچائیں کسی کا اُس کمینے تک پیام
جو نہ لاکر دیں کسی کے رقعہ و خط کی رسید

آتی ہو صادق سگ و دربان پہ جیسے وہ مثل
آستینش ایں گرفت و آں گریبانش درید

غزل

ملنے کی یاں نہیں ہے بت پر جفا سے داد
کعبے میں جا کے چاہئیے اب ہم خدا سے داد

اظہار حق میں ہم نے تو پہلو تہی نہ کی
ہم کو ملے ملے نہ ملے گو بلا سے داد

خاک شفا چٹا کے مریضوں کو زائرین
کرتے طلب ہیں عیسی معجز نما سے داد

ممکن ہے ایک غیر سے دلجوئی غیر کی
مشکل ہے آشنا کو ملے آشنا سے داد

سنتا ہے کون ظلم رسیدوں کی داستاں
ملتی ہے مبتلا کو سدا مبتلا سے داد

عقدے کھلیں گے اسکے نہ شاہان دہر سے
شبیر لینے جائیگا مشکل کشا سے داد

نکھٹو خاوند

یہ نظم ۱۳۲۵ھ میں بغرض تفنن طبع مدرسہ نسواں واقع ملک پیٹھ حیدرآباد دکن کے جلسہ میں ریڈنگ کیلئے لکھی گئی تھی ۱۲

سینکڑوں قسمیں ہیں شبیر برے شوہر کی
بدچلن، بادہ نوش، آوارہ و بدخو خاوند

منہ پھلائے ہوئے رہتا ہے کوئی آٹھ پہر
ترش ابرو ہے کوئی اور کوئی بدرو خاوند

بیوی کو گالیاں دیتا ہے کوئی بیہودہ
اور کوئی مار کے کردیتا ہے اُتو خاوند

کوئی موٹا، کوئی چھوٹا، کوئی ٹھنگنا شوہر
کوئی پتلا کوئی دبلا۔ کوئی لمبو خاوند

کوئی احمق کوئی دیوانہ ہے کوئی گدھا
کوئی ہولا کوئی خبطی کوئی الو خاوند

عورتوں کو مگر اکثر یہ سنا ہے کہتے
سب سے بدتر ہوا بے شرم نکھٹو خاوند

مادر زاد دشمن

فریاد ہے بھائیوں سے یارب فریاد
برباد ہو خانہ اخوت برباد

اک بھائی نہ سو عدو برابر ہونگے
ہوتے ہیں غضب کے دشمن مادر زاد

اِنتظارِ ناروا

یہ نظم سنہ [illegible] ف میں انجمن اصلاحِ خیالات میں پڑھی گئی تہی اور انجمن مذکور کے مقاصد کے لحاظ سے لکھی تہی اس نظم میں امیدواری کی ناقابل برداشت بعض تکلیفوں کی تصویر کہینچی گئی ہے ۱۲

حاکمانِ و عاملانِ وقت کے دروازے پر — جانے کو تیار ہونا صورتِ امیدوار
پا پیادہ یا سواری میں وہ جھٹ پٹ بھاگنا — سب سے پہلے خدمت والا میں تا ملجائے بار
ڈیوڑھی میں اجنبی صورت کو گھستا دیکھکر — روکنا درباں کا اور وہ نوکرونکی گیر و دار
دے دلا کر انکو کچھہ ۔ یا کرکے کچھہ وعدہ وعید — چھوڑکر القصہ یاں سے آگے کو کرنا گزار
بعد ازاں برآمدہ میں بیٹھکر دینا دھنی — اور وہ امید میں ملنے کا کرنا انتظار
خدمت عالی میں وہ نوکر سے کہلا بھیجنا — "ہے درِ دولت پہ حاضر آپ کا خدمتگزار"
مجرموں کی طرح پھر اک کونے میں سب سے الگ — بیٹھے رہنا اور وہ ہونا دل ہی دلمیں شرمسار
حالتِ خوف و رجا میں پھر وہ پلکیں مارنا — رُوح کی وہ بیقراری اور وہ دل کا انتشار
پہروں تک وہ انتظارِ ناروا میں سوکھنا — وہ تکسّرِ دست و پا کا وہ جمائی بار بار
چپکے بیٹھے تکنا وہ حیرت سے منہ اک ایک کا — اور وہ کرتے رہنا اُن منحوس گھڑیوں کا شمار
اپنے دل سے دمبدم وہ پوچھنا "اب دیکھئے — ملتے بھی ہیں یا نہیں ہم سے نواب نامدار"
اور ملے تو دیکھیے فرماتے ہیں کیا بہت نیت — اپنی امیدوں کا ہے انکی زباں پر انحصار
وہ ٹہلنے لگنا تھک کر بیٹھے بیٹھے پھر وہاں — تا کہ کٹ جائے کسی صورت سے وقت ناگوار
ڈرکے پھر اس خوف سے آبیٹھنا اپنی جگہ — تا کہیں کچھہ کہہ نہ بیٹھیں ہم سے منہ پھٹ چوبدار
گاہ پہرے والے کی کرنا خوشامد بے سبب — گاہ چپراسی سے کرنا عاجزی و انکسار
گاہ یہ سنکر کہ ہیں سرکار اب آرام میں — "ٹالے را خفتہ دیدم" لب پہ آنا بار بار
گہہ کسی نوکر سے یوں دریافت کرنا کیوں میاں — لائیں گے تشریف کب سرکار والا اقتدار
سُن کے پھر ترتے نفر کا کوئی بیہودہ جواب — خون کا سا گھونٹ پیکر صبر کرنا اختیار
گاہ اپنے منہ ہی منہ میں رفعِ ذلت کیلئے — پڑھنے لگنا "ناسزائے را چہ بینی بختیار"

گاہ یہ کہنا کہ "لعنت بھیجکر اب چل بسی دو
اُنسے ہوگی سو خدا سے ہوگی - کب تک انتظار"

پھر وہیں یہ کہنا "خیر آئے ہیں تو اور بھی
ٹھہریں تھوڑی دیر دیکھیں کرتا ہی کیا کردگار"

چند ساعت تک یونہی سکرات میں رہنے کے بعد
جب رہے باقی نہ طاقت اور نہ کچھہ صبر و قرار

سُن کے تب یہ حکم "اب فرصت نہیں پھر آئیے"
اپنے گھر کو لوٹنا لاحول پڑھتے دلفگار

پھر وہاں جا کر کسی دن ایسے ہی ہونا ذلیل
کاٹنا پھر یوں ہی جوں توں کرکے گھنٹے تین چار

اب کہیں پھر اپنا سا منہ لیکے رہ جانا وہیں
جب کہیں سرکار چلدیں گاڑی میں ہو کر سوار

کچھہ دنوں کے بعد اٹھانا پھر وہی سب ذلتیں
کھینچنا پہلی طرح جا کر وہی ہر ننگ و عار

اُسپہ وہ فرمانا انکا "آپ پرسوں آئیے
آج تو ہم مل نہیں سکتے کسی سے زینہار"

ہائے وقت واپسی میں تشنج وہ حزن و ملال
ہائے! وہ مایوس آنا کھو کے سب عز و وقار

کچھہ یہ تکلیفیں عذابِ آخرت سے کم نہیں
اِن سے تو مجھہ کو بچانا - یا مرے پروردگار

ترغیب تعلیم نسواں

یہ نظم ۱۳۲۵ھ میں حسب فرمایش عالیجناب نواب میجر ممتاز یار الدولہ بہادر لکھی گئی تھی اور مدرسۂ نسواں واقع بلدہ کے جلسہ سالانہ کے رقعوں میں بحرم محترمہ عالیجناب کرنیل سر افسر الملک بہادر کمانڈر انچیف افواج آصفیہ کی جانب سے تقسیم ہوئی تھی ۱۲

اب کہ ہے تعلیم نسواں کی ضرورت آشکار
جانتے ہیں فرض اسکو عاقلانِ روزگار

صاحبو! آغوشِ مادر ہے وہ پہلا مدرسہ
پاتے ہیں تعلیم جس میں طفل و کودک شیرخوار

جسقدر اُستاد اس مکتب کے ہونگے باخبر
ویسے ہی شاگرد بھی نکلینگے لائق ہوشیار

ملک میں موجود ہیں اسوقت جتنی بیٹیاں
ہے انہیں پر قوم کی اصلاح کا دار و مدار

آج ہیں جو لڑکیاں وہ مائیں کل ہو جائینگی
انکی گودوں میں پلینگے آنے والے ہونہار

مائیں جب ذی علم و قابل ہونگی تو بچے کسطرح
ہوں نہ پھر ذی فہم و عاقل - باشعور و دیندار

گر توجہ کیجیے تعلیم نسواں کی طرف
بحر طوفاں خیز سے پھر قوم کا بیڑا ہو پار

شادی مانع آزادی

اک مرے دوست نہایت ہی تھے آزاد منش
ناک پر بیٹھنے دیتے نہ تھے مکھی زنہار

سہہ نہ سکتے تھے ذرا بات کسی افسر کی
مارنے مرنے پہ مرجاتے تھے فوراً تیار

جس جگہ نوکری کرتے تھے وہاں سے آخر
تھوڑے ہی دن میں نکلجاتے تھے کرکے تکرار

الغرض تفرقہ تقدیر نے ڈالا ایسا
یہاں دکھن میں رہے ہم۔ وہ گئے گنگا پار

دس برس بعد جو پھر اُنسے ملاقات ہوئی
اور ہی کچھ نظر آئے مجھے انکے اطوار

میں نے پوچھا کہو کسطرح سے گزری اب تک؟
اسقدر عرصے میں کس کس کی جوتی بیزار؟

"اتنی مدت میں کہو کتنے سرشتے دیکھے؟
آخر اب کون سے دفتر میں لیا تم نے قرار؟

تم کسی شخص کو سرکار نہ کہتے تھے کبھی
اب بھی کیا اسکو سمجھتے ہو وہی ذلت و عار؟"

بھر کے اِک آہ کہا "میری کہانی نہ سنو
عرض کیا تم سے کروں اپنی میں حالت زار

آئی شامت تو یہاں آن کے شادی کرلی
اسپہ طُرہ یہ ہوا ہوگئے بچے دو چار

خانہ داری کے بکھیڑوں نے پھر ایسا گھیرا
رات دن پیچھا نہیں چھوڑتے گھر کے افکار

ڈاکٹر خانے سے ملتی نہیں چھٹی مجھ کو
لڑکی بیمار تھی کل۔ آج ہے لڑکا بیمار

جب تلک تھا تن تنہا مجھے کچھ فکر نہ تھی
پیٹ کا پالنا اپنے نہ تھا کچھ بھی دشوار

نوکری چھوڑنا اک کھیل نظر آتا تھا
پروا ہوتی نہ تھی۔ رہتا تھا مہینوں بیکار

اب اگر نوکری چھوڑوں تو قیامت ہو جائے
پاس کوڑی نہیں۔ بیکار کو دے کون اُدھار

ایک سو دس مجھے ملتے ہیں۔ بندو بیوی ہیں
نوکری اس کو کہوں یا کہ خدا کی پھٹکار

سخت افلاس سے یاں اسمیں بسر ہوتی ہے
بیس دن بعد سے کرتا ہوں پہلی کا شمار

چھ برس گذرے کہ دانتوں سے اسے پکڑے ہوں
سنتا رہتا ہوں ہر اک چھوٹے بڑے کی دھتکار

حیف! صد حیف! زمانے نے مرا بل توڑا
نہ وہ صورت رہی باقی نہ وہ تیور نہ شعار

اب تو یہ حال ہے شبلی کہ چپراسی بھی
مجھ کو آواز اگر دے تو کہوں۔ جی سرکار"

امیروں کا قبرستان

وہ امیرانِ جہاں - حکامِ والا اقتدار
وہ جلیل القدر افسر کامیاب و کامگار

جنکے ظلم و جبر کا ڈنکا بجا تھا شہر میں
جنکی سختی دیکھکر شداد ہوتا شرمسار

جنکے در پر رات دن رہتے تھے کیا کیا جمگھٹے
آستاں تک جنکے مشکل تھا کہ و مہ کا گزار

جنکے ہاں اہلِ غرض کا رہتا تھا جمِ غفیر
گھیرے رہتے تھے جنکو آکر بیشمار امیدوار

جنکی آنکھیں نشۂ دولت سے رہتی تھیں چڑھی
سر میں رہتا تھا سدا جنکے حکومت کا خمار

مال و دولت پر تھا اپنی جن کو کیا کیا کچھ غرور
جن کو اپنے جاہ و حشمت پر تھا کیا کیا افتخار

الغرض جب مر گئے وہ ہم نے دلمیں یہ کہا
آؤ! چلکر انکے مرقد کی بھی کچھ دیکھیں بہار

خیر- قبرستاں میں ہم پہونچے مگر واں کا سماں
دیکھنے سے روح کو ہونے لگا اِک انتشار

وہ سنسان واں کا منظر وہ اُداسی ہائے ہائے
ہر طرف وہ ہُو کا عالم - ہائے وہ سونے مزار!

کہنے کو گرچہ وہ مدفن تھا امیروں کا مگر
تھی سراپا حالت گورِ غریباں آشکار

حسرت اُنکے مرقدوں پر پڑھ رہی تھی فاتحہ
بیکسی بالیں پہ اُنکے رو رہی تھی زار زار

سبزہ شاہد تھا کہ گزرے ہیں خرانِ بے تمیز
لوح سے ثابت سگانِ بے ادب کا رہگذار

دیکھکر القصہ یہ حالت خیال آیا ہمیں
اب نکالو طعنہ و تشنیع سے دلکا بخار

ہم خدا معلوم کیا کیا کچھ نہ بک دیتے مگر
لب پہ یہ شعرِ سنائی آگیا بے اختیار

اے خداوندانِ مال! - الاعتذار - الاعتذار
اے خداوندانِ جاہ! الاعتبار - الاعتبار

خوف و امید

شبیر! فضل و لطف پہ خالق کے رکھ یقین
ہرگز نہ اپنے جرم و خطا کے سبب سے ڈر

لیکن کچھ اسکے قہر کا بھی چاہیے خیال
کر تو بھی ڈر - نہ کر تو خدا کے غضب سے ڈر

ایک معزول بادشاہ کے خیالات

نالے کرتا رہے ۔ گر دل یونہی نالاں ہو کر — دم نکل جائیگا سینے سے پریشاں ہو کر
ہائے تقدیر! کہ ہو شوکت شاہی برباد — دن مصیبت کے بھروں قیدی زنداں ہو کر
تخت شاہی نے قدم چھینے لئے ۔ آج وہی — قید میں آکے پڑا پائے بجولاں ہو کر
کر دیا دولتِ دنیا نے مگر خون سفید — مجھکو کیسا یہ ستاتے ہیں مسلماں ہو کر
چرخ نے خاک مذلت پہ بٹھایا ہے مجھے — گھر مرا خاک اڑاتا ہے بیاباں ہو کر
جی میں یہ ہے کہ ملے قید الم سے جو نجات — کوہ و صحرا میں پھروں چاک گریباں ہو کر
دن ہنسے آئیں جو شب ہائے تو رنج و الم — گردش ساغر مے گردش دوراں ہو کر

جھوٹ بولنے کا دن

اک عہدہ دار مال نہایت خلیق تھے — کڑوا جواب دینے سے تھی انکو سخت عار
بنگلے پہ انکے رہتا تھا ہر روز اک ہجوم — جا جا کے گھیرتے تھے انھیں لوگ بے شمار
مجمع کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی کچھ خبر — کب آیا ۔ کب گیا کوئی ۔ پیدل تھا ۔ یا سوار
کہتا تھا اپنی اپنی ہر اک ان سے داستان — ہر شخص اپنا اپنا سناتا تھا حال زار
سب کو جواب دیتے تھے وہ ۔ آئیں بائیں شائیں — اس طرح ٹالتے تھے کہ گزرے نہ ناگوار
القصہ ۔ ایک دن ۔ کوئی امیدوار فضل — اپنے حقوق انکو جتاتا تھا بار بار
صاحب نے اسکے دیکھ کے اسناد و کاغذات — اور پڑھ کے کچھ مراسلے ۔ احکام و روبکار
فرمایا "وَل ضرور ملے گا تمھیں جگہ — تحصیل کا بنائیگا ہم تم کو پیشکار
دفتر میں آکے پرسوں ملو ہم سے تم ضرور — باراجے کریگا تمہارا ہم انتظار
پہنچے غرض یہ جلد ہی دفتر سے خوشی خوشی — جھک کر کیا سلام بصد عجز و انکسار
پوچھا کہ "وَل کیوں آیا ہے کیا مانگتا ہے تم" — بولے کہ "حسب حکم یہ حاضر ہے خاکسار
وعدہ کیا تھا آپنے دیدینگے ہم جگہ — خالی ہیں جائدادیں بھی اسوقت تین چار"

فرمایا ایسا وعدہ کبھی ہم نہیں کیا
کس دن کیا تھا؟ یاد نہیں ہم کو زینہار

کی عرض دست بستہ کہ "صاحب نے مجھے کو
وعدہ کیا تھا دیکھ کے اسناد روزگار

فرمایا "ہم مجھے کو بہت بولتا ہے جھوٹ
اُس دن کے وعدے کا نہ کرو تم کچھ اعتبار

غزل

نہیں فرق کفر و دیں میں شہ بے نیاز بہتر
رہے لطف سب پہ یکساں۔ نہیں امتیاز بہتر

کسی دل جلے پہ یارب۔ نہ کرے جو شمع ساں رحم
تپشِ دروں سے اُسکے رگ و پے گداز بہتر

وہ نظارہ ہائے دنیا۔ جو کریں انکو مفتوں
رہیں دُور کیوں نہ اُن سے کہ ہے احتراز بہتر

بڑھے کب حباب دُر سے۔ وہ ہزار جوش دکھلائے
نہ رہے گا سر فرو سے کبھی سرفراز بہتر

کرے اور ظلم برپا۔ ہو قدیم جتنا افعی
نہیں ظالموں کی رسی کبھی یاں دراز بہتر

نہیں شیخ کم تو قاتل ترے زہد باریا کے
نہ ہو جب نیاز دل میں۔ تو ہو کیا نماز بہتر

رہ عشق میں ذرا بھی جو خضر چلیں تو سوجھے
نہ کبھی نشیب بہتر۔ نہ کبھی فراز بہتر

نہیں ایسے بے خرد کچھ جو کہیں ستی مشبلی
نہ چھپا سکے گا مجھ سے کوئی میرا راز بہتر

ہائے نوکری

پڑتے پانی میں بھی آجائیں گے بھاگے بھاگے
بے ضرورت بھی اگر ہم کو پکاریں سرکار

ہونگے کل تک بھی پھریرے دو ہمارے کپڑے
زیب تن سوٹ کریں۔ بال سنواریں سرکار

ہم بھی کیچڑ میں چلے جائیں گے گرتے پڑتے
گاڑی دروازے پہ حاضر ہے سدھاریں سرکار

چمار کو عرش پہ بھی بیگار

اک اہلکار نکلکر جو ایک دفتر سے
ہوا اک اور سررشتے میں جاکے برسرکار

تو اُس نے سمجھا کہ محنت سے اب نجات ملی
نہ ہو گی غالباً اس جا تو کام کی بھرمار

مگر وہاں بھی وہی رنگ دیکھکر جانا
کہ اپنے قابو سے باہر ہے راحت و آرار

ہر ایک کام میں تقدیر دخل دیتی ہے / کہیں بھی جاؤ پہنچتی ہے ساتھ یہ مردار
خلاصہ یہ کہ مثل وہ ورتے ہے شبیر / ہے عرش پر بھی چماروں کیواسطے بیگار

ہاتھی کے دانت

انداز و طریق اس زمانے کے ہیں اور / کرنے کے تو اور ہیں سنانے کے ہیں اور
شبیر سے دیکھیے - ہاتھی کے سے دانت / کھانے کے تو اور ہیں دکھانے کے ہیں اور

غزل

رہ حصول ہنر گو ہے ظاہرہ دشوار / کرے جو شوق ہدایت تو پھر ہے کیا دشوار
خدارسی بھی یہ سنتے ہیں سخت مشکل ہے / ہمیں یقین نہیں ہوگی ایسی کیا دشوار
ہمارے سامنے ہر سہل بھی ہے ناممکن / یہ تیرے آگے نہیں کچھ بھی اے خدا دشوار
قدم قدم پہ ہے دنیا میں خوف ٹھوکر کا / خیال! بھاگ - یہ رستہ ہے جا بجا دشوار
جو پہونچیں گور میں قید حیات سے چھٹکر / وہاں کا اس سے بھی بڑھکر ہے مرحلہ دشوار
بیان حشر تو شبیر اک قیامت ہے / خدا بچائے!! یہ میدان ہے بڑا دشوار

انگریزی تقلید

آجکل تقلید انگریزی تو ہم پر فرض ہے / گرچہ اس میں فنرل اپنی ہوتی ہے کھوٹی ضرور
سختی سے سارے مسوڑے خواہ چھل ہی کیوں نجائیں / کھائیں گے ہر روز ہم سوکھی ڈبل روٹی ضرور
شوربے کے چھینٹوں سے افشاں منہ پہ ہوتی ہے تو ہو / ہم چھری کانٹے سے کاٹیں گے مگر بوٹی ضرور
اسکی ٹانگوں پر بلا سے مکھیاں بھنکا کریں / کاٹکر - کر دینگے ہم گھوڑے کی دم چھوٹی ضرور

پڑھے لکھوں سے شکایت

جا کے اتنا کوئی ان ایم - اے بی اوں سے پوچھو / دم بخود رہتے ہیں جو علم میں کامل ہوکر

ملک کی خدمتیں بتلائیے کیا آپنے کیں
فیض کیا قوم کو پہنچایا ہے فاضل ہو کر
لندن ہو آئے تو یاروں کو رعونت یہ ہوئی
کسی قابل نہ رہے وہ کسی قابل ہو کر
کیا غضب ہے کہ پڑھے لکھوں کے ناپاک خیال
سمیت ملک میں پھیلاتے ہیں ناول ہو کر
اب یہ وقت آیا ہے شبیر کہ دنیا میں کہیں
رہنے پائیگا نہ انساں کوئی جاہل ہو کر

ایک عہدہ دار کی مصروفیت

دن نکلا کہ آئے لوگ میرے گھر پر
مغز ان کو چاٹ کے یاں سے پہونچا دفتر
چھ گھنٹے رہی دماغ پاشی واں بھی
گھر آیا تو لوگوں کے وہی پھر چکر

سیلابِ بلا

یہ نظم اس قیامت خیز سیلاب پر لکھی گئی تھی جس نے حیدرآباد کو تہ وبالا کر دیا تھا۔ بلدہ حیدرآباد دکن موسی ندی کے دونوں کناروں پر شمال و جنوب میں آباد ہے۔ یہ ندی قصبہ سداسیوپیٹھ تعلقہ کنداپلی سے نکلکر ضلع نلگنڈہ میں سے گزرتی ہے اور ۲۴۰ میل بہکر موضع داراپلی تعلقہ دیول پلی کے نزدیک کرشنا ندی سے ملجاتی ہے۔ کئی دن کی متواتر موسلا دھار بارش کے بعد یکم رمضان ۱۳۲۶ھ روز دوشنبہ کو چار پانچ بجے صبح کے ندی کو طغیانی ہوئی اور آٹھ نو بجے تک تین چار گھنٹے میں عروس البلاد حیدرآباد کے تقریبًا نصف حصے کو برباد کر دیا۔ بادن محلے۔ بیگم بازار۔ چوڑی بازار۔ افضل گنج۔ امین باغ۔ گھانسی میاں کا بازار۔ جام باغ چادر گھاٹ۔ فیلخانہ۔ کاروان۔ کولسہ واڑی۔ رزیڈنسی وغیرہ تباہ ہوگئے۔ پتھر گٹی میں ناؤ چلنے لگی۔ کروڑوں روپے کا مال و اسباب غارت ہوگیا۔ منہدم مکانات اور مختلف مقاموں سے کوئی پانچ ہزار لاشیں برآمد ہوئیں اور جو بہگئیں انکا صحیح اندازہ نہو سکا۔ شکستہ مکانات کی تعداد اٹھارہ بیس ہزار شمار میں آئی۔ اس فقیر کی نظموں کا ایک بڑا ذخیرہ بھی اسی طغیانی کی نذر ہوگیا جسکا مجمل ذکر دیباچہ میں کیا گیا ہے۔

اے قضا عرشِ معلی پہ ہو گر تیرا گزر
عرض یہ کرنا کہ اے داورِ روزِ محشر
کس نے انساں کا ہمزاد بنایا ابلیس؟
کس نے گمراہوں کو دکھلائی رہِ نارِ سقر؟

کی عطا قدرتِ تقصیر و معاصی کس نے؟
قعرِ دوزخ کے لئے کسنے بنائے کافر؟

ملک برباد کئے قحط و وبا سے کس نے؟
کس نے قوموں کو کیا جنگ سے تتر بتر؟

چھوڑ دی باگ ستم کیش کی ڈھیلی کس نے؟
دستِ رہزن میں عنایت کیا کسنے خنجر؟

کیا چنگیز[1] کو عالم پہ مسلط کس نے؟
کس نے بے رحم ہلاکو[2] کو دیا تختِ تتر؟

کس نے اسپین میں گاڑا علمِ فرڈی نینڈ[3]؟
ملکہ ائزبلا کو دیا کس نے افسر؟

تاکنا گربۂ مسکیں کو سکھایا کس نے؟
پنجۂ شیر میں پنہاں کئے کسنے نشتر؟

باز و شاہین کو دی کس نے نکیلی منقار؟
کھدیا کس نے قسائی سے بہا خونِ بقر؟

نیشِ عقرب میں بھرا زہرِ ہلاہل کس نے
جذبِ برقی سے مسلح کئے کسنے اژدر؟

بخشدی آتشِ سوزاں کو حرارت کس نے؟
دامنِ ابر میں کسنے کئے شعلے مضمر؟

آتشیں سیل[4] مدینے میں بہایا کس نے؟
کسنے کی موج سے بنیادِ حرم[5] زیر و زبر

[1] سنہ ٦[illegible] ہجری میں خدا کا قہر چنگیز خاں بادشاہ ترکستان کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس ظالم نے چوبیس سال کے زمانہ حکومت میں کم از کم ایک کروڑ آدمی قتل کرائے اور سینکڑوں شہر اور ہزاروں قصبے بے چراغ و خاکستر کر دیئے۔

[2] خلیفہ مستعصم باللہ کے زمانہ میں ہلاکو خاں چنگیز خاں کے پوتے نے سنہ ۶۵۶ ہجری میں بغداد پر چڑھائی کی تھی۔ ہزار ہا بنی عباس (شہید ہوئے) دس لاکھ اہل شہر خونخوار تاتاریوں کی تیغ بے دریغ سے قتل ہوئے تھے۔ اس معرکہ کے بعد عربوں کا جاہ و جلال ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گیا

[3] سنہ ۱۴۹۲ء میں ارغون کے عیسائی بادشاہ فرڈینینڈ اور اسکی ملکہ آئزبلا نے جو قسطلہ کی شہزادی تھی اسپین فتح کرکے دس لاکھ مسلمانوں کو قتل کرایا۔ ہزاروں کو زندہ جلایا۔ لاکھوں کو بالجبر عیسائی بنایا اور تیس لاکھ مسلمانوں کو جلاوطن کر دیا۔ حتیٰ کہ اس عظیم الشان سلطنت میں جہاں تقریباً آٹھ سو برس مسلمان حکمراں رہے اسوقت ایک بھی اسلام کا نام لیوا نہیں ہے ۱۲

[4] سنہ ۶۵۶ ہجری میں تیسری جمادی الآخر کو مدینہ طیبہ میں ایک آتشیں سیل حجاز کی طرف سے ظاہر ہوا تھا قرطبی کا بیان ہے کہ اس آگ نے پہاڑوں کو رانگ کی طرح پگھلا کر بہا دیا تھا یہ بادلوں کے مانند گرجتی اور دریاؤں کے مثل موجیں مارتی تھی اس میں سے سرخ اور نیلی لہریں نکلتی تھیں۔ قسطلانی کہتے ہیں کہ حرم نبوی اس آگ سے ایسا روشن ہو گیا تھا جیسا کہ دن کو آفتاب و ماہتاب کی روشنی اس کے سامنے بیکار ہو گئی تھی۔ اس سیل آتشیں کا طول چار کوس عرض دو کوس اور گہرائی ڈیڑھ قد آدم تھی۔ یہ آگ اس مقدس سرزمین میں تین مہینے تک رہی۔ اسکی گرمی سے جتنے پتھر پگھل گئے تھے وہ سب مل کر سدِ راہ ہو گئے تھے اور مدت دراز تک اعرابی و مویشی اس وادی سے گزر نہ سکتے تھے۔ مگر خدا کی قدرت کہ کوئی آدمی اس سے ضایع نہ ہوا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ مولفہ سید سمہودی ۱۲

[5] مکہ معظمہ میں کئی مرتبہ سیلاب آچکا ہے سنہ ۸۰ ہجری میں بھی سخت بارش کے باعث ایک سیل عظیم خانہ کعبہ میں داخل ہوا تھا اور بہت سے آدمی تلف ہوئے تھے۔ سنہ ۱۰۳۹ ہجری میں بھی ایک بڑا سیلاب آیا تھا جس میں کوئی پانسو آدمی بہہ گئے تھے۔ اور حرم بیت اللہ کا اکثر حصہ منہدم ہو گیا تھا ۱۲

رودِ موسیٰ[١] کو دیا حکم تلاطم کس نے
کسنے فرمان کیا نیل کا جاری اسپر؟

کس نے اس چھوٹی سی ندی میں اُمنڈ لیے دریا
کر دیا کس نے اسے غیرتِ بحرِ احمر؟

کیسکی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس ڈائن نے
حیدرآباد کی بربادی پہ باندھی ہے کمر؟

صفحۂ ارض پہ ہے پانی ہی پانی ہر سمت
ڈھنگ کچھ نوح کے طوفاں کے سے آتے ہیں نظر

بام و در۔ قصر و مکاں۔ باغ و چمن غرق ہیں سب
حجرے گرداب میں ہیں صحن میں پڑتے ہیں بھنور

کرتی ہے سہمے ہوؤں کے لئے اب صور کا کام
غل مچاتی ہوئی گرتی ہے جو پل سے چادر

موت کی ہر طرف آتی ہے نظر شکل مہیب
امن کی جائے ہے دالان نہ دیوار نہ در

[illegible] ہوا خاک کے مانند بہے جاتے ہیں
آدمی۔ جانور۔ اسباب۔ مکاں۔ زر۔ زیور

[illegible] کا گھر نظر آتے ہیں شفاخانے سب
بنگیا دارشفا۔ دارقضا سرتاسر

بادۂ مرگ سے مدہوش پڑے ہیں میخوار
ختم ہوتا نظر آتا نہیں دورِ ساغر

کیا کسی ڈوبتے کی آکے مدد فرمائیں
ڈبکیاں خود لبِ جو کھاتے ہیں الیاس و خضر

قبر سے مردے بھی چونک اٹھے ہیں ڈرکے مارے
شور دریا کو مگر سمجھے ہیں شور محشر

پاؤں پھیلائے ہوئے چین سے سوتے تھے غریب
ہڈیوں کو بھی دیا چین نہ گردش نے مگر

[illegible] نعوذ تو سیلاب فنا کیا رکھا
خاک مدفن بھی نہ جانے گئی کس جا بہکر

[illegible] گھبرائے ہوئے یوں شرفا پھرتے ہیں
کہ نہ کچھ پاؤں کی سدھ بدھ ہے نہ کچھ سر کی خبر

بیٹھنے والیاں محلوں کی نکل بھاگی ہیں
اک پریشانی کی حالت میں یونہی ننگے سر

[illegible] کپڑے بھی نصیب انکو نہیں وا نصیبا
سات پردوں میں جو رہتے تھے گھرونکے اندر

تن بدن کا نہ جب ہوش تو پردہ کیسا
اوڑھنی کس کی کہاں برقع۔ کدھر کی چادر

جسکو خود اسکے مکاں میں قضا نے گھیرا
گر کے ہمسایہ کی دیوار نے لی اسکی خبر

گھر سے [illegible] نکلا کوئی بچکر بھی تو آخر اُس نے
بھاگتے بھاگتے بازار میں کھائی ٹھوکر

حسرت اُن ظلم رسیدوں پہ کہ جنکو نہ ملا
اتنا بھی امن کہ لے بھاگتے جان مضطر

رو [illegible] ڈالا بھی ملا کٹے! نہ اُن کشتوں کو
لہروں میں جو عدم آباد کو پہونچے بہکر

اور اُن بیکسوں کا گور گڑھا کیا ہوتا
چادر آب نے دی انکے کفن کو چادر

[١] رودِ موسی کی طغیانی سے بہت سارے قبرستان بھی جو اسکے کناروں پر واقع تھے۔ نیست و نابود ہو گئے ہیں ١٢

دولت و فقر کی باقی نہ رہی کوئی تمیز
ایک ہی گھاٹ بلا فرق اتارا سب کو
در و دیوار سے آتی ہے صدا ہُو ہُو کی
جسطرف دیکھیے بلدے کو نظر آتا ہے
ٹوٹی پھوٹی یہ دکانیں ہیں کہ وحشت منزل
ساحل جو یہ ہر اک سنگ ہے سنگ تربت
چپے چپے پہ کہیں کھنڈروں میں فوٹے مال
نازنینانِ حرم ہیں کہیں ملبے میں دبی
ننھے بچے کہیں کیچڑ میں سوئے گل در گل
سب لئے بہا گئے ہیں ۔ لکڑیاں ، تختے ۔ اینڈ
لوگ تصویر گلی کو بھی اٹھا لیتے ہیں
لُٹ چکا ۔ کاٹھ کباڑ ۔ اٹھ گیا سارا اسباب
اللہ اللہ رے ! بے قدری انساں ۔ ہے ہے
بس قلم روک لے شبیر کہ یہ تو نہیں تری
تجھ کو معلوم نہیں ۔ کس کے ہیں زیر فرماں
عرش سے فرش تلک سکہ رواں ہے کس کا
حضرتِ واحدِ قہار ۔ وہ رب الافواج
شانِ قہاری کی ہے اسکی یہ ادنیٰ سی مثال
مسئلہ ایسا یہ نازک ہے کہ بس چپ ہی ہو
بات یہ ہے کہ یہ باتیں ہیں رموزِ قدرت
کس کو یارا ہے مشیت میں جو دم مار سکے
دست شفقت جو وہ پھیرے تو کہاں تک ہیں
اپنا بیگانہ کوئی پھر نہیں دیکھا جاتا

آیا جس وقت کہ سیلاب بلا کا لشکر
واہ واہ ! تیغ قضا ۔ خوب دکھائے جوہر
شہر میں حشر ہے ۔ طوفان بنا ہے گھر گھر
بھوتوں کھایا ہوا ۔ اک اجڑا سا ویران نگر
اجڑی گلیاں ہیں کہ جنات کے رہنے کے کھنڈر
نخل ماتم نظر آتے ہیں لب آب شجر
جا بجا غرق ہے دلدل میں کہیں فرنیچر
کہیں مردانِ دلاور ہیں پڑے اینٹوں پر
کہیں بدبوئے تہ خاک جا پایا بستر
کس کو مہلت جو کرے حال پہ مردوں کے نظر
لاشیں انسان کی ہیں اس سے بھی شاید بدتر
اب ملی یاروں کو فرصت کہ لیں مُردوں کی خبر
لاشیں اب پھکنے لگیں ۔ کھتوں میں چھوڑے بھر بھر
پہلو اک سوئے ادب کا ہی آتا ہے نظر
کرسی و لوح و قلم ۔ ارض و سما ۔ شمس و قمر
کس کے امکان میں ہے خیر و شر و نفع و ضرر
جسکی ہیبت سے لرزتے ہیں ملائک تھر تھر
قائل روز جزا ہو گئے جس سے کافر
قہر کو قہر ہی کہنا ہے خطائے منکر
عقل انسانی کی پرواز سے بالکل باہر
کہ اسے چھوڑ دیا کیوں ؟ اسے مارا کیوں کر
نہ مساجد ۔ نہ کلیسا نہ صنم نے مندر
لیکے پھٹکارے وہ جس وقت قضا کا ہنٹر

پھر بھی کیا کم ہے یہ اُسکا کرم و لطف - کہ ہے / رحم دل ظل خدا خلق پہ سایہ گستر
میر محبوب علیخان - حضور آصف جاہ / خسرو ملک دکن - شاہ رعیت پرور
جنکے الطاف کا دنیا میں بجا ہے ڈنکا / جنکے اکرام کا چرچا ہے جہاں میں گھر گھر
جو امیروں کا ٹھکانا ہیں - فقیروں کی پناہ / جو یتیموں کا سہارا ہیں - غریبوں کی سپر
جنکی اس جود و سخاوت کی زمانہ میں نظیر / کوئی ڈھونڈے تو یقیں ہے کہ نہ آئیگی نظر
شاہی محلات میں رہنے لگے خانہ برباد / نعمتیں کھانے لگے - پیتے تھے جو خون جگر
انکی ہمت سے لگا آکے کنارے یہ جہاز / ورنہ امواج بلا توڑ چکی تھیں لنگر
انکے الطاف و مراحم نے دئیے دل سے بھلا / صدمہ مردن اولاد و غم مرگ پدر
ایسے محبوب خلائق کو خداوند زمن / رکھے تا دیر سلامت بہ کرامت ہم پر

دفتر یہ خانقاہ کا دھوکا

میں نے سر راہ کل یہ دیکھا منظر / حق حق کی صدا سے گونجتا ہے اک گھر
میں سمجھا - فقیر کا ہے تکیہ شاید / پوچھا تو وہ تحصیل کا نکلا دفتر

غزل

انداز آسمان کے ہیں اس زمیں میں اور / بہتر ہے یاں سے کوچ کروں اب کہیں میں اور
شیطان پہ مطالبہ ہیں - کوئی بات ہے / ہوگا اضافہ قدرت دیو لعیں میں اور
یہ رنگ ہو جہاں کا وہاں خاک جی لگے / وحشت مکاں میں اور ہے نفرت مکیں میں اور
اک حال پر طبیعت انساں کہاں رہے / گھبرا نہ جائیں ہم کہیں خلد بریں میں اور
خود بینی پہلے کم تھی ؟ کہ تو نے بھی معرفت / سرمہ لگایا دیدہ کوتاہ بیں میں اور

بلی کھائیگی نہیں تو لنڈھائیگی

مول لیکر جو پئے مے تو کہاں یہ مقدور / مفت پلوانے کا یاروں نے اڑایا دستور
محتسب کا نہ پئے کس لئے مخبر زاہد / بلی گر کھا نہ سکے گی تو لنڈھائیگی ضرور

بڑے تو امیر - گھٹے تو فقیر - مرے تو پیر

مجھ سے فرمانے لگے کل اک مسلماں عہدہ دار
جب تک اس خدمت پہ ہیں مامور ہم کو غم نہیں
نوکری جاتی رہے تو اسکی بھی پروا نہیں
کہتے ہیں جس کو کرامات ایک ادنیٰ بات ہے
بے وقوفوں کو خدا رکھے سلامت ملک میں
مر گئے تو واہ وا ! میلے بھی ہیں حلیم بھی ہیں

ہم مزے میں ہیں بحق غوث اعظم دستگیر
شکر ہے الحمد للہ ! اچھے خاصے ہیں امیر
بیٹھ جائیں گے کسی درگاہ میں بنکر فقیر
کھیل ہے مشہور ہو جانا - یہاں روشن ضمیر
انسے ہے امید - پہنچیگے ہماری بھی لکیر
میدنی ہے - عرس ہے اور ہم ہیں پیروں کے پیر

دُوراندیشی

نمازی ایک نہیں ہے - امام ہیں مطلوب
پتہ نہیں ہے مدارس میں پڑھنے والے کا
غزل نہ چھپکی پڑے - اشتہار اب دیدو
اصول اب یہی ٹھہرا ہے پیش بینی کا

پڑی ہیں مسجدیں سونی خطیب ہیں درکار
مگر پڑھانے کو فاضل ادیب ہیں درکار
کہ شاعروں کے لئے کچھ رقیب ہیں درکار
علیل ہونے سے پہلے طبیب ہیں درکار

زمانہ سازی

یہ نظم جون ۱۹۰۷ء میں بمقام حیدرآباد دکن انجمن دارالتمثیل میں پڑھی گئی تھی جہاں اصلاحی و نتیجہ خیز قومی ڈرامے کئے جاتے تھے - اس نظم نے سامعین کے خیالات میں ایک عجیب تغیر پیدا کر دیا تھا جس سے دارالتمثیل شرعی ناٹک کے نام سے مشہور ہو گئی تھی اور اسکی تاثیر سے اہل ملک ایکٹ و ڈراما کو بجائے ہزل و تمسخر سمجھنے کے اصلاح قوم کا بہترین ذریعہ تسلیم کرنے لگے تھے

جو زمانہ ساز ہیں رہتے ہیں پابند زماں
خوب وہ پہچانتے ہیں ہر زمانے کا مزاج
ہوتی ہے جس رستے پر عالم کی رفتار و روش

رکھتے ہیں ہر حال میں دنیا کی حالت پر نظر
نبض دوراں کی لیا کرتے ہیں پل پل کی خبر
وہ اسی پگڈنڈی پر ہو لیتے ہیں کس کر کمر

بند کرکے آنکھیں چلتے ہیں بلا چون و چرا
خاص اپنا وہ نہیں رکھتے کوئی ذاتی مزاج
وہ زمانے کے بدلتے ہی بدلجاتے ہیں خود
جیسا ہو موقع۔ بنا لیتے ہیں ویسا ہی مزاج
بیٹھیں بچوں میں تو واں بچوں کی سی باتیں کریں
گر بلندی کا کریں رخ توڑ لیں تارے عرش کے
ہم سے سچ پوچھو تو ہے بیشک یہی دانشوری
یہ تو ظاہر ہے۔ ہمیشہ انقلابات جہاں
بدلا کرتا ہے زمانہ رنگ گرگٹ کی طرح
بدلے دنیا نے ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے
اک زمانہ وہ بھی تھا جب محتسب ترے لئے
جب کسی کو پاتے تھے کرتا خلاف شرع کام
ملحد و مرتد کی نسبت لکھ کے فتویٰ کفر کا
پھر وہ وقت آیا کہ اصلی دُرّے تو جاتے رہے
واعظ و ناصح دکھا کر جوہر تیغ زبان
لکھدیا کرتے تھے تکفیر ادنیٰ ادنیٰ بات پر
بدعتی و کافر و ملعون کہکر مولوی
خیر یہ بھی اک ہوا تھی۔ اب وہ دور آخر ہوا
اب یہ وقت آیا کہ منبر پر بطور وعظ و پند
غیر کو تو کیا نصیحت کوئی اپنا سر کرے
جامۂ سالوس کہلاتا ہے واعظ کا لباس
پیشوایان شریعت پر اٹھیں جب انگلیاں
جب نصیحت کر نہ سکتے ہوں کسی کو صاف صاف

جانتے ہیں وہ کہ بھٹکا جنسے یہ چھوڑی ڈگر
بلکہ ہوتے ہیں مزاج وقت ہی سے بہرہ ور
رکھتے ہیں ہر وقت تقلید زمانہ مد نظر
ایک حالت پر نہیں رکھتے طبیعت منحصر
اور بڑے بوڑھوں کی مجلس میں بنیں خواجہ خضر
اور جو پستی میں گریں پاتال کی لائیں خبر
ایسے ہی لوگوں کی عمریں خوب ہوتی ہیں بسر
کرتے رہتے ہیں ہم ملک کو زیر و زبر
سانگ یہ بہروپیہ لاتا ہے لیل یا شام و سحر
کیسے کیسے روپ عالم کی تماشا گاہ پر
گشت کرتے پھرتے تھے کوچہ بکوچہ دربدر
لیتے تھے فی الفور اسکی کوڑے لیکے سے خبر
خنجر انصاف سے فوراً اڑا دیتے تھے سر
رہ گئے باقی فقط باتوں ہی کے تیر و تبر
لیتے تھے نوک زباں سے کار نوک نیشتر
مشتعل ہر جرم پر ہو جاتی تھی نار سقر
عاصیوں کا بے دھڑک شق کرتے تھے قلب و جگر
صاف مطلع ہو چکا اور تھم گیا سب شور و شر
منہ سے آدھی بات بھی کہتے ہوئے لگتا ہے ڈر
بیٹے کو بابا بھی سمجھانے سے کرتا ہے حذر
ریش اور جُبّے پہ شک کرتا ہے ہر فرد بشر
ناصح مشفق کی باتیں سمجھیں جب گوز شتر
جبکہ پند و وعظ ثابت ہو رہے ہوں بے اثر

جبکہ سمجھا جا رہا ہو پیر۔ پیرِ مے فروش
جبکہ میخانے کو دیں ترجیح بزمِ وعظ پر

جبکہ احکامِ شریعت کی اڑاتی ہوں ہنسی
جبکہ دل سے ہیبتِ حق جا چکی ہو سربسر

جبکہ اہلِ ملک خوگر ہو گئے ہوں کھیل کے
جبکہ ہو لہو و لعب اک مشغلہ شام و سحر

جبکہ قومی جلسوں میں لوگوں کے دل لگتے نہوں
جبکہ اونگھیں ممبرانِ انجمن نہوڑائے سر

جبکہ اصلاحی مضامیں سننے سے آتی ہو نیند
لوریوں کا کام۔ جب دینے لگے ہوں لیکچر

جبکہ تو تو میں میں سے جلسہ کوئی خالی نہ ہو
جبکہ لپاڈگی کرتے ہوں معزز ممبر

ایسی حالت میں بتاؤ تم کہ کوئی کیا کرے
کیا مناسب ہے کہ سچ سے کرلیں اب قطع نظر؟

حاش للہ کون دیسکتا ہے ایسی بدصلاح
ہاں مگر تدبیر وہ سوچیں جو ہو کچھ کارگر

چونکہ اکثر موعظت ہوتی ہے کڑوی اسلئے
ہے مناسب اس دوائے تلخ میں ڈالیں شکر

یعنے کرنا چاہیے ہم کو وہ پہلو اختیار
جس میں ہو پند و نصیحت سے ظرافت بیشتر

دلکش و دلچسپ۔ اصلاحی نتیجہ خیز ایکٹ
عام جلسوں میں کریں اب قوم کے ریفارمر

چونکہ ہے ہر کام کا دنیا میں نیت پر مدار
کیا حرج ہے قوم کی خاطر بنیں گر ایکٹر

خوب چن چن کر دکھانے چاہئیں قومی عیوب
آشکارا۔ اک مجسم شکل میں۔ اسٹیج پر

تاکہ اپنی حالتِ خستہ پہ کچھ شرمائے قوم
ہو بہو اپنے خط و خال آئینے میں دیکھ کر

یہ ڈرامے ہوں مہذب۔ پر مذاق و دلفریب
فحش و بے شرمی نہ آنے پائے انکی رہ گزر

عاشقانہ نظم و نثر۔ اشعار۔ ٹھمری۔ دادرے
کوئی چیز ایسی نہ ہو جس سے برا پھیلے اثر

ایکٹ میں کوئی زنانہ پارٹ بھی رکھا نہ جائے
کیونکہ ہے یہ ہی ہزاروں قصے اور فضیحوں کا گھر

ملک میں موجود ہیں اسوقت جتنی ناٹکیں
فحش اور ناپاک باتوں سے بھری ہیں سربسر

کرتی ہے سو جلسوں کا کام جنکی ہر ادا
نوجوانانِ وطن کے خرمنِ پندار پر

جیسے ان ناپاک گندی ناٹکوں نے ملک میں
ہر جگہ پھیلا دیا ہے اپنا زہریلا اثر

ایسے ہی پاکیزہ۔ پراخلاق ہیں۔ قومی ایکٹ
قوم کی اصلی ترقی کے بنیں گے راہبر

گو تمسخر اور ظرافت لوگ کہتے ہیں اسے
گو اسے نقالی سے تعبیر کرتے ہیں مگر

چونکہ اب اصلاح قومی کی یہی اک شکل ہے
اسلئے شب باز ناواجب ہے اس سے درگزر

ایک غمزدہ کے خیالات

جو خیالات اس نظم میں ادا کئے گئے ہیں وہ انگریزی کا مشہور شاعر ٹینی سن اپنی نظم کنٹنٹ منٹ (قناعت) میں اور حضرت غالب اپنے ایک مشہور قطعے میں کم و بیش ظاہر فرما چکے ہیں۔ لارڈ الفرڈ ٹینی سن ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۹۲ء میں فوت ہوا۔ حضرت غالب کی ولادت ۱۷۹۶ء میں اور وفات ۱۸۶۹ء میں ہوئی اس طرح ٹینی سن اور غالب دونوں ایسے ہمعصر ہیں جو ایک ہی زمانہ میں تخمیناً ساٹھ برس تک دنیا میں رہے اور اسی بنا پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ غالب کا قطعہ ٹینی سن کے کانوں تک پہنچا یا غالب کے کسی دوست نے ٹینی سن کے اشعار کا اردو ترجمہ کرنیکی انسے فرمائش کی یا اتفاقیہ طور پر دونوں کے خیالات لڑگئے اور چونکہ فطرت انسانی یکساں واقع ہوئی ہے اسلئے کسی مضمون پر مختلف ممالک کے شعرا کا متحد الخیال ہوجانا بھی حیرت کی بات نہیں ہے۔ میری نظر سے ٹینی سن اور غالب دونوں کے اشعار گزر چکے ہیں اسلئے میری نسبت یہ بدگمانی نہیں کیجا سکتی کہ میرے خیالات بھی قدرتی طور پر ان استادوں کے خیالات سے جا لڑے ہیں بلکہ یہی یقین ہوسکتا ہے کہ اس ہیچمداں کی نظم کا ماخذ انہیں دونوں استادوں کے اشعار ہیں تاہم اس نظم کے ملاحظہ سے واضح ہوگا کہ ٹینی سن و غالب کے خیالات کی انہیں کسی قدر توضیح و تکمیل کردیگئی ہے جس سے مضامین شعری میں ترقی ہوگئی۔ اس جگہ ٹینی سن و غالب دونوں کے اشعار لکھدینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ٹینی سن کے اصل شعر یہ ہیں۔

لَیٹ مِی لِو اَن سین اَنْ نُوْنْ   دَین اَنْ لے مَنِیْڈ لَیٹ مِی ڈائی
اِسٹیل فِرامْ دِیْ وَرْلڈ   اَنِیْڈ ناٹْ اے اِسْٹون کُڈ ٹیل ہیر آئی لائی

اشعار مندرجہ بالا کا ترجمہ درج ذیل ہے۔ اُردو ربط کلام قایم رکھنے کے لئے تیسرے مصرعہ کا ترجمہ پہلے لکھا جاتا ہے تا کہ اس خیال سے کہ ناظرین ایک انگریزی شاعر کے خیالات کا صحیح اندازہ کرسکیں ترجمہ تقریباً لفظی کیا گیا ہے۔

"دنیا سے الگ تھلگ۔ مجھے ایسی جگہ جاکر رہنے دو جہاں مجھے نہ کوئی دیکھ سکے نہ جان سکے۔ غرض مجھے اس طرح مرنے دو کہ مجھ پر کوئی رونے والا نہو۔ اور نہ کوئی پتھر یہ بتا سکے کہ میں کہاں دفن ہوں"

حضرت غالب فرماتے ہیں۔

رہیے اب ایسی جگہ چلکر جہاں کوئی نہ ہو   ہم سخن کوئی نہو اور ہم زباں کوئی نہو
بے در و دیوار کا اک گھر بنایا چاہیے   کوئی ہمسایہ نہو اور پاسباں کوئی نہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہو بیمار دار   اور اگر مرجائیے تو نوحہ خواں کوئی نہو

ب اِس فقیر کے خیالات ملاحظہ ہوں ۱۲

دل بھاگتا ہے صحبت سرو و سمن سے دُور
لے جا کے چھوڑ دو مجھے کوئی چمن سے دُور

وہ دن گئے کہ جوش و نور نشاط سے
رہتا تھا سو سو کوس میں رنج و محن سے دُور

اب ہو گئی ہے غم سے ہی وابستگی مجھے
جا۔ اے خوشی! تو رہ مرے بیت الحزن سے دور

ہو جائے غم غلط یہ مرا مدعا نہیں
چھوڑو کہ بھاگ جاؤں میں اس انجمن سے دور

ہوں بعد مرگ تا نہ عزیزوں پہ بار دوش
جنگل میں آئے موت الٰہی وطن سے دُور

دشت و جبل میں طعمۂ زاغ و زغن بنے
لاشہ پڑا رہے مرا گور و کفن سے دُور

راز کا انجام

معمولی سے کاموں کو بھی حکام مجاز
کہتے ہیں کہ سو رازوں کا ہے ایک یہ راز

لیکن عملہ جو بیٹ کا ہے ہلکا از بس
اُس راز کو کر دیتا ہے فی الفور براز

مولوی صاحب سے ایک سوال

اے باد صبا! جا کے ذرا شیخ کے پاس
یہ کیجیو دریافت کہ اے نکتہ شناس

مکے میں جو تھے کافر و مومن اُن میں
کچھ فرق تھا یا ایک تھا دونوں کا لباس

مُلّا فانیوں سے ناراضگی

کون صورت کو ترستا تھا۔ غرض لائی یہاں
آنیوالوں پر امیرو! کرتے ہو کیا اعتراض

تم تو انکو دیکھکر۔ اب ہو رہے ہو منقبض
انکو بن دیکھے تمہارے راستے ہے انقباض

ایک مشائخ کا فیض

لوگ سچ کہتے ہیں۔ کیا ہی کوئی ہو کمبخت
مل ہی جاتا ہے اُسے کچھ تری سرکار سے فیض

ہم بھی سوکھے درِ دولت پہ کوئی دو گھنٹے
کہ برستا ہوا دیکھیں ترے رخسار سے فیض

ہم تو سمجھے تھے یہی گھر میں نہیں ہے موجود — لائے شاید تو گیا ہے کسی بازار سے فیض
پر یہ معلوم ہوا - گھر میں ہماری خاطر — کسب کرتا رہا اپنے در و دیوار سے فیض
دُرِّ مضموں سے غرض ہم کو نہ چھوڑا محروم — پہونچا آخر ترے دربار گہر بار سے فیض

ہر کسے بخیال خویش خبطے دارد

علماء عصر کچھ دنوں میں اک ذی حشم سے ملنے — پوچھا کہ آجکل ہیں بلد کے کیا کوائف
کہنے لگے - یہاں تک اُجڑا ہے چار مینار — اب تو دوا کو بھی واں ملتی نہیں طوائف

ایک حاکم کی صاف گوئی

چڑھ گئے ہیں اک بڑی مینار پر قسمت سے ہم — کچھ نظر آتی نہیں نیچے کی حالت صاف صاف
ہم کو تم معذور سمجھو گر نہ پہچانے تمہیں — اب نہیں دکھلائی دیتی ہم کو صورت صاف صاف

اس بلندی سے اگر لڑ کیں تو پھر سوجھے ہیں
سب کی رنگت صاف صاف اک اک کی ہیئت صاف صاف

ناخلف باپ

اک بے پڑھے سے اُسکے چچا نے کہا "میاں
تجھ ناخلف سے مٹ گئی سب عزتِ سلف"
اُس نے کہا۔ چچا مجھے تعلیم ہی نہ دی
میں ناخلف نہیں ہوں مِرے باوا ہیں ناخلف

بے موقعہ نصیحت کا انجام

میخانے میں کل آکر اک واعظِ مقطع
ہم میکشوں کا ناحق کرنے لگے تھے ہتک
ہم نے بھی خوب ہی کی پھر تو مزاج پرسی
یاں تک کہ اُنکی ڈاڑھی سب ہوگئی تبرک

راشیوں پر اک پھبتی

تنخواہ چاہے جتنی ہو بد نیت عہدہ دار
رشوت کے مال پر بھی لگاتے ہیں خوب تاک
مرغی کا پیٹ خواہ بھرا ہو ملائی سے
پھر بھی جا جھپٹتی ہے جو سنکتا ہے کوئی ناک

کیا خاک

جو جزِ معاش ہے پیسہ بچائے گا کیا خاک
کسی کو دیگا کیا مٹی؟ دلائے گا کیا خاک؟
جو معتمد کو نہ سمجھے کہ ہے وہ کون بلا
وہ صیغہ دار کو خاطر میں لائیگا کیا خاک؟
ہمیں خبر ہے کہ کھاؤ ہیں مہتمم صاحب
جو خود نہ کھائے کسی کو کھلائیگا کیا خاک؟
برسویں دن بھی نہ جھانکے جو جاکے مسجد میں
وہ روز بنگلے کے چکر لگائیگا کیا خاک؟
یہ اک فقیر نے مونچھوں کو تاؤ دیکے کہا
جو سر منڈا چکا اب وہ منڈائیگا کیا خاک؟

رنج و فکر میں ناطقہ بند ہو جاتا ہے

جب دل میں تھا جوش اور طبیعت میں امنگ
ہر بحر میں دکھلائی بہت ہم نے ترنگ
دریائے الم کی اب جو موجیں اٹھیں
اس بحرِ طویل میں ہوا قافیہ تنگ

مناظرہ سود و زکواۃ

کہا زکواۃ سے اک دن یہ سود نے ہنسکر
خدا نے دی ہیں مجھے برکتیں تمام و کمال

خزانے ہوتے ہیں معمور اسطرح مجھ سے
کہ جیسے بھرتے ہیں بارش میں جوہڑ و تال

مری وہ دوڑ ہے کہتے ہیں جسکی نسبت لوگ
کہ سود بنئے کا چلتا ہے گھوڑے کی سی چال

میں اپنے رعب کا اب ذکر کیا کروں تجھ سے
نصیب ہوگا نہ شاہوں کو بھی یہ جاہ و جلال

کراؤں جاری اگر میں سمن عدالت سے
تو قرضدار کو ہو جائیں حیض و اسہال

میں مونچھیں نیچی کردوں شیخ جی کی اک دم میں
لتاڑے اُن کو جو بنئے کا چھوکرا گوپال

مرے دباؤ سے چھپتے ہیں کونے کونے پٹھان
کہ صبح گھیر نہ لے آکے سیٹھ کوٹھی وال

کبھی ہلاتے نہیں کان بھی تو خانصاحب
جب انکو بھوگ سناتا ہے آکر بقال

اسد خاں چونک اُٹھیں سوتے میں گھگھی بندھ جائے
دکھا دے شکل کبھی خواب میں جو گوپی لال

نہ ہے نصیب! چلائے جو سود پر پیسہ
ترقیاں اُسے ہوتی ہی جائیں سال بسال

رہیں جتنے دوست مرے سب ہیں صاحب ثروت
کوئی ہے سیٹھ - مہاجن کوئی - کوئی بقال

مری عنایتوں پر جسنے کر لیا تکیہ
گرانی اسکو بلا ہے نہ کچھ ستائے کال

بنا دوں اُس کو میں تھوڑے ہی دنوں میں سیٹھ
مرے بھروسہ پہ اک دفعہ جو لگا دے مال

تری ہے اسکے خلاف۔ اے زکوٰۃ یہ عادت
کہ دیکھ ہی نہیں سکتی کسی کو مالا مال

ترا اصول یہی ہے کہ سب بنیں قلاش
نظر نہ آئے زمانہ میں ایک بھی خوشحال

زکوٰۃ دیتے ہی دیتے رہے نہ جھنجی بھی
اگرچہ پاس خزانہ ہو یا کوئی ٹکسال

ق
ترے مریدوں میں اول تو مال ہے ہی نہیں
اور اتفاقاً جو کوئی کہیں ہے صاحب مال

تو وہ بھی اوروں کو دے دے کے اپنی بے نقدی
ترے طفیل میں بن بیٹھے مطلقاً کنگال

دیا زکوٰۃ نے جل بھن کے سود کو یہ جواب
کہ اے بنائے ستم! قہر ایزد متعال

جفا شعار! کہاں تک یہ زہر اُگلے گا
یہ آلا گائے گا کب تک تو تال اور بے تال

تو اپنی آپ برائی تو کیا کریگا بیان ؏
لے مجھ سے سُن جو ترے ہیں خواص اور افعال

خدا بچائے ۔ ترا پھیر ۔ ریوڑی کا پھیر
پڑا جو اسمیں لگا اُسکی جان کو جنجال

کھلائے تو کسی مفلس کو یہ کہاں توفیق
جو بس چلے تو لے کھایا ہوا شکم سے نکال

تو قرضدار غریبوں کے کاٹ کاٹ کے پیٹ
ٹھسائے اُن کو جو رکھتے ہیں دولت و اموال

ذرا سا پاس ہو جسکے ۔ تو چھین لے وہ بھی
سدا ہے بھرتے میں بھرنے کا تجھ کو فکر و خیال

ترے اڑنگے میں جب کوئی آگئی جاگیر
پھر اُسمیں خالصہ باقی رہا نہ سیر محال

چلی ہی آتی ہے ہر روز ڈگری پر ڈگری
ہے قرضدار کا قرقی کے مارے پتلا حال

پڑی غریب کے جب برتنوں پہ تیری نگاہ
گلن جھپٹ لی جو پہلے تو بعد میں کنگال

تو چھوڑتا نہیں آخر کو سر کی چادر تک
بدن کے کپڑے لگے بکنے ۔ بعد ہی جب شال

ہیں کپڑے لیتے بھی ۔ اے سُود آفت جانی چیز
ترا جو بس نہ چلے ۔ تو نوچ لے بدن کی کھال

جب انکی بحث نے نسبتیں خوب کھینچا طول
ہوئی نہ ختم کسی طرح جب یہ قیل و قال

تو لڑتے بھڑتے گئے دونوں پیر عقل کے پاس
چکا دے تاکہ وہ جھگڑا ۔ مٹائے جنگ و جدال

کہا خرد نے کہ سود و زکوٰۃ دونوں ہیں جرم
اگر کرے کوئی بے محل انکا استعمال

زکوٰۃ دے جو کوئی مستحق مساکیں کو
تو ہو امیر و غریبوں میں اتحاد کمال

فقیر بے سر و سامان ۔ گدائے گوشہ نشیں
کرے حسد نہ تونگر کو دیکھکر خوشحال

جو ہٹے کٹوں کو دے برخلاف اسکے زکوٰۃ
تو گویا اور بھی انکو بنائے بد اعمال

جو بد معاشیاں اُنسے جہاں میں سرزد ہوں
پڑے معین کی گردن پہ آخرت میں وبال

رہا بیاج تو اسکا بھی حال تم سُن لو
کہ یہ حرام ہے کسوقت ۔ اور کب ہے حلال

شریف ۔ نیک چلن ۔ مبتلائے آفت سے
جو سود لیں تو ہے بیشک ستمگری پر دال

مگر جو بیجے میں پھونکتے ہوں حق دولت
فضول خرچ کا اپنے نہ سوچتے ہوں مآل

سزا بس انکی یہی ہے کہ لے کے سود پہ سود
بنا دیں انکو پراگندہ دل پریشاں حال

قومی غزل

قوم گمراہ کا ہے راہ پہ لانا مشکل
راستے پر بھی جو آئے تو چلانا مشکل

نہیں آسان کہ تصویرِ خیالی کھینچیں
حالتِ زار کا ہے اپنی دکھانا مشکل

منہ سے باتیں تو ہر اک شخص بنا دیتا ہے
ہاں کسی کام کا ہے کرکے دکھانا مشکل

گائے دو دل ہو تو دولاتیں بھی لیں اسکی
پر ہے بے فیض کی اک بات اٹھانا مشکل

ایک دو میں ہو خرابی تو سنواریں اس کو
سارا آوا ہی جو بگڑے تو بنانا مشکل

قومی اصلاح کوئی آج نہ ہو گی ناصح
کہ ہتھیلی پہ ہے سرسوں کا جمانا مشکل

سالہا سال سے جو ذہن نشیں ہیں اوہام
دفعتاً اُن کا دلوں سے ہے مٹانا مشکل

ق

ہم نے مانا کہ عیبوں کا چھڑانا دشوار
ہمنے مانا کہ ہے رسموں کا اڑانا مشکل

اپنی ناکامی سے مایوس نہ ہونا شبیر
کسی مشکل کو نہ رکھیگا زمانہ مشکل

قطعۂ تاریخ ماخوذی منافق

ایک منافق وخائن متولی مسجد حساب فہمی کے مقدمے میں ماخوذ ہوا تھا۔ اُسوقت یہ قطعہ تحریر کیا گیا تھا مسجد کا نام فرضی لکھدیا گیا ہے

ایک مکار منافق ہے دغا باز یہاں
جسکی صورت میں کیا آن کے شیطان نے حلول

گو بظاہر ہے وہ القربہ ۔ منقطع ۔ لیکن
ایسا دیکھا نہ سنا ہم نے کوئی اول جلول

منتظم جب وہ ہوا مسجد حادلشاہ کا
مال اوقاف کو کھانے لگا کرکرکے وصول

اپنے بھائی کو دیا رہنے کو مسجد کا مکان
اور زرِ وقف سے نانا کے کئے اپنے پہول

آج تک ہو نہ سکا کوئی مقابل اُسکا
اُس کے ہاتھوں سے تھا گو سارا محلہ ملول

درگزر کرتے تھے سب اُس سے ۔ مگر چند اشخاص
حامئ مسجد و نکتہ رس و ذی فہم و عقول

تھے اِسی فکر میں مسجد کو ملے اُس سے اماں
اور مشہور ہو سب میں کہ یہ خائن ہے جہول

حق کے آگے نہ چلا مکر کچھ اُسکا اصلا
آخرش آہی گیا پھندے میں وہ نامعقول

ہوا ماخوذ منافق تو لکھی یہ تاریخ ۲۷۱
بعد مدت کے پھنسا آکے پرانا چنڈول
۲۷۱ + ۱۰۴۸ = ۱۳۱۹ھ

ملک الموت سے شکایت

جفا شعاروں کو دیتے رہینگے کب تک ڈھیل
ادھر بھی جھاڑ دیں اک ہاتھ آکے عزرائیل

ستم ہے اب بھی نہ لیجائے گر خبر ان کی
غضب ہے۔ اب بھی کیا جائے گر نہ انکو ذلیل

جو ان پہ اب بھی نہ بجلی گرے قیامت ہے
ستم ہے۔ اب بھی جو انکی نہ روح ہو تحلیل

مرے ہیں بہت سے بد و نیک۔ یہ لعین نہ مرے
کہ جنکا کوئی مماثل ہے یا نہ کوئی عدیل

فرشتے دو تو ہیں کیا۔ سوا گر مقرر ہوں
نہ لکھہ سکینگے مگر ان کے جرم کی تفصیل

یہ وہ حریص ہیں۔ قرآں اٹھائیں پیسے میں
یہ وہ گدھے ہیں کہ دو جو میں بیچدیں انجیل

یہ کاٹیں ناقۂ صالح اک استخواں کے لئے
یہ ایک پر کے لئے توڑیں شہپر جبریل

حسد سے انکے یقیں ہو گیا ہے دنیا کو
کہ انکی شکل میں پیدا ہوا ہے پھر قابیل

دغا فریب اگر انکے دیکھ لے اک بار
زمیں پہ پھینکدے شیطان پھاڑ کر زنبیل

کبھی یہ کرتے ہیں جھوٹے مقدمے دائر
کبھی کراتے ہیں یہ جھوٹی ڈگریاں تعمیل

کبھی ہے فکر کہ قبضہ فلاں زمیں پہ کریں
کبھی یہ دھن ہے کہ کیجے حصول زر کی سبیل

کبھی جھپٹنے کو جاگیر رسم میں عجلت
کبھی جہیز کی خاطر بیاہ میں تعجیل

بنا بنا کے شب و روز جعلی دستاویز
سیاہ نامے کی اپنے یہ کرتے ہیں تکمیل

کسی کا ہو زر و زیور ڈکار جاتے ہیں
سب ان کو ہضم ہے۔ ہو کیسی ہی غذا ثقیل

اگر چراغ بجھانے سے کچھ ملے ان کو
تو پھونک مار کے گل کر دیں عرش کی قندیل

سنا یہ کرتے تھے دنیا سے ٹھگ ہوئے مفقود
پر ان کا فعل ہے ہر اک ٹھگی کی اک تمثیل

اگر اندھیرے اجالے انھیں ملے کوئی
قبا یہ جسم پہ چھوڑیں نہ فرق پر مندیل

ہر اک برے سے برے کام پر ہیں یہ تیار
پہ شرط یہ ہے کسی ڈھب سے مال ہو تحصیل

سیاہ کاری پہ یہ اس لئے ہیں آمادہ
حرامزادوں کی دنیا میں تا ہو تقلیل

بلا سے اِن کو جو سمجھے ذلیل۔ اِک عالم
یہ یہ نہ سمجھیں گے تذلیل کو کبھی تذلیل

خدا نے دی ہے انہیں ایسی لمبی چوڑی ناک
ہزار دفعہ کٹی۔ پھر بھی جوں کی توں ہے طویل

بجا ہے کہیئے اگر ان کو اُمّت فرعون
سزا ہے کیجے اگر انکو غرق لجۂ نیل

عیاں ہے ذات سے انکی صفات نمرودی
اٹھا کے آگ میں یہ جھونکدیں بلے جو خلیل

نہ یہ خدا کے ہیں قائل۔ نہ انکو حشر کا خوف
نہ انکے سامنے حجت چلے نہ کوئی دلیل

عقیدہ انکا یہی ہے کہ لوٹیے سب کو
سوائے اسکے نہیں آتی انکو قال نہ قیل

[redacted]

جب انتخاب جہنم کے ہونگے صدر نشین
تو۔ واں۔ انہیں کو عطا ہوگا آتش اکلیل

ذفتر کے ضروری کاغذات

کہا ایک ناظم نے۔ منشی سے اپنے
کیا کرتے ہو۔ تم غضب کا تساہل

ضروری ہیں جو مسئلہ وہ نہ لا کر
اٹھا لاتے ہو یہ تغیر تبدل

کیا عرض اُس نے۔ "ضروری ہے کیا کیا
کہا "جس میں ہو کچھ بھی تنزل تعطل"

رام و رحیم

یکساں ہے عنایت خداوند کریم
عام اُس کا ہے لطف سب پہ۔ رحمت ہے عمیم

گو نام جدا سہی پہ مقصود ہے ایک
ہندو کہیں رام اُس کو مسلمان رحیم

غزل

حرص کے باعث گرفتار بلا پھرتے ہیں ہم
کچھ عجائب مخمصوں میں مبتلا پھرتے ہیں ہم

قافلہ سب ساتھیوں کا۔ حیف! آگے بڑھ گیا
خاک اُڑاتے دشت میں مثل صبا پھرتے ہیں ہم

یاں کوئی ہمراز ہے اپنا۔ نہ کوئی ہم سخن
منہ چھپائے اپنی دھن میں جا بجا پھرتے ہیں ہم

محفل احباب میں اپنی گرانی کیا کہیں؟
جا کے تا کہسار جوں بانگ درا پھرتے ہیں ہم

نیک ہو یا بد کسی سے بھی نہیں اپنا بگاڑ
شامتِ اعمال سے پڑتے ہیں جب ادبار ہیں
گردشِ ایام نے یاں تک ہمیں چکرا دیا
شکوے یا تو اور روکے کرتے تھے۔ یا اب زار دن
سب بھلے ہیں۔ پر کسی سے کچھ خدا ڈالے نہ کام"

اور بظاہر یوں تو سب سے ہی خفا پھرتے ہیں ہم
پھر بھلا کب صورتِ تیرِ قضا پھرتے ہیں ہم
کچھ نہیں معلوم۔ سر پھرتا ہے۔ یا پھرتے ہیں ہم
شاکیِ تقدیر و بختِ نارسا پھرتے ہیں ہم
مانگتے مشتاق در در یہ دعا پھرتے ہیں ہم

ایک بیمار کے خیالات بسترِ مرگ پر

یہ نظم اس نقشے کے ڈراما فسانۂ عبرت میں بگڑے نواب کا جوان لڑکا بسترِ مرگ پر گاتا تھا۔

حسرتیں دل میں لئے پیشِ خدا جاتے ہیں ہم
آئے تو روتے ہوئے۔ اب جاتے ہیں تو جھینکتے
چھٹ گئے افکار سے۔ زندوں میں گویا پڑ گئے
اب خدا جانے تری ہوتی ہے کیا مٹی خراب
تو نہ لینے دیگا آرام او ستمگر آسماں!
موت نے مہلت نہ دی مشتاق میں کہتا رہا

پھوٹی قسمت کو بہت دیتے دعا جاتے ہیں ہم
واہ وا! کیا خوب! کیا آئے تھے! کیا جاتے ہیں ہم
رنج کا کیا ذکر! ممنونِ قضا جاتے ہیں ہم
قالبِ خاکی! خدا حافظ ترا۔ جاتے ہیں ہم
لے تری محفل سے اٹھ کر بے وفا جاتے ہیں ہم
رحم کر! اے رحم! ظالم! کربلا جاتے ہیں ہم

غلام نہیں رہے مگر جورو کے غلام بہت ہیں

مجھ سے کہا کل ایک فرنگی نے فخریہ
رسمِ غلامی صفحۂ ہستی سے مٹ گئی
مینے کہا۔ غلامی۔ بلا سے مٹی۔ مٹی

ہم نے ہر اک کو بخشی ہے آزادی تمام
بردہ فروشی کا کوئی لیتا نہیں ہے نام
ایسا نہو مٹیں کہیں جورو کے بھی غلام"

غزل

ہو کے مایوس جو رخصت ہوئے گلزار سے ہم
اپنے ہاتھوں ہی سے تکلیف پہنچتی ہے سدا

روئے مل مل کے گلے باغ میں اشجار سے ہم
خوف یاروں سے ہے ڈرتے نہیں اغیار سے ہم

اپنی اپنی سی ہر اک ہم کو بتاتا ہے دوا / کچھ نظر آتے ہیں لوگوں کو جو بیمار سے ہم
ق
اور یہ حالت ہے ہماری کہ خدا کی قدرت / منہ ہر اک شخص کا تکتے ہیں گنہگار سے ہم
کس ستمگر کے ہیں ناخون؟ الجھتے کیوں ہیں؟ / دشت میں جا کے یہ پوچھیں گے ہر اک خار سے ہم
اور چیزیں تو یاس عالم میں سبھی کام کی ہیں / ایک البتہ نظر آتے ہیں بیکار سے ہم
ایسی کیا بات ہوئی ہم سے! کہ ہر اک کی بات / چپکے بیٹھے ہوئے سنتے ہیں خطاوار سے ہم
ساقیا بادۂ گلگوں کی ضرورت کیا ہے؟ / اپنی فکروں ہی میں کچھ پھرتے ہیں میخوار سے ہم
بے نیازی نے عجب رنگ دکھایا شبلی / بدگماں ہونے لگے رحمتِ غفار سے ہم

سلام کرنے کی وجہ

جب تک کہ کسی شخص سے مطلب تھا نہ کام / جھکتے نہ تھے ہم کسی سے خواص کہ عام
اب آ پڑی غرض۔ تو ہم بھی دولہا کی طرح / کرنے لگے یاں ہر کس و ناکس کو سلام

میرے سلام مجھے واپس کرو

محض اتنی امید پر کہ تم آؤگے کام / کرتا رہا میں سلام تم کو بھی مدام
اب کام پڑا تو۔ تم بتاتے ہو ہوا / واپس کرو! لاؤ! گن کے کل میرے سلام

ایک ملازم کی سرگزشت

یہ نظم سنہ [illegible]ف میں انجمن اصلاح خیالات واقع بازار چیلے میاں حیدرآباد دکن میں نیاز مند نے پڑھی تھی اور بطور خاص انجمن مذکور کے لئے ہی لکھی تھی جسکے مقاصد و اغراض میں یہ بھی داخل تھا کہ ملازمت کے عیوب کہا کر مسلمانوں کو تجارت پیشہ کی جانب متوجہ کیا جائے۔ یہ نظم کسی خاص ملازم کی سرگزشت نہیں ہے بلکہ ان ہزارہا ملازمین کے خیالات کا آئینہ ہے جو اپنی کوششوں میں ناکام رہے ہیں ۱۲

روز کب تک اک نئی تدبیر میں سوچا کروں / میری مشکل حل نہیں ہوتی۔ الٰہی! کیا کروں
دوستو! تم کو اگر ہے تاب سننے کی تو میں / کچھ بیاں اپنے دلِ بیتاب کا قصہ کروں

جس زمانے میں کہ جاتا تھا یہ عاصی مدرسے
تھا زمانہ طالب علمی کا یا ایام غم
بس یہی فکر ان دنوں رہتی تھی تھی سو جاگکے
ہسٹری تو یاد کرلی۔ اب پڑھوں جغرافیہ
پڑھتا تھا دو دو بجے تک۔ پھر بھی یہ تھی آرزو
دن میں گھنٹے بھر بھی چھٹتی نہ تھی مجھسے کتاب
آخرش جب مدرسہ چھوڑا تو دیکھا اک طلسم
تھیں یہ امیدیں کہ گر قسمت مری یاری کرے
کرسی پہ بیٹھا رہوں فرعون بے ساماں بنا
یا جگہ ملجائے کوئی اک ذرا زرخیز سی
یا کہیں دیہات میں مامور ہو جاؤں تو پھر
یا کوئی منصب ہی ہو جائے تو گھر میں بیٹھکر
یا اگر آنکھوں کا اندھا۔ گانٹھ کا پورا کوئی
یا سوئے ڈورے لگا کر اک کسی اچھی جگہ
یا کوئی نواب ملجائے تو اُس کو گانٹھ کر
قصہ کوتہ۔ ایسی ہی باتیں بہت سی لیکن
حرص نے مجھ کو دکھائے تھے یہ سارے سبز باغ
ہو گیا امید کا خون۔ آرزو کا قتل ہوا
خیر۔ وہ تو خواب تھے۔ یہ انکی اب تعبیر ہے
جیسا یہ دفتر ہے اور جیسی ہے میری نوکری
کام اتنا کرنا پڑتا ہے کہ جسکی حد نہیں
سات گھنٹے تک تو روزانہ کچہری میں لکھوں
ایک حاکم ہو تو سر آنکھوں پہ تعمیل اسکا حکم

مجملاً پہلے تو ذکر خیر کچھ اُس کا کروں
لعنت و لاحول جس پر عمر بھر بھیجا کروں
یہ جماعت طے کروں۔ پھر پاس وہ درجہ کروں
یاد اقلیدس جو ہو جائے تو الجبرا کروں
ہو سکے مجھسے تو ساری رات ہی جاگا کروں
اسکا تو کیا ذکر ہے۔ جو کوئی دن ناغہ کروں
جی میں آتا ہے کہ اسکا راز بھی افشا کروں
تو کسی سر رشتے میں حاصل کوئی عہدہ کروں
اور مزے لیکر حکومت کی ہوا کھایا کروں
پھر تو بس جی کھولکر پیسے روپے رولا کروں
خوب نذرانے لوں۔ دونوں ہاتھوں سے لوٹا کروں
چین کی بنسی بجاؤں۔ راتدن اینڈا کروں
آ پھنسے پھندے میں تو پھر اپنا تر پوٹا کروں
ہاتھ پھینکوں چو طرف۔ جاگیر پر قبضہ کروں
اپنا الّو الغرض ہر طرح سے سیدھا کروں
اب کہانتک انکو روؤں۔ کبتلک جھینکا کروں؟
یاد کرکے انکو کیوں انگارہ پر لوٹا کروں
چاہیئے اِن دونوں مردوں کا اب بیما کروں
سارے دن دفتر میں بیٹھا مکھیا مارا کروں
اب لگے ہاتھوں بیاں اسکی بھی کچھ آلا کروں
صبح بیٹھوں شام کردوں شام سے تڑکا کروں
بعد ازاں گھر کے لیے تیار اک لستہ کروں
بیس افسر ہیں۔ کہو کس کس کا میں کہنا کروں

پوچھئے تنخواہ کیا ہے آپکی ؟ پندرہ روپے
کھانے والے پانچ ہیں سنئے ۔ شمار انکا کروں

ایک بیوی ۔ تین بچے اور اک یہ خاکسار
کہیے انکو بھوکا ماروں ؟ یا نچوں فاقہ کروں

ایسی یہ سوکھی جگہہ ہے ۔ اتنی بھی آمد نہیں
جو کبھی اوپر سے پیدا ایک بھی پیسہ کروں

اور اضافہ تو یہاں دمڑی کا بھی ممکن نہیں
چاہے جتنی قابلیت روز دکھلایا کروں

اس جگہ سے دل مرا بالکل ہی کھٹا ہو گیا
ہے یہی بہ ۔ کب تک بھلا پاپڑ یہاں بیلا کروں ؟

ق
اپنا گھٹنا کھول کر کیوں آپ ہی لاجوں مروں
جگ ہنسائی کیلئے اب اور کیا شکوہ کروں ؟

ورنہ اس پاجی گرہ کو جسقدر ڈھیلے کی چوٹ
میں برا کہتا پھروں ۔ گویا بہت اچھا کروں

اس کو بھی میں لوٹ کا مول سمجھا ہوں جناب !
یہ بھی چھن جائے تو پھر اسوقت بولو کیا کروں ؟

بند دروازے ہیں سب بس یہی اک کھلا
چاہتی ہے اسکو بھی قسمت کہ اب تیغا کروں

کوششیں تو کیں بہت ۔ لیکن آخر وقت میں
ایک باقی ہے ۔ کہو تو اسکو بھی پورا کروں

کان پر رکھکر قلم اور ہاتھ میں لیکر دوات
کام منشی ! کیلئے ہر دروازے پر جھینپا کروں

مارتا در در پھروں ہر وقت ٹانک ٹوئے
سر کو اپنے کاڑھی کردوں ۔ پاؤں کو پھاکروں

خواہ نجاؤں زمیں کا گز بلا سے ۔ پھر بھی روز
جوتیاں سب دفتروں میں جاکے چٹخایا کروں

یہ تو سب ممکن ہے کرنا ۔ بلکہ اس سے بھی سوا
اپنی قسمت کو مگر کس طرح سے سیدھا کروں

ق
میں تو ہوں اس فکر میں جسطرح ممکن ہو سکے
چار پیسے ہاتھ لگنے کا کوئی دھندا کروں

اور مری تقدیر یہ کہتی ہے ۔ "جو تدبیر تو
کھود کر دل سے نکالے اسکو ہی الٹا کروں

ق
ہے یقیں مجھکو کہ قسمت اسکو بھی چلنے نہ دے
چھوٹی موٹی کچھ تجارت کا اگر پیشہ کروں

اولاً تو دام دمڑی ہی نہیں اتنے کہ جو
کھول لوں دوکان کوئی اور کچھ سودا کروں

اور اگر بالفرض لے دیکر کہیں سے قرض دام
مشغلہ کوئی نیا بیوپار کا پیدا کروں

تو یقیں ہے مال میرا سب کا سب ہو جائے ایڈا
سر پکڑ کر راتدن دوکان پر رویا کروں

روز و شب میں ایک گاہک بھی نہ بھٹکے آکر
خالی بیٹھا ۔ چیز نیکی بس خاک ہی جھاڑا کروں

اور جو آجائے تو لے ہرگز نہ اک کوڑی کی چیز
روغن قاز اسپہ ملکر لاکھ پھسلایا کروں

ہوں بکرم میرا ایسا بدہ مرجائے یا سوکھا پڑے
بھوکے بچے بھی ارادہ میں جو کھیتی کا کروں

جنت سے امید ہے مجھ کو۔ وہیں بجلی گرے
جب نہ ہو جادو کسی تدبیر کا بھی کارگر
گر خدا ہی کچھ نہ چاہے تو ہے سب کوشش فضول
آنچ بھی آئے نہ ہرگز کچھ بری تقدیر پر
قسمت و تدبیر ہی میں جبکہ ان بن ہو تو پھر

لہلہاتے کھیت پر گر میں قدم رنجہ کروں
کیوں نہ پھر میں اپنے مانند لکھایا کروں
خاک بھی مطلب نہ نکلے۔ لاکھ پھن پٹیا کروں
عمر بھر گو پانی پی پی کر اُسے کوسا کروں
ایسی صورت میں بھلا تم کیا کرو؟ میں کیا کروں

دیگراں را نصیحت خود میاں فضیحت

وعظ میں گو سناتے ہیں صوفی
اپنی اصلاح کچھ نہیں کرتے
وہ اگر ناچ گا کے محفل میں
قبر مرشد پہ ناچکر یہ بھی

ناچنے والیوں کو صلواتیں
ہیں فقط انکی باتیں ہی باتیں
راتدن بکتی ہیں خرافاتیں
مارتے ہیں بہشت میں لاتیں

سب سے اچھا داماد

ایک بیٹی بھی خدا نے جسکو دیدی وہ غریب
گر بٹھائے رکھے لڑکی تو شاید خوش رہے
پوچھتے ہو۔ بیٹی کسکو دیں؟ کسے بھی دو۔ مگر

رنج و غم سے عمر بھر آزاد ہو سکتا نہیں
کر دی جب شادی تو پھر وہ شاد ہو سکتا نہیں
قبر سے اچھا کوئی داماد ہو سکتا نہیں

تھوتھا چنا باجے گھنا

فی الحقیقت ہیں جو کچھ کر کے دکھانیوالے
اور جو کچھ کرتے نہیں۔ باتیں بناتے ہیں بہت

شیخیاں مار کے آوازے وہ کستے کم ہیں
بات یہ ہے۔ جو گرجتے ہیں برستے کم ہیں

حق گوئی سے ایک سردار کی معذرت

آپ تو سب راست فرماتے ہیں لیکن سچ یہ ہے
ہم نے مانا۔ وہ ہی سطریں سبھی لکھی ہیں۔ مگر

حاکموں کے آگے جا کر کہہ سکیگا راست کون؟
کون سنتا ہے؟ سناتا ہے بھلا در جوا کو ستون؟

ساجھے میں بدنیتی

جو جن بشر کا کو آبادی کا دھیان	لازم ہے کہ ہو کام میں انکے نقصان
چورا ہے یہ کیوں پھوٹے نہ ہانڈی انکی	نیت جو ہو ثابت ۔ تو ہو منزل آسان

شاہ صاحب کی لن ترانیاں

یہ نظم اس نیاز مند کے مشہور ڈراما فسانۂ عبرت میں ایک فقیر کا گانا تھا ۱۲

امیرانِ جہاں گو دولت و جاگیر رکھتے ہیں	گر ہم بینوا ۔ خاصیت اکسیر رکھتے ہیں
دلائے گا کوئی کیا ہم کو لالچ مال و دولت کا	کہ یاں ہم خود نگاہ کیمیا تاثیر رکھتے ہیں
نہ لائیں ہم کو دنیا دار خاطر میں تو کیا غم ہے	ہمارے آگے وہ کب عزت و توقیر رکھتے ہیں
ہمیں دنیا سے کیا مطلب کہ یاں آٹھوں پہر ہم کو	خیال آخرت ہے ۔ فکر دامنگیر رکھتے ہیں

در دولت پہ شاہوں کے وہ کب چکر لگاتے ہیں
میاں ! پیش نظر جو روضۂ شبیر رکھتے ہیں

فرشتوں کو دھوکا

کل قضارا ہم بھی جا نکلے تھے بزم وعظ میں	ہو رہا تھا واں تشبہ کے مسائل کا بیان
رفتہ رفتہ داڑھی منڈوں پر لگی پڑنے تبار	واعظ شیریں سخن ہو گئے یوں دُرفشاں
چونکہ ہیں یہ داڑھی منڈے گبر و ترسا کی شبیہ	حشر بھی انکا انہیں کے ساتھ ہوگا بیگماں
قصہ کوتہ ۔ جو جو انکے منہ میں آیا ۔ کہہ گئے	ہم گنہگار ۔ ایسے چپ تھے ۔ کچھ نہ بولے ۔ ہوں نہ ہاں
الغرض شب میں بزم وعظ جب آخر ہوئی	اپنے اپنے کام سب لگ گئے پیر و جوان
میں بھی گھر پہونچا ۔ مگر آنکھوں میں پھرتی رہی	مولوی صاحب کی صورت ۔ اور وہ قہر بیکراں
سن کے جو آیا تھا واں ۔ دن بھر رہا انکا خیال	خواب میں بھی پھر وہی قصہ ہوا مجھ پر عیاں
دیکھتا کیا ہوں کہ ہے روز قیامت آشکار	چھا رہا ہے ہر طرف اک نفسی نفسی کا سماں

خوف کے مارے جہنم کو دہکتا دیکھکر ۔۔۔ لب پہ ہر اک کے ہے جاری۔ الحفیظ والاماں
مُردے ۔ قبروں سے نکلکر آرہے ہیں جوق جوق ۔۔۔ سوئے دوزخ کوئی جاتا ہے۔ کوئی سوئے جناں
اتنے میں اک غول سکھوں کا بھی یاں وارد ہُوا ۔۔۔ وہ عمامے اونچے اونچے یہ لمبی ڈاڑھیاں
دیکھتے ہی انکو بول اٹھے یہ عالِ قضا ۔۔۔ انکے چہروں سے خدا کا نور ہے کامل عیاں
"لو فرشتو! خلد میں پہنچاؤ انکو تھا یہی ۔۔۔ دیدو فردوس بریں ۔ اور کھولدو باب جناں"
"جے گرو کی!! واگرو کی فتح"!! چلاتے ہوئے ۔۔۔ باغ رضواں میں ہوئے داخل وہ پنجابی جواں
انکے پیچھے اک مسلماں ڈاڑھی منڈا ۔ دیندار ۔۔۔ عرصۂ محشر میں آ نکلا کہیں سے ناگہاں
پہلے تو گھورا فرشتوں نے بہ چشم قہر اسے ۔۔۔ کالے کالے دیدے انکے پھر گئے تو آتش فشاں
پیسکر دانت آخر اس شامت کے مارے سے کہا ۔۔۔ "کیوں بے کافر! تو نے پھینکا نور یزداں کہاں
"جب نہیں منہ پر ترے ڈاڑھی تو پھر کیسی نجات؟ ۔۔۔ کس بھروسے پر تو شکل مشرکیں لایا یہاں"؟
دیکھکر یہ حال وہ بیچارہ ششدر رہگیا ۔۔۔ پھر سنبھلکر یوں لرزتے کانپتے کھولی زباں
"میں موحد ہوں فرشتو! مجھکو کیا سمجھے ہو تم؟ ۔۔۔ میں تو کلمہ گو ہوں یارو! میں کہاں مشرک کہاں
"پوچھ لو مجھ سے کہ میرا اسلام کے کیا کیا اصول ۔۔۔ مجھ سے سن لو۔ فرق کیا ہے کفر و دیں کے درمیاں
کیا فقط ڈاڑھی منڈانے سے میں کافر ہوگیا؟ ۔۔۔ صاحبو!! کیوں اسقدر تم ہو مجھسے بدگماں
"کیا اسی پر منحصر ہے نار و جنت کا مدار ۔۔۔ کیا اسی اک جرم سے سارے عمل ہیں رائیگاں؟
"عمر بھر تائید میں کرتا رہا اسلام کی ۔۔۔ میرے مذہب میں جسے شک ہو۔ وہ لے لے امتحاں
سنکے یہ باتیں فرشتوں نے دیا اسکو جواب ۔۔۔ "یہ فقط دعوے ہیں تیرے ۔ لے چکے ہم امتحاں
"لو جی!! اس مردود کو اس آگ میں جھونک آؤ ابھی ۔۔۔ ڈالے جاتے ہیں عموماً ایسے ہی کافر جہاں
"پوچھنے پچھنے کی اس ملعون سے حاجت نہیں ۔۔۔ کفر کا خود دے رہی ہے اسکی صورت ہی نشاں"
لے گئے آخر اسے سوئے جہنم کھینچ کر ۔۔۔ مارتے جاتے تھے سر پر آتشیں گرز گراں

ایک بھی اس کی نہ مانی لاکھ وہ روتا رہا
بھائیو!! میں تو مسلماں ہوں ۔ میں مومن ہوں میاں!!"

غزل

غرور زندگیٔ مستعار کس کو نہیں — سبھی ہیں مست تغافل خمار کس کو نہیں
وہ کون ہے کہ نہیں مطمئن زمانے پر — فلک کے دور پہ یاں اعتبار کس کو نہیں
ہر اک ہے نشۂ دولت سے بیخود و سرشار — غنا و فقر پہ اب افتخار کس کو نہیں
غلط ہے دعوئ تسلیم و عجز دنیا میں — بوقت رنج و محن انتشار کس کو نہیں
کہا یہ کس نے کہ تھا کوہ کن ہی اک جانباز — گرے جو کوہ الم جان بار کس کو نہیں
غضب ہے طعنۂ بے صبری دردمندوں کو — حصول کام اگر ہو قرار کس کو نہیں
طیور اداس ہیں گل خستہ باغباں ناشاد — ملال رخصت فصل بہار کس کو نہیں
خیال شہر معارف اگر ہو مشتبہ — تو یاد قصۂ منصور و دار کس کو نہیں

حاکموں کے در پر دھنی دینا

جا کر در حکام پہ جب ڈٹتے ہیں — ہوتے ہیں خفیف و دمبدم گھٹتے ہیں
جتنا جتنا کہ وقت کٹتا ہے وہاں — بس اتنے اتنے ہی دل ہم کٹتے ہیں

ترکوں سے اہل مغرب کی وجہ عداوت

تمہیں ترکوں سے کیوں نفرت ہے؟ پوچھا میں نے ولیم سے — کہا اس نے "نہ پوچھو تم کو خبر ہیں جزو و کل کی ہیں"
عداوت تم بھی پردیسی مسلمانوں سے رکھتے ہو — اگرچہ تم اور وہ تو پتیاں سب ایک گل کی ہیں
جلیں ہم کیوں نہ ترکوں سے وہ ہم مذہب نہ وہ ہم قوم — پھر اس پر یہ بھی طرہ ہے، کہ ظالم غیر ملکی ہیں

غزل

ہم سے پہلے بھی بہت کچھ شہر ویراں ہو گئیں — بستیاں ہی تھیں جواب شہر خموشاں ہو گئیں
ذرہ ذرہ خاک کا کیا مظہر قدرت نہ تھا — داستانیں طور کی کیوں جزو قرآں ہو گئیں

بانگ ناقوس و جرس ہم پہلے سمجھے ہی نہ تھے ۔۔۔ اب سنیں تو سب نوائے ساز عرفاں ہو گئیں
دقتیں ہر کام میں پہلے نظر آئیں مگر ۔۔۔ شوق نے جب رہنمائی کی سب آساں ہو گئیں
لاکھ رکھا پردے میں پھر بھی تو دل کی رنجشیں ۔۔۔ چھپ سکیں کب ۔ صاف چہرے پہ نمایاں ہو گئیں
سب نے دیکھا فی الحقیقت ناامیدی کفر ہے ۔۔۔ یاس نے غلبہ کیا ۔ امیدیں عصیاں ہو گئیں
بحر غم میں وقت طغیانی جو ہمت کی بلند ۔۔۔ ناخدا میرے لئے امواج طوفاں ہو گئیں
حسرتوں کا خانۂ دل میں رہا میرے ہجوم ۔۔۔ غیر کے ہاں بھی جو آئیں یاں بھی مہماں ہو گئیں
ق
مقبرے شاہوں کے ہم اک دن گئے تھے دیکھنے ۔۔۔ کیا کہیں کیا دل پہ طاری حالتیں واں ہو گئیں
دیر تک چھایا رہا آنکھوں میں عبرت کا سماں ۔۔۔ جو امنگیں دل میں تھیں اک بار پنہاں ہو گئیں
تربتیں جن کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں یاں ہم رات دن ۔۔۔ اس جگہ اک درسگاہ خوف یزداں ہو گئیں
نیند محنت کے ہوئی شب بھر جب راحت نصیب ۔۔۔ جتنی تکلیفیں تھیں سب خواب پریشاں ہو گئیں

پہلے دھکے پیچھے کھانا

دروازے پہ منعموں کے اب جائے کون ۔۔۔ دعوت ہی سہی پہ جا کے پچھتائے کون
کھانا تو ملے گا پیچھے کھانے کے لئے ۔۔۔ دربانوں کے دھکے پیشتر کھائے کون

حیدر آباد کا میلاد شریف

ہمارے بلدۂ حیدر آباد میں جب ہر آدمی ملکر محفل میلاد میں نعتیہ غزلیں پڑھتے ہیں اور سب ایک ساتھ نہایت ہی دلخراش بے تکی اور بے سُری آوازیں نکالتے ہیں جہانتک ممکن ہوتا ہے ہر شخص اپنے حلق کے پھاڑنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا ۔ میلاد عموماً ماہ ربیع الاول میں یا غمی کی تقاریب چہلم وغیرہ میں رات کو ہوتا ہے اور ساری رات پڑھنے والے پڑھتے رہتے ہیں یہ لازم نہیں ہے کہ سامعین بھی موجود رہیں
غرض برکت سے ہے وہ ہر طرح حاصل ہو جاتی ہے

نعت ایماں ہے ہمارا ، پر یہ آوازیں کرخت ۔۔۔ سُن سکیں کیا ؟ کیسے ہی پکے ہوں صوفی بھاگ جائیں

سب سے پہلے صاحبِ خانہ ہی کھسکے بزم سے — جتنے ہوں مہمان اُسکی دیکھا دیکھی بھاگ جائیں
مرحبا! اے نغمہ سنجی! واہ وا! طرزِ ادا — جس جگہ میلاد ہو واں سے پڑوسی بھاگ جائیں

سفارش سننے والے ایک عہدہ دار پہ پھبتی

دہن چہرہ ہزار۔ سروہ دہنتے ہی نہیں — اپنوں کے سوا غیر کو چھتے ہی نہیں
عہدے نے کیا ہے اُن کو بہرا پتھر — سنتے ہیں کسی کی اب وہ سنتے ہی نہیں

غزل

یہ غزل نومبر ۱۹۱۲ء میں لکھی گئی تھی جب کہ جنگ ٹرکی و بلقان چھڑی ہوئی تھی اور سلطنت ٹرکی نرغے میں گھر گئی تھی۔ اس غزل کے پہلے تین شعروں میں کنایۃً یہی واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ چوتھے شعر میں یورپ کے مدعیانِ تہذیب پر تعریض کی گئی ہے جو ہمیشہ اپنی جنگ کے اغراض اشاعتِ تہذیب قرار دیتے ہیں

ہمارا کون ہے؟ سب یار اور اغیار دشمن ہیں — مسلماں ہیں ادھر بد دل اُدھر کفار دشمن ہیں
الٰہی خیر ہو! سارا زمانہ پھر گیا ہم سے — زمین و آسماں اعدا۔ در و دیوار دشمن ہیں
چمن سے اب نکل جائے نہ کیوں بلبل کہ گلشن میں — خس و خار اسکے درپے ہیں۔ گل و گلزار دشمن ہیں
بجا ہے۔ واقعی۔ تہذیب خونریزی سے پھیلے گی — ہمارے یہ مہذب دوست بھی خونخوار دشمن ہیں
کوئی جھگڑا زمین و زر کا چھڑ جائے تو پھر دیکھو — اقارب ہیں۔ عقارب سب ہیں جتنے یار دشمن ہیں
جو دشمن عقل کا ہو وہ کسی کا دوست کیا ہوگا — جو ناداں دوست ہیں اُن سے بھلے ہشیار دشمن ہیں
تری تکفیر بھی ہوتی ہے لیکن فرق ہے واعظ — ترے اغیار دشمن ہیں ہمارے یار دشمن ہیں
بلا سے! اپنے ماتحتوں کو گر ناراض رکھتے ہیں — کسی کا کیا کریں؟ اپنے ہی سرکار دشمن ہیں
لباسِ ظاہری بھی ہے محرک بدگمانی کا — قبائے شیخ کے یہ جبہ و دستار دشمن ہیں

غرض اعدا کے شر سے امن ہے یاں کون؟ شبیر
کسی کے غیر دشمن ہیں۔ کسی کے یار دشمن ہیں

خدا سے ایک گنہگار کی توقع

اپنے عصیاں سے خدایا مجھے انکار نہیں — قابلِ رحم مگر کیا یہ گنہگار نہیں؟
اسمیں کچھ شک ہی نہیں لایقِ تعزیر تو ہوں — ناسزا کو تو سزا دے ۔ یہ سزاوار نہیں
کونسا دن ہے کہ آتا نہیں اب ذکر ترا — کب ترا نام مری زینتِ گفتار نہیں
جب تعارف نہ تہا کچہ بہی مجہے بخشا تجہے — اب تو سو سابقے ہیں بخشش کہ دشوار نہیں

ہماری تصویر کے دو رخ

یہ مانا ہے ہمیں خنجر لئے حکام بیٹھے ہیں — مگر جیبیں بجاتے سیٹھ دولت رام بیٹھے ہیں
خدا کے واسطے راجہ ذرا ہم سے الگ بیٹھو — کہ ہم تو پہلے ہی ہوکر بہت بدنام بیٹھے ہیں
عجب اک کیمیا ہے خدمت ..... بھی — مناتے خیر اسکی ہم تو صبح و شام بیٹھے ہیں
حساب اب کچھ نہ پوچھو تم مکان و باغ و موٹر کا — کہ ان دو سو ہمی کرکے کیا کیا کام بیٹھے ہیں

ایک عہدہ دار کی دعا

گھیرتے ہیں مجھ کو آکر رات دن اہلِ غرض — پھنس گیا ہوں میں خداوندا عجب جنجال میں
جھوٹ بن تسکین ان لوگوں کی ہوتی ہی نہیں — خوش یہ ہوتے ہیں بناوٹ ہو اگر اقوال میں
جب یہ دیکھا سچ سے کوئی مطمئن ہوتا نہیں — جھوٹ سے لینے لگا ہوں کام قیل و قال میں
مصلحت آمیز اب ہوتی ہے میری گفتگو — چکنی چپڑی باتوں سے دیتا ہوں سب کو ٹال میں
ڈھونڈکے میں کہتا ہوں برسوں سچ مگر کہتا نہیں — ڈر ہے امیدوں کو انکی کر نہ دوں پامال میں
چونکہ نیت میں مری ہرگز نہیں کوئی فساد — بلکہ منظور انکی دلجوئی ہے یاں ہر حال میں
درگزر فرمائے گا تو اس سے مجھکو ہے یقیں — فرق جو کچھ ہو مرے اقوال اور افعال میں

ان کی خاطر جس قدر دن رات میں کہتا ہوں جھوٹ
لکھیو یارب تو انہیں کے نامۂ اعمال میں

ایک غلام کی خوشی

اب امتحاں کیا دوں کہ حکومت کا نہیں شوق
خامی تو یہ ہے - پر اسی خامی ہی میں خوش ہوں

ہے منصفی اک چیز مگر مجھ سے نہ ہوگی
میں دفتر خدام گرامی ہی میں خوش ہوں

آزاد نہ کیجے مجھے اب دیجے وظیفہ
سرکار میں اس قید غلامی ہی میں خوش ہوں

بڑوں سے چھوٹے اچھے ہیں

اگر دنیا میں بےفکروں سے ذی افکار اچھے ہیں
تو بیشک اہلکاروں سے یہ عہدے دار اچھے ہیں

عدو محکوم کا اک ہی تو ہیں حاکم کے سو دشمن
ہماری رائے میں آقا سے خدمتگار اچھے ہیں

ہوئی جب ملک میں بدامنی اور پڑنے لگے ڈاکے
امیروں کی کھلیں آنکھیں کہ یہ نادار اچھے ہیں

وقار ان کا دبا دیگا انہیں موج حوادث میں
سبکساروں سے مت سمجھو گراں مقدار اچھے ہیں

لگی آگ اک محلے میں پڑی ساماں کی سب کو
لئے کمل فقیر اٹھا کہ ان سے یار اچھے ہیں

ایک بد دماغ منتظم

تم سے سر ماروں - تو آنا دم مرے بس میں نہیں
سچ ہی تم جانو جو یہ کہدوں کہ میں گھر میں نہیں

گفتگو دفتر کی ہاں دفتر میں کیجے شوق سے
گھر یہ اور سرکاری باتیں؟ اسکا تو گر میں نہیں

میرے ہاں آنے کی اب تکلیف فرمائیں نہ آپ
ان سے ملیئے - ہاں کہیں جو گھر میں، دفتر میں نہیں

سچ کو سچ سمجھیں تو ہے اہل غرض سے یہ بعید
انکی خاطر جھوٹ بولوں اسکا خوگر میں نہیں

میرے سچ سے ہے زیادہ دلنشیں ناظم کا جھوٹ
جو چمک ہے آجکل پیتل میں وہ زر میں نہیں

حق میں اک راشی کے قبلہ! یہ سفارش آپ کی
ہے یہ فتوے - ڈر کسی خائن کو محشر میں نہیں

برادرانِ حقیقی

ہم جن کو سمجھتے تھے کہ صدیقی ہیں
کہتے ہیں جنہیں حقیقی بھائی ہم لوگ
دیکھا تو بہت سے اُنہیں زندیقی ہیں
اکثر وہی دشمنانِ حقیقی ہیں

عدیم الفرصت حکام

بعض حکام کی عادت ہے کہ جب اُنسے کوئی
ملنے جاتا ہے تو فرماتے ہیں "ہم کام میں ہیں"
جُمعے کے جُمعے ہوا کرتی ہے انکی اصلاح
اور دن جاؤ تو کہدیتے ہیں "حمام میں ہیں"
الغرض انکو ملاقات کی فرصت ہی نہیں
وہ گرفتار عجب گردشِ ایام میں ہیں
مقبرے پر بھی جب اُنکے کوئی دستک دیگا
تو یہ فرمائینگے "سرکار ابھی آرام میں ہیں"

دہوتی باندہ لو مگر پتلون نہیں پہن سکتے

واعظ نے بنا لیا ہے جو کچھ قانون
عیب اُسمیں نکالکر نہ بنئے ملعون
گر باندہ لو دہوتی - تو نہیں غم شبلی
جاؤگے جہنم میں جو پہنی پتلون

ہے یہ ناصح برائے دیگراں

بیٹے کو حقہ پیتے جو دیکھا تو - جامے سے
غصے کے مارے ہوگئے باہر بڑے میاں
دو چار نیچے جھاڑ دئیے پھر پکڑ کے ہاتھ
کرتا ہی رہگیا وہ بیچارہ چنیں چناں
لڑکے نے جو بھرا تھا وہ فرشی اٹھا کے خود
بند آنکھیں کیں - مزے سے اڑانے لگے دہواں

ہمدردانِ قوم کے زبانی دعوے

قوم کے نام پہ جو لوگ کہ دم دیتے ہیں
اُن سے گر مانگئے کچھ دام تو دم دیتے ہیں
الغرض - گھر میں پکاتے ہیں خیالی جو پلاؤ
دم بدم جلسوں میں پھر اُسکو وہ دم دیتے ہیں

مسلمانوں کا تنزل

اثر قومی تنزل کے نمایاں ہوتے جاتے ہیں
ترقی ہو چکی۔ مٹنے کے ساماں ہوتے جاتے ہیں
مساجد میں نہ وہ رونق۔ مدارس میں نہ وہ تعلیم
خدا محفوظ رکھے! دونوں ویراں ہوتے جاتے ہیں
غلام شیر یزداں گھر گئے ہیں حیلہ سازوں میں
جو روبہ تھے۔ وہ اب شیر نیستاں ہوتے جاتے ہیں
نشانہ بنگئے ہیں اب یہی تیر حوادث کا
غرض۔ سب سے گئے گزرے مسلماں ہوتے جاتے ہیں
خدارا۔ بے خبر۔ او ناخدا تو اپنے بیڑے کی
جو لے دیکر بچے تھے نذر طوفاں ہوتے جاتے ہیں
کہاں کی بھیرویں چھیڑی ہے یہ تم نے بھی دشبیر
دماغ اب سننے والوں کے پریشاں ہوتے جاتے ہیں

ایک حاکم نا انصاف کا شکریہ

مرحبا! اے حاکم انصاف پرور! مرحبا
شکر میں تیرے ہے قاصر اہلکاروں کی زبان
مفخر کرتا ہے تو انکو۔ جو ہوتے ہیں قدیم
لاتا ہے ایسی جگہ شرط قدامت درمیان
جب نکلتی ہے جگہ دفتر میں تیرے مستقل
پھر قدامت کام آتی ہے نہ کوئی امتحان
چاہتا ہے جن کو دیدیتا ہے عہدے مستقل
اپنے کتوں کو کھلاتا ہے تو چپڑی روٹیاں
الغرض احسان ہے تیرا کہ تو دیتا تو ہے
آگے قسمت۔ بوٹیاں دے یا ہے ہو کچھ [illegible]

غزل

ہم سیہ کاروں کی حرص و آز اب بھی کم نہیں
عالم عصیاں وہی ہے۔ اپنا وہ عالم نہیں
چشم ہو بینا تو ہو احوال عالم منکشف
کونسا ساغر ہے یاں ساقی! کہ جام جم نہیں
راستی کے ساتھ تھی شاید جوانوں کی کجی
ہو گئے پیری سے خم۔ اب بھی پیچ و خم نہیں
آ گئی یاروں کو غیرت۔ کہدو غیروں سے کہ بس
ہم نہیں یا تم نہیں۔ اب تم نہیں یا ہم نہیں
سمجھیے کس شکل سے ظاہر پہ باطن کا قیاس
ہیں یہاں رستم بہت۔ پر ایک بھی رستم نہیں
قصۂ عمر گزشتہ ہو گیا خواب و خیال
رخصت اے امید! اب وہ تو نہیں نہ وہ ہم نہیں

ق

بڑھ گئی الحمدللہ! اس زمانے میں خوشی
دانت ہے کھانے پہ سب کا۔ مارتے بڑھ بڑھ کے ہاتھ
ہیں ہمیں یاد ان کے اندھے۔ ورنہ اپنے باغ میں
کام کیجے یا نہ کیجے۔ پر نمائش ہے ضرور
صحبتیں شب میں کیا کیا ہوگئیں برہم مگر

دعوت شادی سے چہلم کی بھی دعوت کم نہیں
مرگیا اک اپنا ساتھی۔ مرگیا۔ کچھ غم نہیں
گل نہیں، بلبل نہیں، سبزہ نہیں، شبنم نہیں
باغ میں کیا اعتبار گریۂ شبنم نہیں؟
دل وہ محفل ہے کہ برہم ہے بھی اور برہم نہیں

سب کو ایک لکڑی نہ ہانکو

کام اچھا کرنے والوں کو کبھی ٹوکو نہ تم
چلتے گھوڑے کو جو مارے۔ وہ ڈرے ایسا نہ ہو

وہ مبادا ہوکے بددل کام سے اپنے اڑیں
جھاڑ دے گھوڑا دولتی دانت باہر جا پڑیں

نالائقی کا صلہ

ایک حاکم سے کہا یہ افسر سررشتہ نے
"آزمایا مختلف صیغوں میں اس کو بھیجکر
کس مرض کی ہے وہ بیہودہ۔ خدا جانے دوا
"ایسے نالایق کو کس مد میں کھپائے اب کوئی"
سنکے حاکم نے کہا "یہ میرے مرشد کا ہے حکم
بے وقوفوں کی کرو تم قدر۔ جب کی بات ہے
مال خانے میں اسے لیجاکے اب تم باندھ دو
سارے دن کرتا رہیگا یہ مزے سے واں کلیل
اپنے دانے چارے کی یہ آپ ساماں کریگا فکر

"ہے بڑا نااہل و ناکارہ فلاں ابن فلاں
واں سے یاں پٹکا اسے اور یاں سے پھر پھینکا وہاں"
اسکو آتا ہی نہیں کچھ کرچکے خوب امتحاں"
ایسے بیہودے گدھے کو اب کوئی باندھے کہاں
رہنا ایسے بادلوں پر تم ہمیشہ مہرباں"
لائقوں کی قدر تو کرتا ہی ہے سارا جہاں
ایسے اڑیل ٹٹوؤں کی ہے وہی جائے اماں
پیٹھ پر پنجر پڑیگا اور نہ سر پر لاد یہاں
اب رہی تنخواہ۔ وہ سب جمع ہوگی اسکے ہاں

موقع جب ہوگا تو ہم دیکھیں گے ترقی بھی آئے
سینئیر تو ہے بلا سے، گو نہیں ہے کاردان

فحش ناولوں پر ایک نظر

ترقی علم نے کی یاں تک اس زمانے میں — کہ دیکھے جاتے ہیں ناول زنانخانے میں
بُرا نہ مانیں ناول نویس صاحب تم ! — جو فقرہ ہم کوئی کہہ بیٹھیں دستانے میں
بنانا جانتے ہو بات کا بتنگڑ خوب — کمال رکھتے ہو تم حاشیہ چڑھانے میں
جو پڑھکے اِن کو نہ بہکے قصور ہے اُسکا — بھرا ہے تمنے تو جادو ہر اک فسانے میں
حرم سرا سے بہو بیٹیوں کو تا بازار — کیا نہ تم نے تامل گھسیٹ لانے میں
شریف زادیوں پر تمنے باندھے وہ طوفان — سُنے نہ دیکھے جو اب تک کسی گھرانے میں
اُڑا کے لاتے تھے لوگ اگلے ۔ قافیے پر یاں — نہ چوکے پردہ نشینوں کو تم اڑانے میں
تمہارے علم و لیاقت کے جائیے صدقے — دکھایا خوب ہنر مال و زر کمانے میں
تمہاری قوم جو رسوا ہوئی تو جوتی سے — تمہارا کیا گیا ناول تو چار آنے میں ؟

ایک حاکم کی رجعت قہقری

چلا جو دورے پہ اک حاکم ستم پیشہ — تو لوٹ مار سے اُس نے مچا دیا طوفان
جہاں جہاں سے سواری گزر گئی اُس کی — بڑوں کی جان کو رُوتے ہی رہ گئے دہقان
قضارا پہونچا وہ چل پھر اک گاؤں میں — دکھائی واں بھی حکومت کی خوب شوکت و شان
روپئے روپئے میں کسی سے جھپٹ لیا بکرا — کسی سے مفت میں اٹھوا منگائے دس من دھان
کسی کو رشوت و نذرانہ لے کے چھوڑ دیا — کسی سے لیا تحفہ جتا کے کچھ احسان
اٹھا نہ رکھا دقیقہ کوئی ستانے میں — حصول زر میں کمی کی نہ اُسنے تا امکان
قیام کرکے جب آخر یہاں سے وہ نکلا — حواس پلٹے کسانوں کے ۔ آئی جانمیں جان
غریب سمجھے کہ اب ٹل گئی بلا سر سے — ٹھکانے دل ہوئے سب کے ۔ بجا ہوئے اوسان
وہ ایک کوس بھی پہونچا نہ تھا کہ رستے میں — یکایک آکے بخار اُس کو ہو گیا بحران
اب اُس نے سوچا کہ بس لوٹ چلئے گاؤں میں — یقیں ہے ہوگی یہ مشکل مری وہیں آسان

غرضکہ پھر اُسی گاؤں میں جا لگے ڈیرے
پلٹ کے آ گیا سارا گیا ہوا سامان

جو دیکھی حاکم دورہ کی اس طرح رغبت
پٹیل کہنے لگا سر پٹک کے "ہے بھگوان"

ابھی تو آئے تھے دفعتاً کے اس کو گنگا پار
نکلے قبر سے پیچھے ہی ہو لیا شیطان"

ہے سوجھتا جو ایک تو اندھے ہزار ہیں

اک گاڑی والے سے کسی منشی نے یہ کہا
تم لوگوں کے ستم سے بہت دلفگار ہیں

تم ہانکتے ہو گاڑی سدا اس بری طرح
جو زد پہ آ گئے وہ تمہارے شکار ہیں

کی عرض گاڑی والے نے ۔ اس اعتراض سے
ثابت ہوا کہ آپ بہت ہوشیار ہیں

ق

حضرت! ہیں صدہا قسم کے رہروِ جہاں
کس کس کو ہم بچائیں کہ بے اختیار ہیں

کرتے ہیں باتیں بیچ سڑک میں کھڑے ہوئے
اس قسم کے گدھے بھی کوئی دس ہزار ایک ہیں

آواز دو تو کان پہ چلتی نہیں ہے جوں
کہہ بیٹھو کچھ تو مستعد کارزار ہیں

فکر اپنے مرنے جینے کی انکو نہیں ہے کچھ
گویا کہ انکی جان کے ہم ذمہ دار ہیں

بہرے بھی ہیں بہت سے ۔ بہت سے ہیں باولے
کچھ کھاتے ہیں افیم ۔ تو کچھ بادہ خوار ہیں

معذور لولے لنگڑوں کا نمبر ہے انکے بعد
جو یاں گھسٹتے پھرتے سر رہگذار ہیں

بن بیٹھے جو ادھر سے ادھر رستہ کاٹ کر
مرتے ہیں آ کے ۔ ایسے بہت نابکار ہیں

بچوں کو چھوڑ دیتے ہیں سڑکوں پہ کھیلنے
ان شہریوں میں ایسے بھی بعضے گنوار ہیں

ق

اس خوف سے کہ دیر پہنچنے میں ہو نہ جائے
چلتے عجیب ڈھنگ سے بعض اہلکار ہیں

بند آنکھیں ۔ ہوش باختہ ۔ سر جھاڑ ۔ منہ پھلا
دفتر کو جاتے جوں شتر بے مہار ہیں

رہتی ہے جن کی ناک پہ عینک چڑھی ہوئی
اس وضع کے بھی کوتہ نظر بے شمار ہیں

القصہ ۔ آپ ہانکئے گاڑی تو ہو خبر
ہے سوجھتا جو ایک تو اندھے ہزار ہیں

بغیر بھوک کے کھانا

یہ خوان مزے چکھا رہا ہے ہم کو
ہر طرف آنکھیں دکھا رہا ہے ہم کو

آتا ہے اُلٹ اُلٹ کے لقمہ منہ میں
اب ۔ اُلٹا ۔ کھانا ہی کھا رہا ہے ہم کو

مغرور شاگرد کی نسبت ایک اُستاد کا فقرہ

ہم نے پوچھا اِک مدرس سے ” وہ شاگرد آپکا
کیا سبب ۔ آداب بھی کرتا نہیں اَب آپ کو“

ہنسکے فرمایا مدرس نے ” مری ہستی ہے کیا؟
وہ حرامی ۔ باپ کب کہتا ہے اپنے باپ کو“

چمگادڑوں کی مہمانی

اَرے بے وسیلو ! کہاں جا رہے ہو؟
مبادا کہ تم سیدھے رستے سے بھٹکو

گزر جائے گی عمر نوکر نہ ہو گے
اِسی میں بھلا ہے کہ اب یاں سے سٹکو

یہی ہے اس اُمیدواری کا حاصل
کہ دامن سے آ آ کے میزوں کو جھٹکو

نہ رکھے گا سر پر تمہارے کوئی ہاتھ
غرض پاؤں پیٹو کہ اب سر کو پٹکو

یہ دفتر ہے مہمانی چمگادڑوں کی
دھرا کیا ہے یاں؟ آؤ اور اُلٹے لٹکو

غزل

کیوں نہ اُس ظالم کی ساری مملکت برباد ہو
اہلکار ایک ایک جسکا غیرتِ شداد ہو

کوئی بھی اِغوائے شیطانی سے بچ سکتا نہیں
اور خصوصاً ۔ حضرتِ آدم کی جو اولاد ہو

دخل دینے سے پرائے کام میں حاصل ہو یہ
جُرمِ ناحق سر پڑے ۔ نیکی الگ برباد ہو

ہاتھ پاؤں جب تلک چلتے ہیں کچھ کر لیجئے
پھر خدا معلوم کیا پیش آئے کیا افتاد ہو

عاصیوں پر تو بہت کچھ آپ نے دے کر چکے
حضرتِ واعظ ! کچھ اپنے حق میں بھی ارشاد ہو

ہیچ سمجھے راز جوئی عالمِ اسباب کی
جس کو اپنی ابتدا و انتہا کچھ یاد ہو

کنج تنہائی میں بھی شبیر کچھ راحت نہیں — قید ہستی سے جو چھوٹے ۔ فکر سے آزاد ہو

وظیفہ پر علیحدہ ہونیوالے رشوت خوارونکو ایک صلاح

غنیمت ہے یہ دور دورہ تمہارا — وظیفے پہ اِس سال ہٹ جانے والو!
مبادا ہوس دلمیں رہجائے باقی — غریبوں کو جی کھول کر تم ستا لو
کہاں تم ؟ کہاں پھر یہ بازار رشوت — یہی وقت ہے ۔ اپنی دنیا بنا لو
نجاست سے گو کم نہیں ہے یہ پیسہ — بنے جسقدر چلتے چلتے کما لو

آثار سلف

پہلے ہم کیا تھے اور اب ہو گئے کیا دیکھیں تو — مل ہی جائیگا کچھ اسکا بھی پتہ دیکھیں تو
اپنے قصوں میں بیاں ہے کیا ۔ پر ہے تو اک بار — اپنی تاریخوں میں کیا کیا ہے لکھا دیکھیں تو
مقبرے ۔ مسجدیں ۔ باغات ۔ قلعے اور محلات — دہلی و آگرہ میں جا کے ذرا دیکھیں تو
گردش دہر ان آثار سلف میں سے کسے — رکھتی ہے ۔ اور کسے دیتی ہے مٹا دیکھیں تو
فکر یہ ہے کہ شہیدانِ محبت کا غبار — چھوڑتی ہے کہ نہیں باد صبا دیکھیں تو

آج جن باتوں سے چڑتے ہیں ۔ اُنہیں کو منکر — فرض سمجھیں جو زمانے کی ہوا دیکھیں تو
مستقل ہوں جو ارادے تو پھر آخر کب تک — کامیابی نہیں ہوتی ہے بھلا دیکھیں تو
اب تلک دیکھا جو قسمت نے دکھایا شبیر — اور کیا آگے دکھاتا ہے خدا دیکھیں تو

غزل

جو ہے وہمی اُسے شیطان کا حامی سمجھو — انیدا عورت کو جو دے اُسکو حرامی سمجھو
اس سن و سال پہ نوشہ نہ سجیگا زربفت — ہو گیا کام تمام اِسکو تمامی سمجھو
دیتے ہیں شادی میں دولہا کو جو کچھ نقد روپئے — ہے تو خیرات ہی پر اسکو سلامی سمجھو

کوئی اس دور میں کیا نظم کرے گا خمسہ
جمع جو کر لے حواس اُس کو نظامی سمجھو

بحث کچھ دشمن شبیر کے ممکن ہی نہیں
ہندی ہو یا عجمی تم اُسے شامی سمجھو

ایک خلیق معتمد

میں نے کہا معتمد سے مل لیں
دل نے کہا واں نہ جاؤ - بیٹھو

میں نے کہا دوست ہیں قدیمی
فرمایا - نہ جی جلاؤ - بیٹھو

آخر میں یہ کہہ کے آگیا یاں
تم جان نہ میری کھاؤ - بیٹھو

سرکار نے یاں زراہِ اخلاق
یہ بھی نہ کہا کہ آؤ - بیٹھو

[illegible]
[illegible]

ترقی کے لئے حاکموں کی خوشامد

مانا - کہ ہو تم کام میں اپنے بہت ہشیار
لیکن کبھی سرکار کو صورت بھی دکھاؤ

صورت سے وہ اندازۂ سیرت بھی کرینگے
لایق ہو مگر اپنی لیاقت تو جتاؤ

وہ دن گئے جب ملتی تھی گھر بیٹھے ترقی
اب تم درِ حکام کے چکر بھی لگاؤ

اخلاق الٰہی کے مقلد نہیں حاکم
بنگلہ ہے یہ - مسجد نہیں - جاؤ کہ نہ جاؤ

سلیقہ و بے سلیقہ

بات تو یہ ہے کہ ہے ختم سلیقہ اُس پر
جس کی دوکاں میں نہ ہو کچھ بھی دکھائے سب کچھ

ایسے بھی لوگ ہیں دنیا میں جو لینے منہ سے
کچھ نہیں کہتے - پہ ہیں دل میں چھپائے سب کچھ

سرکار کی نصیحت

یہ نظم آٹھ دس برس قبل حیدرآباد کے مشہور علمی رسالۂ تاج میں شایع ہو چکی ہے اور ملک میں خاص مقبولیت

حاصل کر چکی ہے - حیرت یہ ہے کہ چند روز گزرے ایک قاضی صاحب نے جنکا نام ظاہر کرنا اُنکے لئے سخت شرمندگی کا باعث ہوگا ایک جلسے میں یہ نظم اپنے نام نامی سے پڑھ دی تھی - خیر فقیروں کا مال فقیروں کے لئے وقف ہے ۱۲

کرتے ہیں نصیحت یہ مجھے سرکار ہمیشہ
تنخواہ سے تم رکھو سروکار ہمیشہ

جھگڑے کبھی دفتر کے تو فیصل ہی نہ ہونگے
کیوں ڈالتے ہو اپنے پہ تم بار ہمیشہ

ہونے کا ہے جو کام وہ ہوتا ہی رہیگا
آپس میں عبث کرتے ہو تکرار ہمیشہ

ہو باپ بھی افسر تو بھروسہ نہ کرو
حربوں سے رہو اُسکے خبردار ہمیشہ

شاگرد رہو - حاکم - تو نہ کہنا اُسے شاگرد
ہو یار تو سمجھو نہ اُسے یار ہمیشہ

کرتے رہو چکر در حکام کے دائم
بے کار رہو یا رہو باکار ہمیشہ

جا جاکے امیروں کو دو اسطرح دعائیں
"قائم رہے یہ آس کا دربار ہمیشہ"

سمجھا کریں حکام تمہیں تا کہ مطیع
لازم ہے کہ رکھا کرو دستار ہمیشہ

جب سامنے جاؤ تو کبھی آپ نہ بولو
تقصیر[ے] - ہمیشہ کہو - سرکار ہمیشہ

دو گالیاں دل میں - پہ کہو منہ سے نہ اک حرف
سنتے رہو حکام کی دھتکار ہمیشہ

لو جب کبھی رخصت تو کرو عذر علالت
اپنے کو بنائے رہو بیمار ہمیشہ

روتے رہو اِک اِک سے کہ ہے کام کی کثرت
"رہتا ہوں مصیبت میں گرفتار ہمیشہ"

رکھا کرو پھیلائے ہوئے میز پہ کاغذ
مثلوں کا لگایا کرو انبار ہمیشہ

ہانکا کرو ڈینگیں کہ میں ایسا ہوں میں ویسا
ظاہر کرو اپنے تئیں ہشیار ہمیشہ

پابند رہو وقت کے - ہاں بیچ میں غائب
ہو سکتے ہو اک روز میں دو بار ہمیشہ

دفتر میں کبھی اہل غرض سے نہ ملو تم
گھر پر کرو اس قسم کا بیوپار ہمیشہ

تحفہ کوئی دیدے تو اُسے چپکے سے لیلو
ہاں نقدی سے کرتے رہو انکار ہمیشہ

القصہ چلو میری نصیحت پہ جو شبّیر
تم خوش رہو - خوش تم سے ہو سرکار ہمیشہ

ے لفظ تقصیر حیدرآباد کا قدیم محاورہ ہے - بجائے سرکار و حضور کے استعمال ہوتا ہے ۱۲

غزل

رہے کچھ دن یہاں ہم بھی ولیکن محض اس بنا پر
مجھے جھکنے نہیں دیتی - مجھے دبنے نہیں دیتا
کہیں کس سے ملیں کس سے کہاں جائیں کدھر ڈھونڈیں
جو ہو مسجد سے بے پروا وہ کب خاطر میں لاتا ہے
ترا سب ظاہر و باطن ہمیں معلوم ہے شبیر

جو اٹھے تو ضعیفانہ جو بیٹھے تو حقیرانہ
تکبر یہ گدایانہ - رعونت یہ فقیرانہ
مزاج اپنا مریضانہ - تو ہی اپنے امیرانہ
در دربار شاہانہ و ایوان وزیرانہ
ترے افعال طفلانہ ترے اقوال پیرانہ

فیشن بھی ترقی کا باعث ہے

کپڑوں کو سمجھنا نہ کبھی محض لفافہ
دلدادہ فیشن کو سمجھتے ہیں یہ حقدار
ہے منحصر ان پر بھی ترقی و اضافہ
حکام کو آتا ہے مگر علم قیافہ

فضول خرچ و کفایت شعار

ہے وہی شخص حقیقت میں بڑا دور اندیش
وہ کسی وقت میں کر لیگا یقیناً برداشت
ایک وہ ہے کہ جو ہو - آمدنی - اسمیں سے
شادی و مرگ و بلا و مرض و قحط و وبا
ایسے گر آن پڑے کوئی مصیبت ناگاہ
لیکن اس شخص پہ شبیر ہزاروں افسوس

جو گزارہ تو کرے یونہی بچائے سب کچھ
آفت نکبت و افلاس جو آئے سب کچھ
خرچ کچھ بھی پس انداز اٹھائے سب کچھ
غالباً بیٹھا ہے وہ دل سے بھلائے سب کچھ
پھر نہ کچھ کام چلے رنگ جمائے سب کچھ
جو کمائے تو نہیں خاک اڑائے سب کچھ

ایک حاکم دورہ کی فکر

اک اہلکار دورہ رو رو کے کہہ رہا تھا
افسر نے اسکے سن کر - فرمایا - فکر یہ ہے
گھڑی مری ہوئی گم کپڑا رہا نہ لتہ
اس دورے میں ملیگا کل نو ہی دن کا بھتہ

خدا کے خلافِ مرضی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا

غمکش کو۔ جو کوئی خار و خس کھاتا ہے
یا لختِ جگر بہ ہر نفس کھاتا ہے
جس پر نہ خدا کو رحم آئے شبابؔ
کب اُسپہ بھلا کوئی ترس کھاتا ہے

غزل

احمقوں کی روز افزوں کامگاری دیکھئے
شانِ رزاقی و احسانات باری دیکھئے
ق جاہلوں کے جاہ و حشمت پر نہ کیجے رشک کچھ
عاقلوں کی گردشِ تقدیر و خواری دیکھئے
شاہباز پا بجولاں کا ذرا کیجے خیال
اور خروس دانہ چیں کی تاجداری دیکھئے
ہمت و امداد کیوں کیجے فقیروں سے طلب
کسلئے انکا غرور خاکساری دیکھئے
ق چھوڑئے دنیا و مافیہا کے اب جھگڑے تمام
چلئے اور کیفیت بادِ بہاری دیکھئے
سبزہ و گل سے بھرے ہیں باغ و راغ و کوہ و دشت
جوشِ ابر و آبشار و نہر جاری دیکھئے
دوسروں کے عیب پر شبابؔ مت کیجئے نظر
دیکھئے تو اپنی ہی ناسازگاری دیکھئے

ایک مولوی صاحب کا فتویٰ

ایک ملا سے کسی ناخواندہ مومن نے کہا
"مولوی صاحب! ذرا یہ مسئلہ سمجھائیے"
ذبح کرتے ہیں۔ جدا ہو جائے گر مرغی کا سر
آیا جائز ہے کہ اُس مُردار کو پکوائیے"؟
مولوی صاحب نے فرمایا" وہ ہے مطلق حرام
کھانے کا کیا ذکر۔ گھورے پر اُسے پھکوائیے"
بولا کٹوائی تھی مرغی آپکے فرزند سے
انسے یہ حرکت ہوئی۔ اب کیا کروں؟ فرمائیے"
آٹھ آنے میں وہ مرغی مینے لی تھی چوک سے
اُسکی قیمت اپنے بیٹے سے مجھے دلوائیے"
سُن کے فرمایا۔" میرا لڑکا ہے پکا مولوی
شبہ اُسکی قابلیت پر نہ ہرگز لائیے"
"کچھ نہ کچھ اسمیں بھی اُسنے دیکھی ہوگی مصلحت
بے تکلف آپ پکوا کر مزے سے کھائیے"

کارنامۂ یزید

کارنامہ تھا یزید روسیہ کا ناتمام ۔ راویوں نے درج لیکن کل مراتب کردیے
پھر بھی کچھہ خانے معرا رہ گئے تھے جابجا ۔ مرثیے لکھہ لکھہ کے ہمنے وہ بھی آخر بھر دیے

قومی غزل

بھنور میں ناؤ ہے ۔ موج بلا کچھہ اور کہتی ہے ۔ تری ہمت مگر اے ناخدا ۔ کچھہ اور کہتی ہے
مسلمانو! لو اب سنبھلو ۔ زمانے کی ہوا بدلی ۔ ادا اے آسمان کج ادا کچھہ اور کہتی ہے
ق
ہو گیا بیمار قوم اچھا ۔ ہوں آثار جب اچھے ۔ مرض کچھہ اور کہتا ہے ۔ دوا کچھہ اور کہتی ہے
[illegible] عجب یہ کشمکش میں ہے ۔ مسیحا اپنی گاتے ہیں ۔ قضا کچھہ اور کہتی ہے
سنائی آپنے دہن پت تو اچھی حضرت ناصح ۔ لو اب دیکھو یہ بربط کی صدا کچھہ اور کہتی ہے
سخی ہیں اور قومیں بھی ۔ ولیکن بزم عشرت میں ۔ ہماری قوم کی بذل و عطا کچھہ اور کہتی ہے
کریگا سو بھریگا ۔ شامت اعمال مدت سے ۔ خدا جانے یہی کہتی ہے یا کچھہ اور کہتی ہے
تری باتیں تو سب سچی ہیں لیکن کیا کریں واعظ ۔ کہ ریش مقطع ۔ یہ عبا کچھہ اور کہتی ہے
بلا سے پیٹھ پیچھے ہمکو کچھہ کہتی پھرے دنیا ۔ مگر نام خدا اپنی حیا کچھہ اور کہتی ہے
جو غنچے مسکراتے ہیں تو شبنم انکی غفلت پر ۔ گلوں کے کان میں باد صبا کچھہ اور کہتی ہے

بیمار پرسی کے لئے جانا اور کئی کئی دن رہنا

مہمانوں نے گھر میں چھاؤنی چھائی ہے ۔ بیمار کی روح سخت گھبرائی ہے
پوچھیں جو مزاج اب ۔ تو کہتا ہے مریض ۔ بیماری گئی وہ ۔ دوسری آئی ہے

بیمار پرسی کیلئے مع بچوں کے جانا

بیمار کو دیکھنے جو احباب گئے — آئے غم و انکار۔ خور و خواب گئے
بچے بھی لے گئے یہ غل کرنے کو — گویا لئے بیماری کا اسباب گئے

ایک مظلوم کی بددعا

راستے میں گھستا جا رہا تھا اک فقیر — آنکھوں سے معذور تھا۔ اور بڑھاپے سے لاچار بھی
بے تحاشا دوڑتی آئی جو اک بگھی اُدھر — اُس سے ٹکر ہو گئی اسکی۔ لگی کچھ مار بھی
بگھی والے نے دئے اوپر سے دو ہنٹر لگا — پل پڑا پھر اسپہ جو تا لیکے خدمتگار بھی
گر گڑا کر آخر ش وہ بددعا کرنے لگا — ہچکیاں لے لے کے باندھا آنسوؤں کا تار بھی
اے کہ تجھکو جانتی ہے ساری دنیا منتقم — یہ بھی ہے مشہور۔ تو ہے قادر و مختار بھی
ظالموں کی چھوڑ دی ہے تو نے کیوں رسی دراز — دیدیئے ہیں تو نے انکو کس لئے ہتھیار بھی
ملتوی روز جزا پر ہے جو تیرا انتقام — دل میں انکے۔ رعب کا تیرے نہیں آثار بھی
انکو کیا معلوم۔ ہے روز قیامت کیا بلا — کیا خبر انکو۔ کبھی ہوگا ترا دربار بھی
تو نہ دیگا کچھ سزائے نقد ان کو جب تلک — یہ نہ سمجھیں گے تجھے قہار بھی جبار بھی
جرم سرزد ہوتے ہی انپر اگر بجلی گرے — سلب ہو جائے اگر گفتار بھی رفتار بھی
تب یہ سمجھیں تجھکو بھی آتی ہے کچھ دینی سزا — ہاتھ میں رکھتا ہے تو فی الواقعی تلوار بھی
اب ضرورت اسکی ہے ان ظالموں پر ہاتھ ڈال — کر گزر۔ اب ان درندوں پر تو کوئی وار بھی
کر دے جاری اب طریقہ تو سزائے نقد کا — تجھسے تا۔ ڈرنے لگیں بدکار بھی شرار بھی
تا کہ پیدل چلنے والوں کی انہیں کچھ قدر ہو — چھین لے فی الفور انسے گاڑی بھی رہوار بھی
پردہ ہائے درمیانی یوم فردا کے اٹھا — کر دے ان کفار کو تو آج ہی فی النار بھی

ے اس نظم کیا تھ ساتھ وہ نظم بھی ملاحظہ ہو جسکا عنوان "بیٹھے پہ سوجھتا جو ایک تو انسے ہزار سوجھا" ۱۲

غزل

کیوں عاصیوں پہ یارب تیرا کرم نہیں ہے
سینے میں دل ہے آخر بیت الصنم نہیں ہے

قطع کلام زیبا۔ نے کانٹ چھانٹ اچھی
منہ میں زبان ہے یارو۔ تیغ دو دم نہیں ہے

بدنام ہو گیا ہے فرعون۔ ورنہ یاں کا
اک اک ٹکڑ گدا بھی نخوت میں کم نہیں ہے

اپنوں سے پہونچے ایذا رونا تو ہے اسی کا
غیروں سے جو ستم ہو وہ کچھ ستم نہیں ہے

کیا علم و فضل و حکمت۔ کیا مال و جاہ و ثروت
ہر اک ہے داد مولا۔ میراث عم نہیں ہے

ہر چند ہے مسلم افلاس قوم لیکن
مقدور ہو تو کیا ہو دست کرم نہیں ہے

بندوں کے در کے چکر کب تک کروگے شبلیؔ
کیا تم کو اشتیاق طوف حرم نہیں ہے

بھرتے میں خدا بھرتا ہے

جنکے گھر دفتر کے پاس اور آنا جانا ہے نہیں
موٹریں اُن کو عطا کیں در پہ گاڑی باندھ دی

دور گھر۔ تنخواہ تھوڑی۔ حاضری کی قید سخت
مفلسوں کی یوں اگاڑی اور پچھاڑی باندھ دی

ایک یہود کی ہجو

تو عرب ہے۔ کبھی وحشت میں۔ کبھی شیدائی ہے
بے وقوفی میں کبھی خر ہے۔ کبھی گیدی ہے

شکل و رفتار و روش۔ وضع قطع ڈیل ڈول
اونٹ رے اونٹ! تری کونسی کل سیدھی ہے؟

غزل

افکار کا عادی دل رنجور نہیں ہے
جان تن سے نکل جائے تو کچھ دور نہیں ہے

اے منعمو! درویش کی فریاد و فغاں پر
کیا ہنستے ہو؟ یہ نغمۂ طنبور نہیں ہے

انسان میں عقل و خرد و فہم نہیں کیا؟
کہنے کو ہے مجبور۔ یہ مجبور نہیں ہے

ہم خاک نشیں کھال میں ہیں مست اپنی
گو اوڑھنے کو قاقم و سمور نہیں ہے

جنت اسے بے زہد عطا کیجیو یارب | شبیر گدا ہے ترا مزدور نہیں ہے

[illegible]

[illegible]

غزل

ضعف نے کر دیا خورشید لب بام مجھے | چاہتا ہے کہ کرے غرق سر شام مجھے
عرش پر تا کہ میں کہتا ہوا پہونچوں لبیک | دوست پہنا دیں بجائے کفن احرام مجھے
تیرے چھینٹوں سے نہیں لہو کا پانی پانی | تنگ کرتی ہے عبث قسمت ناکام مجھے
اک ہنڈولا ہے زمانے کا نشیب اور فراز | کھل آتی ہے نظر گردش ایام مجھے
میں مسافر ہوں عدم کا جو نہیں آتا ہے | اب عزیزوں سے کوئی نامہ و پیغام مجھے
دور بینی یہ دکھائی نظر کم بیں نے | کہ حقایق بھی تو ثابت ہوئے اوہام مجھے
خوردہ گیری ہو یارب تو صلہ کافی ہے | کچھ نہیں چاہیئے انعام نہ اکرام مجھے
کیا برا کہیئے بتوں کو کہ نظر آتے ہیں | ہادی و راہنما غیرت اصنام مجھے
واعظوں کا ہو گر خوف تو کہدو شبیر | شعر گوئی یہ نہیں ہوتا ہے الہام مجھے

حاکموں کا استقبال اسٹیشن پر

یہ مژدہ آج سنکر سرکار آرہے ہیں | بالائے طاق اپنے ہم سارے کام کرکے
کچھ گھسٹے پا پیادہ کچھ گاڑی میں اڑکے | جا پہونچے نامپلی[1] سو انتظام کرکے
اب واں انہوں نے ہم کو دیکھا بھی یا نہ دیکھا | پھر ہم تو لوٹے خوش خوش انکو سلام کرکے

[1] حیدرآباد کا ایک مشہور اسٹیشن ہے ۱۲

مفلسی میں شیخی

غریبو! تم آخر بگڑ ہی گئے نہ؟ یونہی بنتے بنتے۔ بناتے بناتے
چھپاتے رہے تم قلیل المعاشی مگر کھل گئی وہ چھپاتے چھپاتے
اس امید پر تا اٹھائے کوئی ناز تھکے ناز اپنے اٹھاتے اٹھاتے
کسی نے نہ دیکھا کہ پہنے ہو تم کیا پھٹے کپڑے آخر دکھاتے دکھاتے
الا ٹوٹا مارا جو نوکر تو اس کا کیا ناک میں دم نچاتے نچاتے
پھنسی کوئی چڑیا جو پھندے میں آکر اسے مار ڈالا ستاتے ستاتے
ظریفوں نے تم پر کسیں پھبتیاں بھی لٹایا تمہیں بھی ہنساتے ہنساتے
مگر تم نہ سمجھے یہ فقرے ہیں کس پر جو سب کہہ گئے وہ چباتے چباتے
غرض تم نے سب قدر اپنی گھٹا دی طبیعت میں شیخی بڑھاتے بڑھاتے
خدا دے اگر تم کو ناخون گنجو! تو پھر مر ہی جاؤ کھجاتے کھجاتے

غزل

پوچھ لیتا ہوں رائے میں سب کی کرتا وہ ہوں جو ہوتی ہے ڈھب کی
ہم نے دنیا کو آزما دیکھا جو ہے گاتا ہے اپنے مطلب کی
تن بہ تقدیر اب تو ہم نے بھی چھوڑ دی باگ ڈھیلی مرکب کی
یوں مشوش تو میں سدا سے تھا کچھ پریشانی اور ہے اب کی
ہو رہا بدہنا باندھے شبیر اٹھئے اب راہ لیجئے یثرب کی

چور کی داڑھی میں تنکا

چور کے دل میں چوری بستی ہے ذہن اسکا ادھر ہی جاتا ہے
ہو کہیں کا بھی ذکر۔ اسے ۔ عیبی جا پکڑا اپنا سٹپٹاتا ہے

راشی سمجھے گا ہے اُسی پر چوٹ
گر یہ کہئے - فلاں بھی کھاتا ہے

ناک اپنی اگر کھجائے کوئی
نکتا سمجھے - اُسے چڑاتا ہے

غزل

متاعِ زہد یہ - اے شیخ! ناز رہنے دے
خدا سے ڈر - تو یہ روزہ نماز رہنے دے

تو نکتہ چیں ہو کہیں اور جا کے اے واعظ
خدا ہمارا ہے نکتہ نواز رہنے دے

گرے ہیں ٹوٹ کے کوثر پہ پیاس کے مارے
پڑا ہمیں یہیں اے بے نیاز رہنے دے

ہوئے ہو منعمو! تم اب تو سرفراز مگر
دعا کرو کہ خدا سرفراز رہنے دے

چھپانا چاہے تو ہم سے بھی آپ سر! مت کہہ
تو اپنے دل ہی میں اپنا راز رہنے دے

جھکا نہ قبر پہ سر کو مجاورِ درگاہ
تو کفر و دیں میں کچھ امتیاز رہنے دے

خلافِ شرطِ محبت ہے غسل بھی شبنمؔ
تو اپنے جسم پہ خاکِ حجاز رہنے دے

موت کو صلاح

یہ رباعی سنہ ۱۳۱۲ف میں لکھی گئی تھی جبکہ حیدرآباد میں طاعون زوروں پر تھا اور یہاں کے باشندے ہزاروں جاں بحق تسلیم کر چکے تھے اور لاکھوں بھاگ گئے تھے ۱۲

سب بھاگ گئے اجل سے ڈرنے والے
دنیا سے گزر گئے - گزرنے والے

اب کہہ دو کہ موت اپنا گلا گھونٹ لے آپ
یاں کوئی نہیں رہے ہیں مرنے والے

قطعۂ تاریخ تعمیر مسجد

حضرت خواجہ محمد حیات اللہ صاحب قادری ساکن محلہ کاچی گوڑہ کی بنا کردہ مسجد واقع پل چادر گھاٹ کی تعمیر پر یہ قطعہ لکھا گیا تھا ۱۲

مبارک ہو تمہیں خواجہ حیات اللہ یہ مسجد
صلہ اسکا یقیناً باغ رضواں قصرِ جنت ہے

جھکے بہرِ عبادت سر جو بندوں کے تو سال اسکا
کہا ہم نے - در بیت الٰہی - باب رحمت ہے

۲ + ۱۳۲۷ = ۱۳۲۹ھ

جانی دشمن

جہاں جلاد ہو قصاب کی حاجت کیا ہی
آگے شیطان کے فرعون کی عزت کیا ہے
جبکہ موجود ہوں دنیا میں حقیقی بھائی
اُس کو پھر دشمن جانی کی ضرورت کیا ہے

غزل

بلا کے قصۂ مضطر سُنے تو کون سُنے
کسے پڑی ہے جو آکر سُنے تو کون سُنے
ہمارے ذہن میں جو امر گفتنی ہے اُسے
کہیں تو کس سے کہیں۔ گر سُنے تو کون سُنے
نہ باغباں کو ہے خوفِ خدا نہ گل کو خیال
فغانِ بلبلِ بے پر سُنے تو کون سُنے
ہم اپنی رام کہانی بیاں کریں کس سے
کہ جب نہ خالقِ اکبر سنے تو کون سُنے
بوقتِ صبح یہ شورِ خروسِ بے ہنگام
گراں ہو خواب سے جب سر سُنے کون سُنے

واعظ اوروں کو رُلاتے ہیں خود نہیں روتے

کل وعظ میں تھی عجیب حالت طاری
واعظ کے سوا سبکے تھے آنسو جاری
جب ہم نے اُسے غور سے دیکھا۔ تو وہیں
منہ ڈھک کے لگائی اُس نے بھی کلکاری

بندوں کو کسیطرح چین نہیں

کل تک یہ دعا تھی اب تو رحمت ہو جائے
بندوں پہ الٰہی کچھ عنایت ہو جائے
اک چھینٹا جو اب دیا تو سب چیخ اٹھے
یارب تری رحمت ہی نہ زحمت ہو جائے

قومی غزل

عزت قوم میں ہم لوگ مٹاتے جاتے
اپنی حالت پہ ہیں غیروں کو ہنساتے جاتے
حیف صد حیف مسلمانوں کے جاہل بچے
نام ہیں اپنے بزرگوں کا ڈباتے جاتے

در بدر سینکڑوں اطفالِ غربا و یتیم
ٹھوکریں کھاتے ہوئے پھرتے ہیں تیم جاتے

کیوں مسلمان نہیں لیتے یتیموں کی خبر
حکم قرآں ہیں مگر دل سے بھلاتے جاتے

درسگاہوں کی جو رکھتے ہیں جہاں ہیں بنیاد
خلد میں قصر وہ گویا ہیں بناتے جاتے

چندہ تعلیم میں دیتے ہیں جو دامے درمے
وہ عجب دولتِ سرمد ہیں کماتے جاتے

ایک وہ ہیں کہ ہنر جن میں ہیں صدہا موجود
ایک ہم ہیں کہ ہیں عیبوں کو بڑھاتے جاتے

ملگئے خاک میں ہم پھر بھی تو ابنائے زماں
کیا غضب ہے کہ ہمیں کو ہیں دبا جاتے

اب بھی گر قوم سنبھل جائے تو بہتر شبلی
ورنہ ایامِ مصیبت کے ہیں آتے جاتے

مانگنا چندہ کا بھی بُرا ہے

معلوم ہے کچھ بھیک نہیں۔ چندہ ہے
کام اپنا نہیں۔ قوم کا ہی دھندا ہے

پر جس میں کہ مانگنا پڑے تجھ مجھ سے
وہ کام ہی ہر طرح بُرا گندا ہے

غزل

سچ تو یہ ہے ہستیٔ انساں سراپا ہیچ ہے
فکرِ عقبےٰ ہیچ ہے۔ اسباب دنیا ہیچ ہے

تف ہے ایسی زیست پر جو رنج میں گزرے سدا
فکر جس کو ختم کر دے اس کا مرنا ہیچ ہے

دوستوں کے جور سے جب سینہ چھلنی ہو تو پھر
دشمنوں کے ظلمِ پنہانی کا شکوہ ہیچ ہے

ہم کہے بن رہ نہیں سکتے ہیں سچی تلخ بات
گرچہ ایسی بات کا منہ پر بھی لانا ہیچ ہے

نیکی کرنا بھی کسی کے ساتھ ہے اک ابلہی
اور بے نیکی کئے زندہ بھی رہنا ہیچ ہے

مفلسی ممنون ہیں تیرے کہ تو نے خوب ہی
ہم پہ ثابت کر دیا رشتہ ناتا ہیچ ہے

سب بنے کے یار ہیں شبلی ورنہ ہیں تو یہ
اقربا کا قول اور یاروں کا وعدہ ہیچ ہے

مسلمانوں کے سنبھلنے کی امید

جو لیکر ہاتھ میں خنجر شہنشاہ عرب سنبھلے
ہماری قوم بھی اک مرتبہ پھر کیا عجب سنبھلے

یہ سنتے ہیں کہ انساں ٹھوکریں کھا کر سنبھلتا ہے — گرے ہم بھی بہت۔ لیکن نہ جب سنبھلے نہ اب سنبھلے
ہمارے ساتھ نیچا پایاں بہت تو ہم نے دیکھا تھا — نہ سنبھلے اک فقط ہم اور باقی سب کے سب سنبھلے
سپٹے بازی سے ہم اے چرخ تیری خوب واقف ہیں — پڑے جس پر ترا اک ہاتھ بھی ظالم وہ کب سنبھلے
تسلط ہوگیا مشرق سے مغرب تک شیاطیں کا — الٰہی! ڈھیل کیا ہے؟ مہدی موعود اب سنبھلے

ملاقات کے لئے عدیم الفرصتی کا عذر

اے حاکمو! ختم جب حکومت ہوگی — سب عزت و شان تم سے رخصت ہوگی
اب سب سے ملو کہ ہو عدیم الفرصت — جھانکے گا نہ پھر کوئی جو فرصت ہوگی

حاکموں سے دوستی گانٹھنے کا طریقہ

درکار ہے مال تو جنوائی بنئے — بنئے کہیں اور کہیں قسائی بنئے
حکام سے دوستی اگر گانٹھنی ہو — تو جائیے۔ اُنکے پیر بھائی بنئے

اصلی حقدار

ہر طرح سے چونکہ اپنا دعوے حق ہے — ناحق کا بھی نام ہم نے رکھا حق ہے
ہم ہیں غرض اہل دفتر اصلی حقدار — حق پہونچے کسی کو۔ سب میں اپنا حق ہے

خدا نہ کرے

امیرو! تم کو برا ہم کہیں؟ خدا نکرے — بگاڑ اپنے خدا سے کریں؟ خدا نکرے
خطا ہماری۔ ہمارا گنہ۔ ہمارا قصور — تمہارے عدل پہ تہمت دھریں؟ خدا نکرے
جو تم کہوگے ملا دینگے ہاں میں ہاں ہم بھی — تمہاری بات کو ہم کاٹ دیں۔ خدا نکرے
رہیں گے خلق ہماری میں ٹھوکریں کھاتے — تمہارے سائے سے بچکر چلیں خدا نہ کرے
تم ان کو آگ میں جھونکو۔ غلام حاضر ہیں — تمہارے دھوپ میں دشمن جلے پھریں؟ خدا نہ کرے

ہماری ٹانگیں جو ٹوٹیں تو ٹوٹیں جوتی سے
تمہارے گھوڑوں کے پاؤں نہ دکھیں خدا نکرے

نفاق

منہ دیکھے کی سب کو گفتگو آتی ہے
دو روئی کی وضع ہو بہو آتی ہے
شبیر جسے دیکھوں اسی کے منہ سے
مجھ کو تو نفاق ہی کی بو آتی ہے

حق دعا گوئی

کام کوئی بھی کرے منصرم تیہو ہیں
مہربانی ہے یہ سرکار کی - دلجوئی ہے
ہم کو بے محنت زاید جو یہ ملتا ہے الونس
صلہ محنت کا نہیں حق دعا گوئی ہے

ایک متفکر کے خیالات

یہ نظم نیاز مند کے ڈراما "بہار دلفریب" میں ایک شہزادے کا گانا تھا جو حصولِ سلطنت کیلئے فکرمند تھا

دل کو ملتا نہیں آرام خدا خیر کرے
دیکھیں کیا ہوتا ہے انجام خدا خیر کرے
وحشت دل نے کیا غیرت زنداں گھر کو
کاٹے کھاتے ہیں در و بام خدا خیر کرے
فکر و آلام سے خاطر میں گزرتے ہیں مری
سینکڑوں قسم کے اوہام خدا خیر کرے
دل دھڑکتا ہے یہ ڈر ہے کہ نہ دکھلائے کہیں
روزِ بد گردش ایام خدا خیر کرے
غم سے یہ حال ہے شبیر کہ چشم پر آب
نظر آتا ہے مجھے جام خدا خیر کرے

ایک ڈپٹی کلکٹر کا فیصلہ

یہ نظم ۱۸۹۷ء میں بمقام آگرہ ایک دردناک مقدمے سے متاثر ہو کر لکھی گئی تھی ۱۲

جفا و جور سے شوہر کے ایک سیدانی
گئی جو میکے میں اپنے بصد پریشانی
مقدمہ طلب زوجہ کا ہوا دائر
ملا اب اور بھی ایذا یہ ظلم کا بانی
غریب لڑکی نے حاکم سے رو کے عرض کیا
نہ سمجھو تم اسے شوہر - ہے دشمن جانی

عیاں ہے شکل سے اسکی شباہت انساں
نہاں ہے ذات میں اسکی صفات شیطانی

ہمیشہ مجھپہ یہ ظالم ستم وہ ڈھاتا ہے
جو اہل بیت پہ کرتی تھی آل مروانی

غرضکہ مرحلے سب طے ہوئے عدالت کے
دقیقہ کوئی نہ شرعی رہا نہ دیوانی

ملا ثبوت کہ دیتا ہے وہ سدا تکلیف
ہر ایک قسم کی جسمانی اور روحانی

جناب ڈپٹی کلکٹر نے غور و فکر کے بعد
کیا یہ فیصلہ صادر زراہ ایمانی

کہ زوجہ اب تو چلی جائے اپنے شوہر کے پاس
یقیں ہے اب نہ اسے ہوگی کچھ پریشانی

ضمانت آج ہی لیجائے اسکے شوہر سے
کہ وہ کریگا نہ اسپر کبھی ستم رانی

جو ایذا پھر کبھی دیگا تو اُس کا لیکے ثبوت
کرینگے دونوں میں تفریق ہم بآسانی

سُنا جو فیصلہ یہ اُس یتیم لڑکی نے
تو رُو رُو کرنے لگی وہ یہ گوہر افشانی

یہ حکم آپکا سرکار! اِک قیامت ہے
ذرا تو سوچئے اِسکے عیوب پنہانی

یقیں تمہیں کو یہ ہوگا کہ ایک بکری کی
تمہارے حکم سے کرلے گا گرگ چوپانی

یہ آپ کہتے ہیں۔ ایذا جو وہ کبھی دیگا
تو پھر طلاق دلادینگے ہم بآسانی

نتیجہ اِس کا یہی ہے کہ میں کروں دعوے
ستائے مجھکو جو پھر یہ خبیث لاثانی

نحیف و نازک و کمزور فطرتاً جو ہو
ضعیف جسکے ہوں سارے قوائے جسمانی

بلا اجازت شوہر جو گھر سے ہل نہ سکے
کرے وہ کسطرح دعوے اسیر زندانی

کرے وکیل وہ کس کو کہاں کہاں جائے
عمل میں لائے وہ کسطرح سعی امکانی

گواہ لائے کہاں سے۔ کرے کسے شاہد
دکھائے جاکے وہ کس کس کو زخم پنہانی

عدالتوں میں کرے جاکے پیروی کیونکر
کرے وہ کسطرح دائر اپیل و نگرانی

عداوتاً اِسکو جو اب ہوگئی ہے دعوے سے
کریگا ظلم میں یہ اور بھی فراوانی

رہونگی آٹھ پہر جب میں اسکے پنجے میں
تو ہوگی ظلم کی کیا کیا نہ تیر بارانی

کِسے پڑی ہے جو آکر مری خبر لے گا
کریگا کون مری رات دن نگہبانی

کِسی پڑوسی کو بھی ہو نہ کان کان خبر
جو ذبح یہ مجھے کر دے بشکل قربانی

مگر یہ آپ کا منشا ہے گھٹ کے مرجاؤں
زباں پہ لا نہ سکوں شکوہ ہائے پنہانی

حوالے شیر کے بکری ہو۔ واہ رے انصاف!! نہ ہے عدالت انسان و عدل انسانی!!
اگر حقیقت اسلام در جہاں این است ہزار خندہ کفر است بر مسلمانی[له]

ماماؤں کیساتھ بدزبانی

۱۳۲۰ھ میں مدرسہ نسواں واقع تلک پٹیہ کی لڑکیوں کے لئے اس نیازمند نے ایک ایکٹ "انوری بیگم کی بدمزاجی" کے عنوان سے تیار کیا تہا اسکے آخر میں بطور نتیجہ ایک لڑکی یہ قطعہ پڑھتی تہی ۱۲

اپنے ہی ہاتھ میں شبیر ہے عزت اپنی اس مقولے کو کبھی بھول نہ انساں بیٹھے
بی بی گالی ہی دے ماماں کو۔ تو عزت نہ گھٹے بلکہ ہنستی وہ پھرے۔ بیٹھے تو شاداں بیٹھے
اور جو "تو" کہدیا ماماں نے تو بیگم صاحب پہروں تک ٹسوے بہاتے ہیں پریشاں بیٹھے

غزل

حاصل عمر دو روزہ۔ گو بظاہر غم تو ہے کیا برا ہے؟ مفت میں نظارۂ عالم تو ہے
توسن عمر رواں کو دو نہ کشتی سے مثال وہ نہیں رکتا کہیں۔ اسکو قرار اک دم تو ہے
شوم ہی اچھا سخی سے۔ جو کہ جلدی دے جواب انتظار ناروا سائل کو اسمیں کم تو ہے
قابلیت اور شے ہے۔ شہرت دنیا ہے اور فی الحقیقت نام رستم بہتر از رستم تو ہے
منکشف ہے سب ہمارے دل پہ احوال جہاں آرزو ہے تخت جمشیدی کی۔ جام جم تو ہے
رنج و راحت سنتے ہیں شبیر توام ہیں مگر نغمۂ شادی کدھر؟ ہاں نوحۂ ماتم تو ہے

قول مرداں جاں دارد

جو کیا عہد اسکا دھیان نہ جائے تا دم مرگ اپنی شان نہ جائے
بات پر اپنی یوں اڑو شبیر جان جائے بلا سے۔ آن نہ جائے

[له] یہ شعر ملک الشعرا فیضی کا ہے ۱۲

امیروں کی نسبت ایک فقیر کا خیال

آئے دو - آتے ہیں گر ہفت ہزاری والے — ایک پیسہ نہیں دیتے یہ سواری والے
آسماں پہ ہے نظر انکی - فلک پر ہے دماغ — دیکھتے کب ہیں فقیروں کو عماری والے

غزل

دل بھی مائل ہے اب بہر مناجات تو ہے — گو - اثر خاک نہو - پھر بھی کوئی بات تو ہے
مرشدوں کو بھی نہیں چھوڑتے میں ڈھونڈ کے بن — کچھ نہ کچھ پیر جی صاحب میں کرامات تو ہے
شاید ابلیس ہی غالب ہے جبھی مرجع خلق — مسجد اتنی نہیں - البتہ خرابات تو ہے
ہمنے مانا کہ حکومت میں ہیں صدہا جھگڑے — فکریں بھی لاکھ سہی - جبھی کرامات تو ہے
کام بندوں سے نکل ہی نہیں سکتا شبدیں — ورنہ میری بھی امیروں سے ملاقات تو ہے

گدائے متکبّر

یہ نظم انجمن اصلاح خیالات کے مقاصد کے لحاظ سے لکھی گئی تھی اور انجمن مذکور کے ایک جلسے میں پڑھی تھی ۱۲

اکدن میں اپنے در پر بیٹھا ہوا تھا ناگاہ — دیکھا کہ سامنے سے اک شخص آرہا ہے
کپڑے تو چیتھڑے ہیں تنپے جو بھی لپیٹے ہیں — میلا سا اک عمامہ سر پر دھرا ہوا ہے
آبیٹھا پاس میرے کچھ مکھیاں سی جھلکر — گویا کہ بے تکلف برسوں کا آشنا ہے
اِس ڈھنگ سے کیا پھر اُسنے سوال مجھسے — پہلے یہی میں سمجھا قرض اپنا مانگتا ہے
جب دیکھی اور سختی تب یہ گمان گزرا — تحصیل کا ہے پردہ یا شحنہ گاؤں کا ہے
دیکھے تو ایسے ڈھب سے گویا کہ مار دیگا — باتیں کرے تو ایسی گویا کہ لڑ رہا ہے
جب اور کچھ کھلا تو اسوقت مینے سمجھا — واللہ یہ تو کوئی شہدا اکڑ گدا ہے
دکھلا کے ایک پیسہ مینے کہا تب اُس سے — یہ لیجے شاہ صاحب! لے دیکھے اک بجا ہے
یہ سُن کے لال پیلی آنکھیں نکالیں اُسنے — میں ڈرگیا الہٰی یہ ماجرا ہی کیا ہے

میںنے کہا کہ اچھا حضرت معاف کیجے / بے ڈھب یہ جرم مجھسے اسوقت بن پڑا ہے
ایسی ہی جا یہ برائی کی ہے تمہارے حق میں / جو کچھ برا کہو تم میری وہی سزا ہے
امداد مفسدوں کی ہے ظلم فی الحقیقت / اور پاجیوں کو دینا بیشک بڑی خطا ہے
حق تلفی کرکے ہم نے معذوروں مفلسوں کی / تم کاہلوں کو بیحد گستاخ کر دیا ہے
اسپر بگڑ کے اُس نے صلواتیں جو سنائیں / اب کیا بیان کیجے چپ رہنا ہی بھلا ہے
اِس واقعے کو اکثر سوچا ہے میں نے لیکن / اب جاکے مدتوں میں معلوم یہ ہوا ہے
ہم لوگ کر چکے ہیں صدہا برس حکومت / اُسکا نشاں ابھی تک آنکھوں میں پھر رہا ہے
کبر و غرور و نخوت سب کچھ ہے ہم میں موجود / گو مال و جاہ و ثروت کچھ بھی نہیں رہا ہے
افلاس پر ہمارے ہرگز نہ جائیے گا / گو۔ بھیک مانگتے ہیں اسمیں بھی اک ادا ہے
القصہ ہم پہ صادق اب یہ مثل ہے شبیر / رسی تو جل گئی ہے پر۔ بل نہیں جلا ہے

افسرانِ شستہ کا بخلِ زبانی

تمہاری پنبہ دہانی سے دم گھٹا جس کا / کمال سمجھو اگر ہوکے وہ جنوں نہ مرے
کسی کے حق میں کہو تم نہ حرفِ حق۔ جب تک / کہ تھوک تھوک کے وہ سخت جان خوں نہ مرے
مبادا تم سے بھی حکام بدگماں ہوجائیں / کسی کا تم کو بھی بے بخت واژگوں سے نہ مرے
منائے جاؤ تم اپنے ہی بس فتح کی خیر / کسی کا ہاتھی ٹھمک کر ڈھلک جائے۔ اپنی جو نہ مرے

غزل ناتمام

قابلیت کی دلیلیں اور کچھ لایا ہوں / ناک پر ہاں سولو صاحب کے اک عینک تو ہے
اور تو کچھ بھی نہیں یاروں کے پچھن کا ثبوت / چھہ مہینے سے یہاں موجود اک ناٹک تو ہے
کاش مل جاتا ہمیں تنخواہ سے پہلے الونس / گو۔ ضرورت۔ کچھ نہیں دل کی مگر ٹھنڈک تو ہے
تمنے بھی شبیر۔ بنوایا ہے یہ اچھا مکان / جسکے اندر کچھ نہیں دروازے پر پھاٹک تو ہے

فصل دوم

متفرق نظمیں

کنول

یہ نظم اور اس کے بعد کی تین چار اور نظمیں انگریزی نظموں کے ترجمے ہیں جن میں حسب ذیل امور ملحوظ رکھے گئے ہیں

الف۔ ترجمے میں لفظی پابندی کی ہے تاکہ اصل شاعر کے خیالات کا پورا پورا چربہ اُتر سکے اور اس غرض سے یعنے تا بامکان انگریزی کا کوئی لفظ ایسا نہیں چھوڑا جسکا ترجمہ نہ کر دیا ہو

ب۔ یعنے ایک مصرعے کا ترجمہ ایک ہی مصرعے میں کیا ہے۔

ج۔ انگریزی شاعر کے خیالات پر حتی الامکان ہندوستانی رنگ نہیں چڑھایا اور ہندی خیالات کی آمیزش سے زبردستی ان نظموں کو پورشین نہیں بنا دیا بلکہ انکے اصلی خط و خال کو نمایاں رکھا ہے۔

د۔ جس حد تک اصل شاعر کے جذبات و خیالات تھے اُسی حد تک انکو رہنے دیا اپنی طرف سے کسی شعر کی توضیح و تشریح میں کوئی شعر یا مصرعے کا یعنے اضافہ نہیں کیا اور اس اعتبار سے میرے یہ ترجمے خالص ترجمے ہیں۔

ہ۔ قافئے کی پابندی بھی یعنے مثل انگریزی نظم کے رکھی ہے یعنے پہلا اور تیسرا مصرعہ ہم قافیہ ہے اور دوسرا اور چوتھا مصرعہ۔

جان لاگن انگلستان کا ایک شاعر گزرا ہے جو ۱۷۴۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۷۸۸ء میں فوت ہوا اُسکی ایک نظم "ککو" بہت مشہور ہے۔ نیازمند کی نظم "کویل" اسی کا ترجمہ ہے۔ منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی نے بھی اس نظم کا ترجمہ کیا ہے جو بعض رسالہ جات وغیرہ میں شایع ہو چکا ہے ناظرین کی تفریح طبع کی غرض سے

وہ بھی یہاں درج کیا جاتا ہے۔

او چمن کی اجنبی چڑیا! کہاں تھی آج تو
کیا کسی صحرا کے دامن میں نہاں تھی آہ تو

(تیرے دلکش زمزمے سے بزم زاہد تھی خموش
آشیانہ تھا ترا گلشن میں بزم بے خروش)

(کھینچتی وقت سحر دل کو تری کو کو نہ تھی
چھاؤں میں تاروں کی ہو نغمہ دلجو نہ تھی)

اور موسم سرما میں تھے سرمایۂ صبر و شکیب
بے صدا تیرا لب پر نہ تھا ساز دلفریب)

مرحبا اے پیکر پیک (زریں گام) بہار
لے کے پھر تو گرمیوں میں آئی پیغام بہار

تو ادھر آئی فضائے گل کا دور آیا ادھر
تو نے گائے گیت اور آموں پہ بور آیا ادھر

طائران باغ نے چھیڑے ہیں ساز امید
تیرے مقدم میں شاخوں پر ہم آہنگ شاد

پھر ننھی ننھی کلیوں نے تپاک سے نشیں
آرہی ہے کان میں تیری صدائے دلنشیں

کوئی انجم آسماں کا اور یک پرواز شوق
بن گیا ہے کیا ترا دلدادۂ انداز شوق

تو جو آنے والے موسم کا نشاں پاتی ہوئی
اپنی منزل پر پہنچ جاتی ہے یوں گاتی ہوئی

تیرے مقدم میں بہار رنگیں تھا طائر شاد میں
موسم گل کو بھی دیتا ہوں مبارکباد میں

تو چمن میں اڑ کے کیا آئی کہ آ پہنچی بہار
گا رہی ہیں چھوٹی چڑیاں سبز کنجوں میں ملار

دامن رنگیں میں اک دوشیزۂ ناکتخدا
چن رہی ہے ننھی ننھی سرخ کلیاں خوشنما

اور تجھ سے ہمسر و نغمہ اعجاز ہے
بزم قدرت میں تری گویا شریک ساز ہے

میٹھے نغمے گانے والی اے چمن کی نازنیں
ہے ترانہ ہمیشہ تیرا کنج و انجمیں

اور مصفا ہے فضائے آسماں تیرے لئے
ہے شفق جام شراب ارغواں تیرے لئے

تیرے نغموں میں اثر اندوہ و حرماں کا نہیں
سال میں تیرے گزر فصل زمستاں کا نہیں

مجھ کو قسام ازل دیتا اگر دو بال و پر
اڑ کے ہوتا میں بھی تیرے ساتھ سرگرم سفر

بن کے ہم دونوں رفیق موسم بہار
کرتے خوش خوش پھر سیر گلگشت دشت و کوہسار

اب نیاز مند کا ترجمہ ملاحظہ ہو:-

مرحبا! اے چمنستاں کے مبارک مہمان آسماں نے تری دعوت کا کیا ہے سامان	1	موسم گل کی خبر باغ میں لانے والے سائے جنگل میں ترے گیت کے گانے والے

۲
آتے ہیں پھول جب آتا ہے تو ہر جانب سے
کیا ستارہ کوئی رہبر ہے ترا یا کہ تجھے
تیری آواز ہے باغوں میں سنائی دیتی
خود ہی تبدیلی موسم ہے دکھائی دیتی

۳
اے مسافر ترے آتے ہی جہاں میں موسم کو
بن کے جھنڈ سے آتی ہیں صدائیں دلجو
لطف برسات کے ہو جاتے ہیں حاصل کیا کیا
زمزمے کرتے ہیں گلشن میں عنادل کیا کیا

۴
مدرسے کا کوئی بھاگا ہوا چھوٹا لڑکا
چونک جاتا ہے جب آواز ہے تیری سنتا
پھول جو توڑتا پھرتا ہے چمن میں ہر سو
اور پھر نقل تری کرتا ہے کہکر کو کو

۵
سرسوں جب پھولتی ہے کرتا ہے فوراً تو سفر
دوسرے ملک میں ہو جاتا ہے نہاں جا کر
پہنچے تاکہ کسی اور ہی وادی میں کرے
بیٹھ وہاں اٹھاتا ہے باد بہاری کے مزے

۶
سبز رہتا ہے ہمیشہ ہی نشیمن تیرا
غم و اندوہ سے خالی ہے ترا گیت سدا
آسماں پر ترے ہوتا ہی نہیں گرد و غبار
سال میں تیرے نہیں فصل خزاں کا بھی شمار

۷
کاش اڑ سکتا اگر میں بھی تو دونوں مل کے
کرۂ ارض پہ ہر سال لگاتے دھاوے
ساتھ ساتھ اڑتے خوشی سے سوئے دشت و کہسار
ہر جگہ دیکھتے جا جا کے نئی فصل بہار

ایک سپاہی کا خواب

یہ نظم انگلستان کے مشہور شاعر ٹامس کیمپبل کی ایک مقبول نظم "سولجرز ڈریم" کا ترجمہ ہے جو اوائل ۱۳۲۶ھ ہجری میں انجمن اصلاح خیالات واقع حیدرآباد کے رسالہ میں جو اسی نام سے موسوم تھا شایع ہوا تھا اُسکے دو برس بعد حیدرآباد کے ایک علمی پرچے آصفیہ گزٹ میں بھی طبع ہوا۔

کیمپبل ۱۷۷۷ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۴۴ء میں فوت ہوا۔ اس نظم کا ترجمہ مولوی سید اصغر کبیر صاحب اور منشی تلوک چند صاحب محروم

بھی کیا ہے۔ اس جگہ ان دونوں صاحبوں کی نظم کا لکھ دینا بھی لطف سے خالی نہ ہوگا۔

مُنشی محرومؔ

(۱)

دور افق پہ گرنے لگے پردہ ہائے شام
دینے لگی صدائے بگل امن کا پیام
پہرے پہ مستعد جو کواکب ہوئے تمام
فرشِ زمیں پہ لشکریوں نے کیا قیام
جو تھک گئے تھے مائل خواب گراں ہوئے
گھائل جو تھے وہ خوابِ عدم کو رواں ہوئے

(۲)

میں بھی گیاہ خشک کے بستر پہ سو گیا
روشن وہیں الاؤ پے دفع گرگ تھا
دی تھی وہ آگ جسنے سرِ شام ہی جلا
لاشیں نہ کھوئی جائیں یہ تھا اس سے مدعا
آدھی بھی تو خواب وہ دیکھا کہ واہ رے
تا صبح تین بار وہ آیا نظر مجھے

(۳)

دیکھا کہ دور ہوں میں صف کارزار سے
صحرا کو کاٹتا ہوا کسی رہگزار سے
ظاہر اثر خزاں کا ہے ہر شاخسار سے
سورج عیاں ہوا ہے ابھی کوہسار سے
اور میں رواں ہوں جانب کاشانۂ پدر
لیتا ہے وہ بلائیں مری رہ میں آن کر

مولوی سید احمد کبیر

(۱)

ابر شب چھایا بگل جنگ کے تھمنے کا بجا
آکے گردوں پہ ستاروں نے جمایا پہرا
گر پڑے خاک پہ تھک تھک کے ہزاروں جرار
زخمی دم لینے کو دم دینے کو واماندہ و زار

(۲)

اپنے بستر پہ جو آرام کی خاطر میں گیا
پاس ہی آگ تھی دلسوز قتیلانِ وغا
نصف شب ایک عجب خواب دل آسا دیکھا
اور تا صبح کئی بار وہ نقشہ دیکھا

(۳)

ہے خیال ایسا صفِ جنگ سے یکسو ہو کر
دور ویران سے رستے پہ ہوں سرگرم سفر
دن گلابی ہے نکل آیا ہے سورج کب کا
دیس کی راہ کو ہے دھوپ نے چمکا رکھا

(۴)

جب آ رہے تھے وہ سہانے نظر مجھے
جو سیرگاہ تھے مری فصلِ شباب کے
بے اختیار دو پڑا فرطِ شوق سے
نقشے پرانے سب مری نظروں میں پھر گئے
آواز بکریوں کی وہی تھی چٹان پر
جاری وہی تھے گیت کسان کی زبان پر

(۴)

اڑتے اک شوق سے کھیتوں کی طرف میں نکلا
جیسے ہر دن ان پہ جوانی میں کبھی پھرتا تھا
بکریاں بولیں پہاڑی پہ وہ آئی آواز
کھیت کٹتے رہی گیتوں میں ہر گئے ہے گداز

(۵)

پہونچا میں اپنے گھر جو بصد شوق بیقرار
مل مل کے مجھ سے روئے تھے احباب زار زار
وعدہ کیا کہ اب نہ میں جاؤں گا زینہار
سب سے بطورِ عہد پیا جامِ خوشگوار
بچوں نے چوم چوم کے بتلائیں الفتیں
بیوی نے آہ کھینچ کے کیں لاکھ منتیں

(۵)

دور پھر حلقۂ احباب میں ساغر کا چلا
اور قسم کھا گیا میں اب نہ وطن چھوڑونگا
منہ پہ منہ رکھ دیئے بچوں نے بڑی الفت سے
دل تھا اُمڈا ہوا بیوی لگی آہیں بھرنے

(۶)

للہ اب نہ جاؤ یہاں سے۔ یہیں رہو!
کافی ہے میں رنج بلا میں نہ اب پھنسو!
جھیلیں ہیں سختیاں بہت۔ آرام بھی تو لو
میں خستہ جاں یہ سن کے یہ بولا کہ جو کہو
لیکن نمودِ صبح نے مجھ پر ستم کیا
بیوی تھی وہ نہ بچے نہ وہ یار و آشنا

(۶)

کہتی تھی جاؤ نہ پردیس بس اب گھر میں رہو
میں بھی اک جوش میں کہہ اٹھا تھا اچھا نہ کہو
صبح اٹھتے ہی وہی غم تھا وہی ہجر دراز
گھل گئی کانوں میں صد حیف وہ میٹھی آواز

اب اس خاکسار کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے ؎

۱

شب ہوئی اور التوائے جنگ کی ترہی بجی
پڑ گئے میدان میں تھک کر ہزاروں آدمی
نکلے سیارے فلک پر گشت کرنے کیلئے
مضمحل سونے کو اور مجروح مرنے کیلئے

۲

سو رہا تھا گھاس پر میں بھی آتش کے قریب
رات کے بارہ بجے تھے جب اک خواب عجیب
جو محافظ تھی کہ لاشوں پر نہ آئیں جانور
تین دفعہ صبح ہونے تک مجھے آیا نظر

۳

دیکھتا کیا ہوں کہ اس خونخوار میدان سے نکل
تھی خزاں اور دھوپ سے روشن تھے سب دشت و جبل
پہنچا اک جا قطع کرکے راہ وحشتناک کو
یہ سڑک جاتی تھی میرے گھر کی خاک پاک کو

۴

خوشنما وہ کھیت بھی مجھکو نظر آئے جہاں
چر رہی تھیں گھاس۔ یاں پہ پہاڑی بکریاں
اپنے بچپن میں پھرا کرتا تھا ہنستا کھیلتا
گیت گا کر کاٹتے تھے لوگ غلہ فصل کا

۵

گھر کو پہنچا آخرش اور ساغر صحت پیے
میرے بچے پیار مجھکو دیر تک کرتے رہے
سب عزیزوں سے کہا تم سے نہ ہونگا اب جدا
اور خوشی سے آئے بیوی کے بھی آنسو ڈبڈبا

۶

اب نہ جاؤ تم تھکے ماندے ہو۔ بولے مجھ سے سب
حیف! لیکن صبح نے یہ ڈھا دیا مجھ پر غضب
تھی یہی میری بھی خواہش اور بھر آتا تھا دل
آنکھ کھلتے ہی وہ باتیں ہوگئیں خواب و خیال

پرند کی فریاد ایک بیگم سے

پچیس چھبیس برس ہوئے جب یہ نظم مینے ایک انگریزی نظم سے ترجمہ کی تھی۔ اب نہ اُس کتاب کا نام یاد ہے جسمیں وہ نظم دیکھی تھی اور نہ اس شاعر کا نام جسکی وہ نظم تھی ۱۲

۱
پڑا ہوں تاروں کے پنجرے میں نیم جاں افسوس
یقیں ہے ہوگا نصیب اب نہ آشیاں افسوس
بہار و باغ کی یاد آتی ہے فضا مجھ کو
چھڑائے کون مصیبت سے جز خدا مجھ کو

۲
یہاں نہ دوست نہ ہمدم نہ مونس و غمخوار
دکھائے کون وطن کے مجھے گل و گلزار
بجائے صحن چمن کوٹھری ہے تاروں کی
کسے غرض جو خبر لے اجل کے ماروں کی

۳
نہ جانے کر کے جدا باغ و دشت صحرا سے
قفس کے گوشۂ زنداں میں مارنے کے لئے
پکڑ کے لائے ہیں کیوں میرے آشیاں سے مجھے
چھڑا دیا کسی ظالم نے میری ماں سے مجھے

۴
یہ آرزو ہے کسی طرح ہو کے اب آزاد
نظر جہاں کہیں آئیں پرند خوش و دلشاد
ہوا پہ اڑتا ہوا دور دور جاؤں میں
اسی درخت پہ دم لے کے چہچہاؤں میں

۵
آزاد و کھول کے دروازہ قید خانے کا
پھدک پھدک کے درختوں پہ گیت گاؤنگا
لو آؤ رحم کرو۔ مجھ پہ مہرباں ہو مگر
تمہارے شکر میں ہو ہو کے شادماں ہر دم

جنگ ہوہن لنڈن

یہ نظم انگلستان کے مشہور شاعر ٹامس کیمپبل کی نہایت مشہور نظم "جنگ ہوہن لنڈن" کا ترجمہ ہے جس میں قافیہ کی پابندی مثل انگریزی نظم کے رکھی گئی ہے۔ انگلستان میں اس نظم کو بے انتہا مقبولیت ہوئی ہے۔ انگریزی کا کوئی مجمع الاشعار مشکل ایسا نکلے گا جس میں اسے انتخاب نہ کیا ہو۔ اس نظم میں صنعت المدارج ایسی خوبی سے برتی ہے کہ از ابتدا تا انتہا جنگ کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ ہوہن لنڈن ملک جرمنی کے صوبہ بویریا میں الیسر ندی کے کنارے ایک گاؤں ہے۔ ۳ دسمبر ۱۸۰۰ء کو یہاں فرانسیسیوں اور اسٹریوں کے درمیان ایک خوفناک جنگ ہوئی تھی جس میں میدان فرانسیسیوں کے ہاتھ رہا تھا۔

۱

جھٹپٹے کے وقت تک لنڈن میں غوغا کا کچہ اثر
اک عجب سناٹے کے عالم میں موجیں مار کر
برف کے انبار رود پر مطلق نہ آتا تہا نظر
شور و شر کرتا ہوا دریائے ایسر تہا رواں

۲

لیکن آدہی رات کو جب طبل پر ڈنکا پڑا
حکم فوجوں کو ملا بہڑکاؤ شعلہ موت کا
اور بہی کچہ یہاں تماشہ پہر نظر آنے لگا
تا کہ ہو جائے منور یہ اندہیرے کا سماں

۳

مشعلیں روشن ہوئیں۔ قرنا بجی۔ باندہی کمر
ہنہنایا جوش سے ہر ایک گہوڑا خوش سیر
ہر سپاہی ۔سنبہالے جلدی سے تیغ و تبر
قتل گہہ میں تا کرے کچہ جوہر ہمت عیاں

۴

ملگئے پہر سلک کی گرجوں سے دشت و کوہسار
توپیں مثل رعد جب گہاڑتی تہیں بار بار
گہوڑے دوڑانے لگے ہر سو بہادر شہسوار
سُرخ شعلے دور تک جاتے تہے جوں برق تپاں

۵

پتہروں کی برف خوں آلود پر اب اور بہی
لہریں ایسر کی جو پہلے تہیں نہایت دہندلی
پہیلتی جاتی ہے زائد سرخی مائل روشنی
خون ملکر ہو گئی ہیں اب وہ مثل ارغواں

۶

دن نکل آیا۔ پہ سورج کا نہیں اب بہی پتہ
دہوئیں سے گندک کے ہے وہ شامیانہ تن رہا
آسماں پر چہائی ہے گہنگہور اک کالی گہٹا
جسکے نیچے کر رہے ہیں جنگجو شور و فغاں

۷

اب ہوا گہمساں۔ ہوشیار۔ ہاں آغاز ہو
مت ڈرو توپوں سے یارو! دشمنوں پر جا پڑو
یا ظفر۔ یا موت۔ بس جی توڑ کے حملے کرو
دیکہ لینا وار مردوں کا نہ ہوگا رائگاں

۸

کتنے لوگ آئے تہے یاں۔ اور کتنے کم واپس گئے
گچہا گچہا گہاس کا جو پہلے تہا پاؤں تلے
ڈہک گئیں مقتولوں کی لاشیں کفن سے برف کے
قبر کا اک اک سپاہی کی وہی ہے اب نشاں

شکستہ مسجد

مسجدوں کی ویرانی کے متعلق اساتذہ متقدمین و متاخرین میں سے تنہا بصرف انوری و سوداؔ کے کلام میں کچھ اشعار پائے جاتے ہیں۔ انوری نے خراسان کی تباہی پر ایک قصیدہ شہر آشوب لکھا ہے جسکا مطلع یہ ہے۔

بر سمرقند اگر بگذری اے باد سحر　　نامہ اہل خراسان بہ بر خاقان بر

اس قصیدے میں وہ جامع مسجد کی ویرانی کی نسبت فرماتا ہے۔

مسجد جامع ایں شہر بتوراں شاں را
پایگاہیست۔ نہ سقفش۔ و را پیدا و نہ در

مرزا سوداؔ نے شاہ عالم کے زمانہ کی دہلی کی افسوسناک حالت جو ایک قصیدۂ شہر آشوب میں دکھائی ہے اس میں قاضی کی مسجد کے متعلق فرماتے ہیں۔

قاضی کی جو مسجد ہے گدھا باندھ کے آئیں　　بیٹھا ہوا اس شکل سے ہر پیر و جواں ہے
ملّا جو اذاں دیوے تو منہ موند کے اسکا　　کہتے ہیں کہ خاموش مسلمانی کہاں ہے
بولا جو خطیب اسمیں تو ماری اُسے اک ڈھول　　ہاتھ آگیا واعظ تو تھپیڑا و دہاں ہے
ریکنے ہے گدھا آٹھ پہر گھر میں خدا کے　　نے ذکر نہ صلوٰۃ نہ سجدہ نہ اذاں ہے

اس خیار مند نے اپنی نظم شکستہ مسجد میں سوداؔ کے پچھلے شعر کو کسی قدر تصرف کیا ہے تضمین کر کے شعر ترجیع قرار دیا ہے۔ یہ نظم سنہ ۱۸۹۰ء میں ایک مسجد کی حالت زار پر لکھی گئی تھی خدا کی قدرت سے اسکا اثر خالی نہ گیا مسلمانوں کی توجہ اس طرف مائل ہوئی اور بفضل خدا اب وہ مسجد بہت اچھی حالت میں ہے۔

اک شخص تو وہ تھا کہ جو تکلیف اٹھا کے　　راہی جناں ہو گیا مسجد کو بنا کے
اور ایک وہ ہے جس نے کہ ایمان گنوا کے　　یاں تک اسے ویراں کیا قبضے میں لا کے

ڈکراتے ہیں بیل آٹھ پہر گھر میں خدا کے
نے ذکر نہ صلوٰۃ نہ سجدہ نہ اذاں ہے

واحسرتا! کیا خبط سمایا ہے یہ سر میں　　مسجد کا ادب کچھ نہیں لوگوں کی نظر میں
لیمپ اپنے ہاں روشن کریں دالان و در میں　　اور حیف اندھیرا ہے اللہ کے گھر میں

ڈکراتے ہیں بیل آٹھ پہر گھر میں خدا کے
نے ذکر نہ صلواۃ نہ سجدہ نہ اذاں ہے

پردے تو نصیب اسکو کہاں تھے جو چلتے تھے — ہاں یہ یہ بڑے مکڑی کے جالے ہیں لٹکتے
کیا روشنی کا ذکر کہ فانوسوں کے بدلے — چمگادڑ پھرے طاقوں میں چراغوں کے ہیں ٹکڑے

ڈکراتے ہیں بیل آٹھ پہر گھر میں خدا کے
نے ذکر نہ صلوٰۃ نہ سجدہ نہ اذاں ہے

بے حرمتی مسجد کی کیا کرتا ہو اب جو — منہ حشر میں کیا خاک دکھائیگا خدا کو
گھورا سا بنا رکھا ہے کیا قہر ہے یارو — گوبر ہی ہر اک سمت پڑا ہے جہاں دیکھو

ڈکراتے ہیں بیل آٹھ پہر گھر میں خدا کے
نے ذکر نہ صلواۃ نہ سجدہ نہ اذاں ہے

آ آ کے مسلماں جہاں قرآن تھے پڑھتے — اب اس جگہ کا دکائیں کیا کرتے ہیں گو
جس فرش پہ کرتے تھے نمازی کبھی سجدے — دن رات پڑے لوٹتے ہیں اب وہاں کتے

ڈکراتے ہیں بیل آٹھ پہر گھر میں خدا کے
نے ذکر نہ صلواۃ نہ سجدہ نہ اذاں ہے

وہ بانی مسجد کہ تھا اک عابد خوشخو — راتوں کو لگاتا تھا کبھی نعرہ یا ہو
اب اسکی جگہ بیٹھ کے دیوار پہ اُلو — ہر روز سر شام سے یاد کرتا ہے ہو ہو

ڈکراتے ہیں بیل آٹھ پہر گھر میں خدا کے
نے ذکر نہ صلواۃ نہ سجدہ نہ اذاں ہے

ہو جاتا ہے جس وقت کہ دن چھپکے اندھیرا — لیتی ہیں ابابلیں یہاں آکے بسیرا
چمگادڑوں کا رہتا ہے ہر رات کو پھیرا — اور کرتا ہے گھوسٹ یہاں گاگا کے سویرا

ڈکراتے ہیں بیل آٹھ پہر گھر میں خدا کے
نے ذکر نہ صلواۃ نہ سجدہ نہ اذاں ہے

چمگادڑوں کی فرش پہ ہیں پھیلی ہی مینگنیاں — پتھر گریں - ممبر ہلے کہل کہل گئیں اینٹیں

مسجد کا یہ صحن اور یہ شباب کی چھینٹیں
اب دیکھیں مسلماں اسے کیوں سر کو نہ پیٹیں

ٹکراتے ہیں بیل آٹھ پہر گھر میں خدا کے
نے ذکر نہ صلواۃ نہ سجدہ نہ اذاں ہے

تجھکو ہی نہیں فکر جب اے خالق اکبر
پر عرض یہ شبیر کی ہے حضرِ داور

بندوں کو پڑی کیا جو سنواریں وہ ترا گھر
تو ہی ہمیں بتلا کہ یہ کس سے کہیں جاکر

ٹکراتے ہیں بیل آٹھ پہر گھر میں خدا کے
نے ذکر نہ صلواۃ نہ سجدہ نہ اذاں ہے

ایک ستم ظریف

اِک صاحب..... نیک طینت
سختی نہیں کرتے تھے کسی پر
ویسے تو بڑے شریف تھے وہ
دورہ کیا کرتے تھے وہ اکثر
جس گاؤں میں ٹھیرتے تھے سرکار
جس چیز کی ہوتی تھی ضرورت
تھا اُنکا یہ حکم نوکروں کو
قیمت کی ادائی کا طریقہ
بکرا وہ اگر کسی سے لیتے
پھر پوچھتے "بول اسکا کیا دوں"
یہ کہتے جو مفت کا ہو بکرا
کہہ تو سہی کیا ہے اسکی قیمت
پھر آپ ہی کہتے "خیر۔ اچھا
کیوں اب تو نہیں ہے اسمیں حجت"

رکھتے تھے حساب میں مہارت
کہا جاتے تھے بھیجا سر کھجا کر
البتہ ستم ظریف تھے وہ
لیجاتے ساتھ لاؤ لشکر
لگ جاتا تھا اُس پاس بازار
کرتے تھے ادا وہ اُسکی قیمت
بن پیسے دئیے کسی سے مت لو
لیکن تھا عجیب کچھ نرالا
کرتے طلب اُس کو اپنے آگے
وہ کہتا کہ "آپ سے میں کیا لوں"
ہے گوشت نہیں حرام اُسکا
وہ کہتا "جو کیجئے عنایت"
بکرا ترا دو روپیہ کا ہوگا"
ٹھرا دی ہیں نے اسکی قیمت"

اُسوقت غریب بکرے والا — ڈرتا ہوا اپنے دل میں کہتا
اُب نفع کدہر - کہاں کی قیمت — ملجائے جو اِن سے ہے غنیمت
آخر وہ بیچارہ ہو کے ناچار — کہدیا کہ " اچھا لے لو سرکار"
فرماتے وہ پہر " یہ کہاں اسکی — مَنڈی میں تو دو روپے کو جاتی"
" لیکن ہمیں تیری ہے رعایت — دینگے تجھے ہم یہ باکفایت"
اُب اور زیادہ تجھہ سے لیں کیا — یہ کہاں تو پونے دو میں لے جا
اُب کیا رہا تیرا ؟ چار آنے — وہ رکھے ہیں سامنے یہ لے لے"
"دو میں لیا ہم نے تجھہ سے بکرا — سو اُسکا ہوا حساب پورا"

"اب لکھہ دے رسید دو روپے کی
قیمت تہی جو بکرے کی وہ پہنچی"

سُوہلے ٹونے گالیاں

یہ نظم مدرسہ نسواں واقع ملک پیٹہ حیدرآباد دکن کی لڑکیوں کے واسطے لکھی گئی تہی اور سنہ ۱۳۱۶ف کے شاندار سالانہ جلسے میں ایک لڑکی نے بغرض تفنن طبع اصلاح رسم پڑہی تہی۔۱۲

شادیوں میں گالیوں کی رسم بد — جاری ہے اکثر جگہ باشد و مد
بے تکلف اچھے اچھے ثقہ لوگ — سنتے ہیں میراثنوں سے خوب بھوگ
جلوے کے دن بیٹی والے برملا — کرتے ہیں یہ رسم بیہودہ ادا
ہوتا ہے جب سمدہنوں کا جمگھٹا — اُن سے میراثن کو دیتے ہیں بٹھا
اُنکے پیچھے پڑتی ہے وہ ہاتہہ جہاڑ — باندہتی ہے گالیوں کا خوب جہاڑ
سُوہلے ٹونے ہوتے ہیں دولہا کا حق — جن سے منہ نوشہ کا ہو جاتا ہے فق
بکتی ہیں میراثنیں کچھ اسقدر — دولہا کی ہوتی نہیں اونچی نظر
سر میں دلہن کے لگا کر سر برج — سننی پڑتی ہے بہت گالی گلوج
بیل میراثن کو جب تک دی نہ جائے — سب کو اک اک گیت میں سو سو سنائے

دولہا کے پھر کچھ عزیزوں کو بلا
دولہا کے دادا کے اکثر خوب ہی
تھاپ طبلے پر لگا کر زور سے
آئے مدت بعد قابو میں بچہ
گاہ کہتی ہے ملے خواجہ خضر
اور کبھی کہتی ہے جی میں ہے یہی
اُس سے اچھی طرح دُھنوا کر روئی
گاہ کہتی ہے یہ دقت کس لئے
اسکی ہم خود ہی بنا کر پونیاں
اس سے ایسی باریک وہ جو کچھ لا مکاف
الغرض کہتی ہے وہ وہ پھبتیاں
سُن کے صلواتیں یہ اُس بدذات سے
اُسکی اِک اِک بے نقط پر جھوم کر
سیدھی سیدھی اُن کو دیتی ہے سُنا
لیتی ہے اُسوقت لے ڈومنی
گاتی ہے اس طرح وہ للکار کے
اب بنا کر تم کو چھوڑیں گے چچا
اپنے بیڑے کو نہیں ہے کوئی ڈر
دیکھئے دھنئے کو اب ڈاڑھی تری
کپڑا بنوالیں جُلاہے سے کوئی
ہو رہی ہے گالا تو پہلے ہی سے
چرخے میں اب کات لیں گے ڈوریاں
بکتی ہے اب کون لکھے صاف صاف
پانی پانی ہوتے ہیں بڈھے میاں
دل ہی دل میں لیتے ہیں حضرت مزے
وجد میں بیٹھے ہوئے دُھنتے ہیں سر

شکوۂ جنگ

گزشتہ جنگ رُوس و جاپان کے زمانے میں یہ نظم ایک انگریزی نظم سے ترجمہ کیگئی تھی ۱۲

اِک سپاہی سے کسی مقتل میں جب منہ موڑ کر
نزع کی حالت میں وہ مایوس و نالاں اندوہگیں
گو ہزاروں باپ تڑپیں ہو کے بسمل خاک پر
ملک میں ہر سُو بپا ہوں خواہ طوفان عظیم
دشت و صحرا خون سے لوگوں کے گو ہو جائیں لال
گو ہزاروں بیویاں اور مائیں صدموں سے مریں
رحم کا دل میں نہ لانا اپنے تم ہرگز خیال
بڑھ گئی فوج آگے اُس بیکس کو زخمی چھوڑ کر
نوحہ یہ پڑھنے لگا رُو رُو بآواز حزیں
تم لڑے جانا۔ لڑے جانا۔ لڑے جانا۔ مگر
شہروں میں روتے پھریں گو در بدر صدہا یتیم
قتل و خوں کرتے رہو۔ چھوڑو نہ یہ جنگ و جدال
گو عزیز و اقربا سب رات دن ماتم کریں
ایسے ہی لڑتے رہو کرتے رہو قتل و قتال

خواہ اچھا ہو نتیجہ جنگ کا یا ہو بُرا　　قتل لوگوں کو کئے جاؤ بلا جرم و خطا

بالعموم انجام ان جنگوں کا ہوتا ہے یہی　　روٹی کو محتاج ہو جاتے ہیں لاکھوں آدمی

ماحصل ان کا یہی ہے۔ نام ہو دنیا میں آج　　یا رعیت سے کریں بالجبر حاصل کچھ خراج

اس نمود اور جھوٹی شہرت کے مقابل کیجئے　　گھاٹیوں میں ہر طرف انبار لاشوں کے لگے

جنگ سے۔ قحط و وبا سے۔ آنچ سے تلوار کی　　رفتہ رفتہ ملک کی اب کے کیا حالت ہوئی؟

کھیت اجڑے۔ شہر اور دیہات ویراں ہو گئے　　ناسمجھ معصوم بچے اپنی ماؤں سے چھٹے

سینکڑوں غربت زدہ پھرتے ہیں مارے دربدر　　ہو گئے بے خانماں ملتا نہیں رہنے کو گھر

اسطرف ظلم و ستم سے سلطنت بالکل تباہ　　اُسطرف مقتول و زخمی لاکھوں ناکردہ گناہ

توپ سے۔ تلوار سے۔ نیزے اور بندوق سے　　کرتے ہیں محشر بپا دنیا میں ہم کس واسطے

کیا سبب ہے؟ آدمی کا آدمی دشمن ہے کیوں؟　　کیا غرض ہے؟ کس لئے لڑتے ہیں ہم آپس میں یوں؟

لوگ کہتے ہیں کہ ہم لڑتے ہیں بس اسواسطے　　ملک میں انصاف پھیلے۔ قوم کی عزت بڑھے

حیف ہے۔ انصاف تو مہنگا ہو اتنا حیف ہے　　اور بنی آدم کا خوں ہو اتنا سستا حیف ہے

اے لڑائی! اے بلائے آسماں! قہر خدا　　اے عدوئے نوع انساں! دشمن عقل و حیا!

جز تباہی قتل و غارت۔ ذلت و جور و جفا　　نعمتیں مخفی ہیں کیا تجھ میں کونسی مجھ کو بتا؟

جرم صدہا قسم کے رنج و مصیبت آفتیں　　میں نے تو تجھ میں یہی دیکھیں ہمیشہ برکتیں

کاش ان باتوں کی پہلے سے مجھے ہوتی خبر　　یاس و حسرت سے نہ ہوتا آج یوں ٹکڑے جگر

کھیر چٹائی

یہ نظم مدرسۂ نسوان آصفیہ واقع ملک پیٹھ حیدرآباد دکن کے لئے لکھی گئی تھی اور ۱۳۲۵ھ کے سالانہ جلسے میں ایک چھوٹی لڑکی نے بغرض اصلاح رسم مناسب موزوں حرکات و سکنات کیساتھ پڑھی تھی ۱۲

جتنے دولہا ہیں لکیروں کے فقیر　　شادیوں میں چاٹتے ہیں خوب کھیر

کھیر رکھی ہے دُلہن کے ہاتھ میں　　سامنے بیٹھا ہے دولہا گھات میں

اسطرف دولہا بڑھا منہ پھاڑ کر　　ہاتھ دلہن کا کھچا فوراً ادھر

سارا مجمع کھل کھلا کر ہنس پڑا
دولہا منہ اپنا سا لیکر رہ گیا
جب نہیں لگتی ہے اچھی طرح ناک
تو یقیناً کھیر سے بھرتی ہے ناک
ہے اگر داڑھی تو اسکی گت ہوئی
ورنہ الخالق ہی سب لت پت ہوئی
دید کے قابل ہیں وہ سب حسرتیں
بنتی ہیں جب بھونڈی بھونڈی صورتیں
ہوتے ہیں معلوم تب دولہا میاں
جیسے بندر دے رہے ہیں بھبکیاں
جبکہ منہ دولہا کا کرتا ہے خطا
عورتیں سب مارتی ہیں قہقہا
دولہا ہوتا ہے بہت اُس دم حقیر
چاٹنا اس کھیر کا ہے ٹیڑھی کھیر

مسجد کے خائن متولی کی نسبت ایک حلوائی کا خیال

سنہ ۱۹ میں نیاز مند نے بعض احباب کی فرمائش سے ایک مسجد کے خائن متولی کے واقعات زندگی مثمن ترجیع بند میں نظم کئے تھے۔ یہ نظم اُسی کا ایک بند ہے۔ متولی مذکور پر مسلمانوں نے حساب فہمی کا دعوے دائر کیا تھا اُسکے متعلق مسجد کی دوکان کے کرایہ دار ہر پرشاد مند حلوائی کا خیال اس نظم میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اور خصوصیت کیساتھ حلوائی کا طرز منہ ولہجہ برتا گیا ہے۔ بظاہر الفاظ ومحاورات مستعملہ زبان بھاشا کے معلوم ہوتے ہیں گر وہ اُردو میں بھی رائج ہیں۔ اس قسم کے بعض الفاظ کی تشریح یہ ہے:۔
کھوب = خوب۔ جے = یہ۔ سباد = سواد (مزا) جے ہی = یہ ہی۔ میٹھا = فائدہ
مسجد = مسجد۔ کھاطر = خاطر۔ پھساد = فساد۔ آجابیگا = آجائیگا۔ سیکھ جی = شیخ جی
رسیبڑی = ریوڑی۔

یہ خبر سنکر کہ یہ ابن زیاد
مال مسجد کھا گیا حد سے زیاد
بولا ہر پرشاد حلوائی کہ "کھوب
پڑ گیا تھا۔ جے میاں جی کو "سباد"
"جے ہی تو میٹھا تھا مسجد کا اِنہیں
اسی کھاطر کرتے تھے دنگا پھساد"
"آپ تک تو انکی پانچوں گھی میں تھیں
اب چھٹی کا دودھ آجابیگا یاد"

"سیکھ جی آکر پھنسے ہیں دیر میں"
"اب پڑے ہیں رسیبڑی کے پھیر میں"

ساچق مہندی

یہ نظم مدرسۂ نسوان آصفیہ واقع ملک پیٹھ حیدرآباد دکن کی لڑکیوں کے لئے لکھی گئی تھی جس کے ۲۵ ویں سالانہ جلسے میں ایک لڑکی نے بغرض اصلاح رسم پڑھا تھا۔ اس وقت سے ہی حیدرآباد میں ساچق و مہندی کا رواج بہت گھٹ گیا اور اب تقریبًا یہ رسوم موقوف ہوگئیں ۱۲

ہوتی ہیں جب مہندی ساچق کی رسوم — کرتے ہیں ان میں خلاف شرع دھوم
بیسیوں میوے کے خوان اور مٹکیاں — ڈھول تاشے پھول اور پھلواریاں
نوبتیں شہنائیاں بجتی ہوئی — (باجا ہیں) - چرخیاں چھٹتی ہوئی
دمبدم کرتے ہوئے سرسر انار — مشعلیں روشن قطار اندر قطار
ساتھ ہیں جہاں مردوں کے جتھے — بالعموم ادنیٰ و اعلیٰ قسم کے
پیچھے سے مزدوروں کو ہانکتے — خاک سارے راستے کی پھانکتے
ہانپتے اور جوتے چٹخاتے ہوئے — دل ہی دل میں اپنے جھلّاتے ہوئے
جلد طے کرنے کو راہِ ناگوار — دوڑتے جوں اشترانِ بے مہار
خاک اپنے جوتوں پر سے جھاڑتے — منہ کو کھولے اور آنکھیں پھاڑتے
بعد صد تکلیف - قصہ مختصر — پہونچتے ہیں منزل مقصود پر
بیٹی والے لاکے شربت اور پھول — کرتے ہیں پھر ان سے کچھ نقدی وصول
رسمیں جب یہ ختم ہو جاتی ہیں کل — میہمانوں میں عجب مچتا ہے غل
دولہہ کا باوا زراہ عاجزی — کرکے منت پہلے تو ایک ایک کی
گھر سے لاتا ہے ہر اک کو ہاتھ جوڑ — چھوڑ کر اب بھاگتا ہے پیٹھ توڑ
لعنت ولاحول تب پڑھتا ہوا — مجمع لاوارثی ہے لوٹتا
اس ربڑ سے آنکھ منہ پر بیش و کم — دو دو انگل خاک تب جاتی ہے جم
راستے بھر کا پسینا اور غبار — کرتا ہے بالوں کی مٹی ایسی خوار
بنتے ہیں وہ چکنے گھڑے تر بہ تر — سب چکٹ چکٹا کے مندہ سر بسر

بدزبان ساس پھوہڑ بہو

یہ نظم بھی پہلے مدرسہ آصفیہ کی لڑکیوں کے لئے لکھی تھی اور ایکٹ کرکے پڑھی جاتی تھی
اسمیں حیدرآباد کی مستورات کی زبان خصوصیت سے برتی ہے

ایک دن جعفری بیگم نے بہو سے یہ کہا
"تو دلہن! میتھی کی بھاجی تو پکا دو جلدی"
جا کے دلہن نے بھی ہشیاری بہت سی کھلائی
دیکھا جب ساس نے گل کر رہے گٹھلی خشکہ
مارے غصے کے نہ پھر اُس کو ذرا تاب رہی
"کون سے کام میں پیارے تو موئی ہشیار تھی
"تری اماں نے تجھے گھر میں سکھایا کیا تھا
"جلدے باوا ترے بوجھ پٹک کر اپنا
"نام کو آتا نہیں سینا پرونا تجھ کو
"ساس مجھ سی بھی نہ قسمت کی کوئی پھوٹی ہو
"لڑنے بھڑنے کے لئے آنکھیں نکالے خنجر
"رانڈ - مُردار - موئی - بےحیا - پھوہڑ جروا"
ساس کا غصہ کسی طرح سے جب کم نہ ہوا
"میں تو پھوہڑ ہوں مرا ذکر تو چھوڑو اماں
"میں تو جو ہوں سو ہوں - دیدا اُسے دکھلا آئے
"کہیں ایسا نہ ہو جس وقت وہ بیاہی جائے
سُن کے یہ جعفری بیگم کو جو غصہ آیا
باتوں باتوں ہی میں القصہ یہ نوبت آئی
ڈر خدا کا رہا اُنکو نہ حیا پنچوں کی

اُڑ گئی آج موئی ماماں تمہیں آؤ ذرا
دوسرے چولہے پہ چانول بھی چڑھا دو بیگی
کئی گھنٹے میں غرض کھانا پکا کر لائی
میتھی کی بھاجی بھی شوربے سے ہے ڈبڈب قلیہ
گالی کوسوں پہ اُتر آئی وہ منہ پھٹ بڈھی
"ایڑی چوٹی میں فقط اپنی گرفتار ہے تو
"مجھے بتلا تری خالہ نے بتایا کیا تھا
"ماں نے بھی رستہ لیا پلو جھٹک کر اپنا
"بھوں بھوں آجاتا ہے ہر بات پہ رونا تجھکو
"نوج ایسی کوئی کمبخت بہو بیٹی ہو"
"روتی صورت - موئی کمچور - نوالے حاضر
"ساگ میں بھی کبھی ڈالا ہے کسی نے شُروا؟
دبی آواز سے دلہن نے بھی رو کر یہ کہا
"اپنی بیٹی کی بھی تھوڑی سی خبر لو اماں
"جانے والی ہے جو پر گھر اُسے سکھلائیے آپ"
"جوتیاں ساس کے ہاتھوں سے ہمیشہ کھائے"
زور سے ایک طمانچہ دیا دلہن کے لگا
دونوں کرنے لگیں دل کھول کے ہاتھا پائی
کوسنا کاٹی تھی کبھی اور کبھی لپاڈگی

کوئی بولی "اری مُردار ترا پیٹ جلو"
"کڑکڑاتی ہوئی بجلی ترے اوپر گر جاؤ"
خوب ہونے لگا پھر دونوں میں جھوٹم جھوٹا
گھر میں تشبیاں مچا غل جو بہت ہا ہو کا

کوئی کہنے لگی "ہے ہے ترا مُردہ نکلو"
اُڑو - مٹی پڑو - منہ پر ترے جھاڑو پھر جاؤ
اِس نے منہ نوچ لیا - ہاتھ میں اُسنے کاٹا
لوگ اکھٹے ہوئے دونوں کے جنم میں تھو کا

قرض لیکر شادی کرنا

یہ نظم بھی مدرسہ نسوان آصفیہ کی لڑکیوں کے واسطے لکھی گئی تھی ۱۲

بعض لیکر قرض - کرتے ہیں بیاہ
ایسی ایسی وہ سناتا ہے لتاڑ
ہر گھڑی موجود ساہوکار ہے
آن کر ایسی ڈہئی دیتا ہے وہ
اب نہیں کہانے کو ملتی دال ہے

تنگ پہر کرتا ہے اُن کو قرضخواہ
آبرو دیتا ہے سب اُن کی بگاڑ
ہر مہینے ڈگری اک تیار ہے
گھر کی سب قُرقی کرا لیتا ہے وہ
کیا میاں صاحب کا پتلا حال ہے

اُچکا مرشد

یہ گیت اس نیازمند کے ڈراما فسانہ عبرت میں نواب طالع یار خاں کا ملازم فدا علی گاتا تہا اور بیگم شاہ نگہار کے
سے اُسکی فتوح غیبی میں حصہ لگاتا تہا - اس گیت کا وزن ہندی اور ترکیب ٹہُمری ہے ۱۲

یہ دستِ غیب تم سے ہم آدھا بٹائیں گے
آدھا بٹائیں گے - حصہ لگائینگے - سائیں حصہ لگائینگے - داتا حصہ لگائینگے - مرشد حصہ لگائینگے
یہ دستِ غیب تم سے ہم آدھا بٹائیں گے
مال تم نے مارا - بہید پایا سارا دلواؤ نقدی ورنہ تم کو پھنسائینگے
سائیں تم کو پھنسائیں - داتا تم کو پھنسائیں - مرشد تم کو پھنسائینگے
رقم ہم کو دیجے - کرم ہم پہ کیجے حضرت نہیں تو شیخی ساری مٹائیں گے

داتا ساری مٹائیں ۔ سائیں ساری مٹائیں ۔ مولویصاحب ساری مٹائیں ۔ مرشد ساری مٹائینگے
یہ دستِ غیب تم سے ہم آدھا بٹائیں گے

سینکڑوں مرشدوں میں یہ بھی یکتا مرشد
کوئی ملجائے تو دے لاکھوں کا دم بکتا مرشد
اسکے فقروں میں کہیں آبھی نہ جانا شبلی

ہر جگہ کرتا ہے جا جا کے جھکتا مرشد
مونڈتا پھرتا ہے سب کو یہ اُچکا مرشد
کہتے ہیں ایسے ہی لوگوں کو تو پکا مرشد

ہم انگلیوں پہ کیا کیا تم کو نچائیں گے
داتا تم کو نچائیں ۔ سائیں تم کو نچائیں ۔ مرشد تم کو نچائیں ۔ مولویصاحب تم کو نچائینگے
یہ دستِ غیب تم سے ہم آدھا بٹائیں گے

پورب والے شاہ صاحب

یہ گیت اس درویش کے مصنفہ ڈراما "دورِ آخری" میں ایک مکار فقیر کا گانا تھا ۔ اس کا وزن ہندی اور دُھن ناٹکی ہے ۱۲

ہم شاہ صاحب پورب والے پھرتے ہیں یوں زلفیں ڈالے
لوگوں کو بہکانیوالے ۔ دم جھانسوں میں لانیوالے چھوچھکا دکھلانیوالے کیمیا گر کہلانے والے
ہم شاہ صاحب پورب والے پھرتے ہیں یوں زلفیں ڈالے

شعبدے یاد ہیں ہر قسم کے صدہا از بر
گنڈے ۔ تعویذ ۔ فسوں ۔ فال ۔ فلیتے ۔ منتر

بہوت سے ہم نے اُتارے ہیں بہت پڑھ پڑھ کر
ٹوٹکے ۔ ٹونے ۔ عملیات ۔ رمل ۔ اور جفتر

بیان پت کی ہے غرض یاد ہر اک گھات ہیں
سب یہ شبلی نے بخشی ہے کرامات ہیں

عرسوں میں جب ہم جاتے ہیں ۔ عیاری کا فن کھلاتے ہیں ۔ کھانے خوب اُڑاتے ہیں ۔ اور حال بھی اکثر لاتے ہیں

مُردوں کو دفنانے والے کفن چُرا کر لانے والے
ہم شاہ صاحب پورب والے پھرتے ہیں یوں زلفیں ڈالے

عامل کامل

یہ گیت اس نیاز مند کے ڈراما فسانۂ حیرت میں ایک مکار عامل گاتا تھا اس کے بعض ٹکڑے تلنگی وزن پر بنائے گئے ہیں ۱۲

کشف و کمال ہم کریں ۔ ہیں ایسے عامل

دفن جہاں خزینہ ہو ۔ جس جگہ کچھ دفینہ ہو
علم ہے اسکا سب ہمیں ۔ ہیں ایسے عامل

از پئے دفع دشمناں ۔ کرتے ہیں ختم خواجگاں
سفلی علوی ہم پڑھیں ۔ ہیں ایسے عامل

بھوت پلید اور مساں ۔ شیخ سدو زین خاں ۔ ہم سے سبکے پر جلیں ۔ ہیں ایسے عامل

ہے لاکھوں بوٹی کا معلوم خاصہ ہم کو
بناویں پارہ کو ہم چاندی ۔ خاک کو اکسیر
فلیتے ۔ فال ۔ فسوں ۔ دست غیب ۔ ابجد
پڑھیں وظیفہ تو ہمزاد کو کریں تسخیر

بنانی آتی ہے سو طرح کیمیا ہم کو
تمام دھاتوں کا آتا ہے پھونکنا ہم کو
ہر ایک بات میں کامل ہے تجربہ ہم کو
حسن خاں جنی کا بھی جانے ہے چچا ہم کو

سمجھ حضرت شبلی کچھ ضرر نہ کرے
چھٹانک بھر بھی کھلا دو جو سنکھیا ہم کو

چھنو میاں سیندھی نوش

یہ نظم اس درویش کے ڈراما "کشت زعفران" میں ایک مسخرے شاعر چھنو میاں کی زبان سے ادا کیجاتی تھی ۱۲

آ رہی ہے عید اب چھنو میاں پینے کو ہیں
چھوٹے چھوٹے جھاڑوں کی بو[2] تو بھی آ دینے کو ہے

مرغ[1] بن میں میٹھی میٹھی سیندھیاں پینے کو ہیں
چار لوٹے جیسں کلو وہ لگیاں پینے کو ہیں

[1] مرغ بن حیدرآباد کی جانب مشرق سرورنگر کے متصل ایک پر فضا مقام ہے جہاں سیندھی کے درخت کثرت سے ہیں اکثر سیندھی نوش وہاں جاکر مرغ بھونتے اور سیندھی پیتے ہیں ۱۲

[2] مولو ۔ ایک سیندھی فروش کا نام ہے ۔ چھوٹے جھاڑوں کی سیندھی میٹھی اور مزیدار ہوتی ہے

[illegible]

ہم کو کس کا ڈر پڑا ہے ہم چھپائیں کسلئے
اگلی فصلِ بہار اب پھر مزا دیکھے کباب
حیف ہے شبنم ایسے وقت میں غائب ہوئے

پیتے ہی رہتے ہیں ہم اور اب ہی ان مینے گو
دمبدم ہم بٹیوں پر بٹیاں پینے کو ہیں
تم وہاں کیا پی سکو گے ہم یہاں پینے کو ہیں

دکھہ بھریں بی فاختہ اور کوّا انڈے کھائیں

یہ گیت ہمارے ڈراما "فسانہ عبرت" میں بیگم شاہ مکار فقیر کا گلنا تھا۔ اسکی دُھن مہندی ہے اور ہارمونیم کی گت پر بنایا گیا ہے اسمیں خصوصیت کیا تھا ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے ہارمونیم کے بول پوری طرح ادا ہوتے ہیں۔ یہ جلدی جلدی گایا جاتا ہے

نٹ کھٹ مت کر کھٹ پٹ جھٹ پٹ لمبا بن ۔ بک مت اٹ سٹ ۔ کر مت کھونسٹ ۔ احمق پن
سہکر وحشت محنت زحمت آفت ہم ۔ تجکر تن من بھر کر دُکھہ سُکھہ لیویں دھن
پھوکٹ میں تو لیکر ہم سے چھپت ہو گن کر کہن کہن ۔ کہن کہن ۔ کہن کہن کہن
نٹ کھٹ مت کر کھٹ پٹ جھٹ پٹ لمبا بن

واہ وا آئے بڑے ساجھا لگانیوالے
دُور ہو دُور ارے آگ لگانے والے
کیا مجھے جانچے دیتا ہے تو بندر بھبکی
کبھی بدخواہ کو پہلتے نہیں دیکھا شبنم

دھمکی دے دیکھے ہیں چالو نہیں لانے والے
ہمنے دیکھے ہیں بہت باتیں بنانے والے
اور ہونگے ترے دم جھانسو نہیں آنیوالے
خود ہی پھنس جاتے ہیں اوروں کو پھنسانے والے

نٹ کھٹ مت کر کھٹ پٹ جھٹ پٹ لمبا بن

سرتاج قلندر

یہ گیت اس درویش کے قومی ڈراما "دورِ آخری" میں ایک فقیر کا گانا تھا جو ماہ فروری ۱۳۱۵ف میں بمقام باغ عامہ مدرسہ آصفیہ کے جلسہ پنی ریڈنگ میں پبلک اسٹیج پر گایا گیا تھا اسکے ٹکڑے ہندی بحر میں نظم کئے گئے ہیں

سلہ بٹی چھوٹی کلیا کو کہتے ہیں جسمیں شہد ہی پایا جاتا ہے ۔ یہ لُٹی سے چھوٹی ہوتی ہے ۱۲

اور ۴ رمونیم کی ایک گت پر بنائے گئے ہیں ۱۲

سر تاج قلندر ہیں ہم حضرت بندہ پرور ہا

جھولی ڈالے پھرتے ہیں ہم کوچہ و بازار

دس کلیجے - چھ انڈے ہم کھا کھا کر کیا چین اڑاتے ہیں دن رتیاں

سر تاج قلندر ہیں ہم حضرت بندہ پرور ہا

خدا کے لال کہلاتے ہیں ہم کو وہ وہ مال	کہ جن کو دیکھکے بہتی ہے ہر کسی کی رال
ہر ایک محنت و مزدوری ہے ہمیں جنجال	وہ کہاں مست ہیں رہتے ہیں ہم سدا خوشحال

افیم چانڈو میں پیسے ہیں سب اڑا دیتے

جہاں میں پھرتے ہیں مشتبیاں کو دعا دیتے

سر تاج قلندر ہیں ہم حضرت بندہ پرور ہا

پہنی کفنی اور کنٹھا ہو اگلے کا ہار ہم کو نہیں اس پیشے سے اب مطلق ننگ و عا

ڈر کس کا - غم کس کا - ہر دم ہم اک چال چلیں ہیں جاسو سو گھتیاں

سر تاج قلندر ہیں ہم حضرت بندہ پرور ہا

چنڈول

ہمارے ڈراما "دور آخری" میں یہ ایک چنڈول باز کا گانا تھا - اسکی دھن ہندی اور وزن ناٹکی ہے ۱۲

لال پالے - بلبل پالے - پالا کوا کالا مرغ لڑائے تیتر پالے سب کو دیکھا بھالا

لال پالے - بلبل پالے - پالا کوا کالا

توتے، مینا، فاختہ، قمری، گرجا، لوا بٹیر شکرے - شاہیں باز اور بحری سکو رکھا گھیر

اگن کبوتر شام چڑیا سے بھی ہے دل سیر

لال پالے - بلبل پالے - پالا کوا کالا

شوق جو ہم نے کئے سب وہ پرندوں کے کئے جابجا پھرتے رہے ہاتھ میں پنجرے کو لئے

اشرفی - پیسے - روپے جتنے جو مانگے وہ دیئے جب پیدا ہوئے ہو شبار اسی دھن میں جئے

باغ بازی کی طراوت چمن شوق کا پھول
ہے اگر کوئی پرندہ تو فقط ہے چنڈول
ہیں جتنے پرندے دنیا میں چنڈول ہے سب سے اعلے — سب سے اعلے، سب سے نرالا۔ سب میں بالا
اسکی بولی کا ہوں میں متوالا

لال پالے ....

ایک تیتر باز کا گیت

یہ گیت بھی اس نیاز مند کے قومی ڈراما "دور آخری" میں ایک تیتر باز کا گانا تھا جو سب سے پہلے فروری ۱۹۰۸ء میں بمقام باغ عامہ مدرسہ آصفیہ کے جلسہ پینی ریڈنگ میں گایا گیا اور اسکے بعد دار التمثیل سوسائٹی میں جو مدرسہ مذکور کی اعانت کے لئے جون ۱۹۰۸ء میں قائم ہوئی تھی۔ پبلک اسٹیج پر لایا گیا اس گیت میں سوائے تین شعروں کے باقی ٹکڑے ہندی بحر میں ہیں اور وزن ناٹکی ہے

اتیر کے گھر یہ تیتر باہر باندھوں یا بھیتر
مار کے کانٹا توڑ کے بازو جو دبک جائیگا کس بل — پاکے فتح اور جیت کے بازی شہر میں ڈالیگا ہلچل
لڑ بھڑ کر دم بھر میں پیدا اٹھائیگا سر پر — کانپے گا دشمن خوف سے اسکے ڈر کر تھر تھر۔ تھر تھر تھر
اتیر کے گھر یہ تیتر باہر باندھوں یا بھیتر

فتح غیبی سے یہ تیتر ناصر و منصور ہے سامنے اسکے کوئی آیا تو دکھلا دینگے ہم	روح دشمن کے لئے آواز اسکی صور ہے ایک ہی ٹھوکر میں اسکی ہڈی پسلی چور ہے

اس سے جو بازی بدے سمجھیں یہ سمجھو اسے
الّو کی دم فاختہ ہے عقل سے معذور ہے

اتیر کے گھر یہ تیتر ......

مچھلی والے کا گیت

یہ گیت نیاز مند کے ڈراما "کشتِ زعفراں" میں ایک ماہی فروش کا گانا تھا اسکے دوسرے شعر کا ماخذ صائب کا یہ شعر ہے مگر میں نے مضمون دوسری طرح ادا کر دیا ہے۔

صحبتِ ناجنس گر جاں بخشدت ہمدم مشو
آب دریا میں کہ ماہی را بہ دام افگند و رفت

ندی جا کر ڈالا جال مچھلیا لے بھائی
اِس کوٹھی میں اب جاؤں۔ منہ مانگی قیمت پاؤں ✣ پلٹوں والے لیکر مال۔ روپیا چہرہ شاہی
ندی جا کر ڈالا جال مچھلیا لے بھائی

گرچہ اب افلاس سے حالت ہماری زار ہے — ہاتھ لگ جائیں جو کچھ پیسے تو بیڑا پار ہے
جال میں مچھلی کو پانی چھوڑ کر چلتا بنا — سچ ہے کوئی بیکسی میں کب کِسی کا یار ہے
تیل ماہی گر زرہ بھی پہنی تو شبیل کیا — تیغ صیادِ اجل کا چوکتا کب وار ہے

محنت پر محنت جھیلی۔ آخر سب اُجرت لے لی ✣ سو ہو مچھلی لایا مار۔ یاروں کی بن آئی
ندی جا کر ڈالا جال مچھلیا لے بھائی

ٹھگوں کا گیت

نیاز مند کے ڈراما "دورِ آخر یہ" میں ٹھگ یہ گیت گاتے تھے ۱۲

دیبی[1] کے ہم پیارے پنڈے — کھا کر مال بنے ہیں سنڈے
دیبی کے ہم ....
دیکر جھرنی[2] آنکھ بچا کر ڈالیں ہم رومال — ایک ایک پہل میں دس دس دابیں رہتے ہیں خوشحال
دیبی کے ہم ....

[1] دیبی سے درگا یا کالی مائی مراد ہے جو خونریزی کو بہت پسند کرتی ہے ہر دیبی کو ٹھگ اپنا مربی و سرپرست سمجھتے تھے ۱۲

[2] جھرنی وہ اشارہ جسکے بعد ٹھگ مسافروں کے گلے میں رومال ڈالکر پھانسی دیتے تھے ۔

شرابیوں کا گیت

یہ گیت بھی زمانۂ عشرت میں گایا جاتا تھا۔ اسکی دھن ہندی اور وزن ناٹکی ہے

گلرنگ ساغر پیجیے

آیا ہے وقت عشرت ۔۔۔ ہے دور رنج و کلفت
چلوؤں میں بھر بھر پیجیے..... گلرنگ.........

جھوم آئے کالے بادل ۔۔۔ دل ہو نہ کیسے بے کل
بے فکر کیوں کر پیجیے...... گلرنگ.........

پڑتی ہیں بوندیں چھم چھم ۔۔۔ گر عیش چاہو اس دم
تو خوب ڈٹ کر پیجیے..... گلرنگ.........

شبلیؔ تم نا مانے ۔۔۔ ہم ہارے کہتے کہتے
اے بندہ پرور پیجیے..... گلرنگ ساغر......

باب سوم

جذبات مذہبی

فصل اوّل

نعتیہ و اشتیاقیہ

حمد و نعت

زیبا تجھے بقا کا — ہے ذوالجلال سہرا
رحمت تری خصائل — شفقت تری شمائل
الطاف ایزدی کا — افضال سرمدی کا
خلق محمدی کی — خوشبو مہک رہی ہے
وہ سرورِ دو عالم — وہ فخرِ نسلِ آدم
وہ شاہِ بیکساں ہے — وہ نورِ عرشِ اعلیٰ
یارب شریک ہم بھی — اُسکی برات میں ہوں

تیرے ہی سر بندھا ہے — یہ لازوال سہرا
لطف و عطا ہیں زیور — جاہ و جلال سہرا
ہے تجھکو ہی سزاوار — اولاینال سہرا
رحمت کا اُنکے سر ہے — اک بیمثال سہرا
لولاک کا ہے جن کے — سجتے پہ وال سہرا
جسکا ہے قدسیوں کو — ہر بال بال سہرا
محشر میں جسکے باندھے — وہ خوش جمال سہرا

حاجیوں کا داخلہ مدینے میں

قافلے والو! اُٹھو۔ وقت سحر ہونے لگا — اب ہوائے باغِ یثرب کا اثر ہونے لگا

اب یہ وقت آیا کہ اونٹوں پر سوار ہیں حاجیو
لو دکھائی دے رہے ہیں وہ مدینے کے مکاں!
شکر ہے!! اب آن پہنچے منزلِ مقصود پر
[illegible] واں ہو گئے حاجی پئے طوفِ حرم
ہم کو بھی شبیر خالی کا مہینہ انکو عید

حاجیو! اُترو - کہ روضہ جلوہ گر ہونے لگا
سامنے آنکھوں کے اب ہر بام و در ہونے لگا
اب گلی کوچوں میں یثرب کی گزر ہونے لگا
رشک سے مجھکو یہاں دوران سر ہونے لگا
جنکے ہاں اب حج کا سامان سفر ہونے لگا

ہوائے یثرب

ایک دفعہ کا ذکر ہے - برسات کے دن تھے - جھم جھم - چھم چھم - مینہ برس رہا تھا - ہوا زور سے چل رہی تھی - گھر گھر میں کہیں جھولا پڑا تھا - جھولنے والوں کے گیتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی اُس وقت مجھے اپنا بچپن اور وہ پہروں تک جھولنا یاد آگیا طبیعت پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی - دل جھولنے کو چاہا اور جی میں آیا کوئی ملار کہوں مگر ان دنوں مدینہ منورہ کی دھن لگی ہوئی تھی اسلئے ملار تو بن نہ سکا اور اُن خیالات کا رُخ اس نظم کی طرف پلٹ گیا -

بطنِ عقیق جسکا ذکر اس نظم کے مطلع میں کیا گیا ہے مدینہ منورہ سے دو کوس جنوب و مغرب کی جانب مکے کی سڑک پر واقع ہے - اس کو وادئ عقیق بھی کہتے ہیں - یہ مقام نہایت دلکش و پرفضا ہے احادیث میں اسکی فضیلت بیان کی گئی ہے - بعض شعرائے عرب نے اسکی تعریف میں اشعار لکھے ہیں آنحضرت صلعم کو اس جگہ سے ایک خاص اُنس تھا - آپنے اسے وادئ مبارک فرمایا ہے آپ یہاں کا پانی بڑی خوشی سے نوش فرماتے تھے اور کبھی کبھی ہوا خوری کیواسطے تشریف لیجاتے تھے ۱۲

ہے کہاں بطنِ عقیق اور وہ بولوں کی ہوا
کوئی جھونکا اسکے روضہ سے بھی لا بادِ سحر!

چلکے واں پینگیں بڑہائیں - کہاں جھولوں کی ہوا
جس سے دنیا میں بندھی سارے رسولوں کی ہوا

سلہ مدینہ منورہ سے ڈیڑہ دو کوس کے فاصلہ پر بیرِ علی ایک مقام ہے - یہاں کھجور کے درختوں کا جھنڈ اور ایک کنواں ہے مکے سے مدینے جاتے وقت یہ سب سے آخری منزل ہے یہاں سے روضۂ مقدس نظر آنے لگتا ہے - اس جگہ سے اکثر حجاج پیدل ہو جاتے ہیں بعض نہایت شوق سے حالت وجد میں اونٹوں پر سے کود پڑتے ہیں - شبیر اسوقت عالم خیال میں بیرِ علی تک پہنچ گیا ہے ۱۲

خدمتِ اقدس میں پہونچا یا نہ کیوں شہر اسلام — کہتے ہیں ہوتی ہے قاصد تجھکے پھولوں کی صدا
کس زمیں کی خاک عطر افشاں گزشتہ نے حجاز — مجھکو تم سے آتی ہے جنت کے پھولوں کی ہوا
ہے حجازی خاک سے شبیر میری نا شستہ — دل کو کھینچے کیوں نہ یثرب کے بگولوں کی ہوا

غزل

احمد پاک تک اشکوں سے جایا نہ گیا — قصہ شوق مرا اُن کو سنایا نہ گیا
آتش ہجر غریبوں کی بجھائی نہ گئی — ہم کو طیبہ میں خداوند بلایا نہ گیا
آنکھیں دیدار مقدس کو ترستی ہی رہیں — مُجھکو روضہ مرے سرکار کا دکھایا نہ گیا
منتظر راہ میں بیٹھے ہیں بڑی مدت سے — قاصد شہ مگر اب تک کوئی آیا نہ گیا
ساتھ ہو لیں گے ضرور اب کے تو ہم بھی شبیر — سوئے یثرب کوئی زائر جو گدایا نہ گیا

نقشہ کعبہ و مدینہ دیکھکر ایک مشتاق کے خیالات

الہی! یہ میرے سامنے ہے در رسالت مآب کیسا — میں جاگتا ہوں کہ سو رہا ہوں یہ دیکھتا ہوں میں خواب کیسا؟
کہاں یہ شبیر پر معاصی! کہاں جناب رسول مکی! — ہوئی ہے کایا پلٹ یہ کیسی ہوا، یہ انقلاب کیسا؟
جو میں ہوں محو طواف کعبہ تو دل ہے مصروف سیر طیبہ — یہ دو دو ہاتھوں سے لوٹتا ہوں جناب بھائی ثواب کیسا؟
حضور میرے! امام میرے! جناب خیر الانام میرے! — بنا دو اب سارے کام میرے! غلام پر ہے عتاب کیسا؟
ہزار تم سے جدا پڑا ہوں اسیر حرص و ہوا پڑا ہوں — مگر جو در پر اب آ پڑا ہوں تو مجھ پہ شاہا! عتاب کیسا؟
اگرچہ کی ہیں بہت خطائیں بجا ہے بھگتیں جو ہم سزائیں — مگر جو سرکار بخشوائیں تو عیب کیسا صواب کیسا؟
متاع عصیاں کو ہم نے بیچا تمہاری رحمت نے ہے خریدا — ہوا ہے سب لین دین پورا ہمارے ذمے حساب کیسا؟
تمہارا جب نام لیکے شاہا گھسیں گے جنت میں بے تحاشا — تو منہ تکیں گے ملک ہمارا سوال کیسا جواب کیسا؟

غزل

یثرب کو کوئی سر کے ہی بل جائے تو اچھا — بل سر سے جو نخوت کا نکل جائے تو اچھا

بیمار نبی جاکے مدینے میں عزیزو	مرجائے تو اچھا جو سنبھل جائے تو اچھا
خورشید لب بام ہوں بھیجو مجھے طیبہ	یہ دو گھڑی دن اب وہیں ڈھل جائے تو اچھا
زمزم کا مزا دیں گے فراق شہ دیں میں	آنسو کوئی اپنے جو نگل جائے تو اچھا
دامن سے گناہوں کے یہ دھبے نہ چھٹینگے	چشمہ کوئی آنکھوں سے ابل جائے تو اچھا
حجاج مدینے سے جب آنے لگیں شیداؔ	روضے پہ مری روح مچل جائے تو اچھا

غزل

یوں ہوا و حرص میں ہم نے دی ۔ کہو کونسی نہ قسم اٹھا
کسی کا فریشہ مِرا آج تک ۔ مگر ایک بھی نہ درم اٹھا
جو تو امن چاہے تو کعبے چل ۔ نہ صنم کدے میں ستم اٹھا
جبیں آستان تباں سے اب ۔ تجھے میرے سر کی قسم اٹھا!!
در دیر پر ہی اڑے رہے ۔ کبھی بیٹھے گاہ کھڑے رہے
غرض ہند میں ہی پڑے رہے ۔ کبھی قبلہ رخ نہ قدم اٹھا
رہ حشر میں ہے ہی لاکھ خم ۔ مگر اس کا ہم کو نہیں الم
وہاں ڈگمگائے بھی گر قدم ۔ ہمیں لیں گے شاہ امم اٹھا
وہ حضور سرور انبیا ۔ وہ جناب احمد مجتبےٰ
جنہیں سجدہ کرنے کو جب جھکا ۔ تو نہ مدتوں بھی قلم اٹھا
شیداؔ اب مدینے چلے چلو ۔ کرو عزم جیسے بنے چلو
نہ رکو کہیں بھی بڑھے چلو !! کہ جو دل بڑھا تو قدم اٹھا

یثرب سے شکایت

گھر ہیں ایسے تری خاک میں لہا یثرب	خجل رہیں گے سدا جن سے بجھ دکا یثرب
خزاں کا ہاتھ نہ پہونچے گا تیرے دامن تک	رہیگے سبز سدا تیرے گلستاں یثرب

پھرے بھرے وہ رہے گئے تیری خیاباں میں / لگا گیا ہے جو اشجار ۔ باغباں یثرب

زمین بدلے ۔ زماں بدلے ۔ آسماں بدلے / نہ بدلیں گے ترے گلزار بے خزاں یثرب

مری نظر میں یہاں کے پر امن شہر ولے ہے / ہیں دلفریب ترے دشت بے اماں یثرب

ق

سوائے قصہ حجاج و ذکر راہ حجاز / مجھے پسند نہیں کوئی داستاں یثرب

ہزاروں پہونچے ترے در پہ کارواں یثرب / کیا نہ مجھ کو مگر تو نے میہماں یثرب

تری زمیں ہے یا کوئی آسماں یثرب؟ / کہ تجھ تلک نہیں پہونچی مری فغاں یثرب

میں دشت و کوہ میں ۔ بستی میں یا بیاباں میں / پکارتا پھروں تجھ کو کہاں کہاں یثرب؟

اثر ہوا نہ کبھی تجھ کو آہ و نالے کا / صدا گئی مری فریاد رائگاں یثرب

میں وہ کہ میری رگ و پے میں ہے تری الفت / تو وہ ۔ کہ بھول گیا ہے مرا نشاں یثرب

مجھے یہ شوق کہ حاجی جو ہم نشیں مل جائیں / سنا کروں تری دن رات داستاں یثرب

تجھے خبر ہی نہ ہوگی میں کون ہوں کیا ہوں / مری زباں پہ ہیں تیری کہانیاں یثرب

سمجھ لیا ہے مگر مجھ کو تو نے بیگانہ / ہوا ہے مجھ سے تو کیوں اتنا بدگماں یثرب

اگر تو قبر کو گز بھر زمیں مجھے دیدے / تو میں یہ سمجھوں ملی عمر جاوداں یثرب

میں وہ نہیں کہ رہوں جیتے جی ہی تک در پے / نہ چھوڑوں گا ترا مر کر بھی آستاں یثرب

بحق حضرت شبیر اڑ کے پہونچو لگا / کرے جو پیس کے سرمہ بھی آسماں یثرب

مرا خمیر ہے طیبہ کا پھر عجب کیا ہے / جو اڑ کے پہونچیں مری خاک آ ملے یا یثرب

مکے کا ایک مسافر

آمادہ سفر ہے مکے کا اک مسافر / باندھے ہوئے کمر ہے مکے کا اک مسافر

ساتھ اک ذرا سا ساماں ڈالے گلے میں قرآں / جاتا ہے یوں بصد شاں مکے کا اک مسافر

ہیں جمع اہل الفت طاری ہے اپنی رقت / ہوتا ہے سب سے رخصت مکے کا اک مسافر

منہ سب سے موڑتا ہے سب رشتے توڑتا ہے / بچوں کو چھوڑتا ہے مکے کا اک مسافر

برپا ہے سخت طوفاں سب کے خطا ہیں اوساں / پر کچھ نہیں پریشاں مکے کا اک مسافر

موجوں کا ہے تھپیڑا ہر اک ہے گرملا گرآتا
ڈرتا نہیں پر اصلا مکے کا اک مسافر

زوروں پہ اب ہوا ہے دل سب کا ڈوبتا ہے
بیٹھا یہ گا رہا ہے مکے کا اک مسافر

راہ عرب کے خطرے دکھ درد اور صدمے
سہتا ہے سب خوشی سے مکے کا اک مسافر

چاروں طرف ہے جنگل چھایا ہوا ہے بادل
اوڑھے ہے پڑا ہے کمل مکے کا اک مسافر

شبیر دشت پیما شیدائے خاک بطحی
مشتاق حج کعبہ مکے کا اک مسافر

غزل

شب ہجراں! عبث لپٹی ہے تو کالی بلا ہو کر
لے - اب میں ساہی چلا ظالم! مدینے کربلا ہو کر

نہیں درکار ہم کو رہنما دشت حجازی میں
نہیں خود لے چلیگا شوق امیر قافلہ ہو کر

در و دیوار یثرب سے مجھے لاکھوں امیدیں ہیں
مرے کام آئیگا ہر ذرہ واں حاجت روا ہو کر

فراق شاہ میں اک اک گھڑی سو سو برس کی ہے
شب فرقت ڈراتی ہے مجھے روز جزا ہو کر

کہیں بھی ہم اٹھیں بیٹھیں مگر دل ہے کہ طیبہ کی
پھرا کرتا ہے دن ہی طائر قبلہ نما ہو کر

در اقدس پہ بلوایا نہ اب تک یا رسول اللہ
مری مشکل نہ حل کی آپ نے مشکلکشا ہو کر

عدم کے جانے والو خاک یثرب ساتھ لیجاؤ
تمہیں یہ راستے بھر کام دیگی کیمیا ہو کر

نگہباں اپنی کشتی کے محمد ہیں تو کیا ڈر ہے
ہمیں کو کیا ڈبا دیں گے ہمارے ناخدا ہو کر

مدینے کے سفر میں شرط کیا شبیر سامان کی
جو ملجائے تو اک کشکول لے لو بینوا ہو کر

غزل

بندوں کی صفت اور ہے اوصاف خدا اور
دیتا ہے وہ ڈھیل اور یہ کرتے ہیں خطا اور

کچھ کم نہ تھی پہلے ہی ہمیں جرأت عصیاں
رحمت نے تری دل کو دیا آج بڑھا اور

کافی تھی محمد ہی کی اک ہم کو شفاعت
پھر اس پہ یہ طرہ ہے کہ ہے فضل خدا اور

واعظ! مجھے جز نعت نبی کچھ نہ سنا اور
ہے درد تو پہلے ہی سے اب سر نہ پھرا اور

وہ گلشن رضواں ہی - یہ ہے باغ رسالت ... جنت کی ہوا اور ہے یثرب کی فضا اور
ہے سیر زیارت بھی تماشائے حرم بھی ... سب کچھ تو عرب میں ہے یہاں اب جا کیا اور؟
بیمار بھی ہو گئے مدینے ہی میں اچھے ... ہے انکا علاج اور، دوا اور، غذا اور
کیا خاک یہ پہونچا گئی یثرب مرا پیغام ... میں پوچھتا کچھ اور ہوں کہتی ہے صبا اور
جو خواب دیکھ چکا ہے کبھی شبیر ... یارب تو دکھا اور دکھا اور دکھا اور

حضرت شفیع المذنبین کی خدمت میں سلام

یا حبیب خدا ! سلام علیک ... یا شفیع الورا ! سلام علیک
رہبر و رہنما ! سلام علیک ... مرشد و پیشوا ! سلام علیک
وعلیک السلام ! یا ہادی ! ... یا امام الہدا ! سلام علیک
زبدۂ کائنات ! صلّ علیٰ ! ... فخر ارض و سما ! سلام علیک
مرحبا ! یا مدثر و طٰہٰ ! ... احمد مجتبیٰ ! سلام علیک
سید المرسلیں ! تعالی اللہ ... خاتم الانبیا ! سلام علیک
قاطع کفر و شرک ! صلی اللہ ... شیر دشت وغا ! سلام علیک
حبذا ! شاہ مسند الفقر ! ... خرقہ پوش رضا ! سلام علیک
معدن خلق و منبع رحمت ! ... بحر حلم و حیا ! سلام علیک
قبلۂ دین و کعبۂ ایمان ! ... مرجع اصفیا ! سلام علیک
افتخار زمیں ! درود و سلام ! ... نور عرش العلیٰ ! سلام علیک
التحیات ! یا رسول اللہ ! ... پادشاہ دوسرا ! سلام علیک
مصدر وحی و مہبط جبریل ... مرکز حق نما ! سلام علیک
بارک اللہ ! شافع محشر ! ... صدر روز جزا ! سلام علیک

دست بستہ بصد ادب شبیر
کہہ رہا ہے شہا ! سلام علیک

سلام

مدینے جو مرا پہونچا دے ایک بار سلام — کروں ادب سے میں جھک جھک کے اسکو چار سلام

صبا! تو روضۂ اقدس پہ میری جانب سے — بصد ہزار ادب عرض کر ہزار سلام

غریب پہونچے نہ دربار شاہ طیبہ تک — وطن میں آگئے کر کرکے مالدار سلام

حضور سرورِ عالم! بلائیے اس کو — پڑھے ہے غلام بھی آکر سرِ مزار سلام

بہا دوں آنکھوں سے شب بھر چشمۂ زمزم — پڑھوں جو روضے پہ رو رو کے زار زار سلام

غزل ناتمام

قدم کسی کا کعبے میں آ گیا۔ کہ زمیں پہ بت ہے ہر اک گرا — لگے کہنے وہ بھی خدا خدا۔ جو پکارتے تھے صنم صنم

میں بنا تا فردِ گناہ کی! مگر آنسوؤں کی یہ لگی جھڑی — کہ پھری بہی بہی بہی بہی۔ کوئی ہو سکی نہ رقم رقم

رہے شہ کے قدموں سے دور اگر۔ تو بہشت بھی ہے ہمیں سقر — جو نہ آئے جلوۂ شہ نظر۔ ہے جناں جنانِ ارم ارم

نظر اب مدینہ جو آ گیا پڑا عاشقوں میں یہ غلغلہ — کوئی "روضہ روضہ" ہے کہہ رہا۔ کوئی چیختا ہے "حرم حرم"

نہ ڈرو صراط سے عاصیو۔ میں غلامِ شہ ہوں نہ غم کرو — مرا ہاتھ پکڑو بڑھے چلو۔ مرے ساتھ آؤ قدم قدم

یہ نمود جو ہوئی نمود ہے۔ نہ نزول ہے نہ صعود ہے — اسے تم کہو کہ وجود ہے۔ مگر ہم کہیں گے عدم عدم

صلی اللہ علیہ وسلم

سرورِ عالم احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم — ختم رسالت اکبر و اکمل صلی اللہ علیہ وسلم

ہاتھ میں انکے دوزخ و جنت سر پر انکے تاج شفاعت — پھر اسپر اوڑھیں کالا کمل صلی اللہ علیہ وسلم

آئے بہت سے دین کے حامی باقی رہی کچھ پھر بھی کمی — دین ہوا ہے ان سے مکمل صلی اللہ علیہ وسلم

واللیل انکی زلف معنبر ہے والشمس انکا روئے منور ہے — نیّر ہے انکی برج محمل صلی اللہ علیہ وسلم

کہتے تھے سلیمان رب ہب لی ملکی تم کہتے آپ الفقر فخری — دنیا سے یہ سمجھے دین افضل صلی اللہ علیہ وسلم

جب آئے وہ اُمّی اس محفل میں دنیا کی کتابیں تھیں سب کمیں — منسوخ کیے ادیان و ملل صلی اللہ علیہ وسلم

شاہد انکے رتبہ اعلیٰ پہ ہے انا اعطینٰک الکوثر	لولاک لما ہے قول فصیل صلی اللہ علیہ وسلم
انکی عبادت اللہ اللہ!! انکی ریاضت ہٗ ہٗ ہٗ ہٗ	شان میں اترا انکی مزمل صلی اللہ علیہ وسلم
نیکوں کے آگے آئیگی نیکی ارشاد انکا ہے الطالح لی	وہ انکی رحمت یہ اپنے عمل صلی اللہ علیہ وسلم
شب بیداری ہو اب صیقل علی اس پاک نبی پر جب یہ صدا	پڑھتا ہے خدائے عزو جل صلی اللہ علیہ وسلم

میلاد مسیحؑ

یہ بہت بڑا قصیدہ تھا مگر افسوس ہے کہ وہ بربرد ہوگیا - صرف چار شعر اسکے یاد رہ گئے ہیں حضرت عیسیٰؑ کے میلاد شریف کے مختلف واقعات اس نیازمند نے نظم کئے تھے ۱۲

مرحبا ماہ دسمبر! اے کرسمس! السلام	اے زہے صبح مبارک! اے خہے فرخندہ شام
اے خوشا ساعت! کہ عالم میں ہوا اب جلوہ گر	چارہ ساز دردمنداں عیسیٰ گردوں مقام
مژدہ جاں بخش پہونچا اب مریضوں کیلئے	جانفزا اور روح پرور آیا مردوں کو پیام
انکی اب تکمیل انجیل مقدس سے ہوئی	باتیں جو توریت میں کچھ رہ گئی تھیں ناتمام

غزل

مرقد سے جو ہم عاصی سرگرم فغاں اٹھیں	فتنہ ہو جہاں بیٹھیں محشر ہو جہاں اٹھیں
اے خاک عرب تیرا دلکش ہے ہر اک ذرہ	بیٹھیں تو کہاں بیٹھیں؟ اٹھیں تو کہاں اٹھیں
اٹھیں قدم شاہا جب تیرے غلاموں کے	پھرے کے گناہوں کا کیا بار گراں اٹھیں
جس جا قدم ڈالا گزرے ہوں نہ ہم کیونکر	سو دفعہ وہاں بیٹھیں سو دفعہ وہاں اٹھیں
اب موسم حج آیا واجب ہے طواف آؤ	حجاج وہاں اٹھیں مشتاق یہاں اٹھیں
جانا ہی وہاں شب بیدار مشکل ہے وگرنہ ہم	اڑ کر در اقدس پر بیٹھیں تو کہاں بیٹھیں

مشتاق کعبہ

زمزم پہ کیا خوشی سے حاجی نہا رہے ہیں	ہم بے نوا و بے زر آنسو بہا رہے ہیں

طے کرکے بحر و بر کی دور و دراز راہیں
اُڑتے ہوئے ہوا میں مشتاق جا رہے ہیں

اللہ رے شوق اِنکا اللہ رے ذوق اِنکا
ہر ہر قدم پہ حاجی آنکھیں بچھا رہے ہیں

چھاؤں ببول کی ہے طوبیٰ کا انکو سایہ
بطحیٰ میں یہ ہوائیں جنت کی کھا رہے ہیں

کیا راہ کی صعوبت کیا ظلم بدویوں کے
اِک اِک ستم میں انکو سو لطف آ رہے ہیں

لبیک کی صدا سے کہسار گونجتے ہیں
دشت و جبل میں عاشق نعرے لگا رہے ہیں

سینے میں دل ہمارا بھرنے لگا قلانچیں
اونٹوں کو ساربان اب جلدی چلا رہے ہیں

دریا امنڈ رہے ہیں ہر سمت حاجیوں کے
دن رات قافلے اب مکے میں آ رہے ہیں

دل بیٹھنے لگا ہے کیوں خود بخود ہمارا
شاید حرم میں حاجی ڈیرے لگا رہے ہیں

میدان میں کل آکر اُتریگا مصری محمل
حجاج منتظر ہیں خوشیاں منا رہے ہیں

کیوں آ رہی ہیں لپٹیں مشک و گلاب کی اب
کعبے کو کیا مطوف دُلہن بنا رہے ہیں

دین خدا کی فوجیں ابلے رہی ہیں لہریں
احرام کے پھریرے حاجی اُڑا رہے ہیں

رومی و شامی ہندی ایرانی روسی چینی
اِک رنگ میں رنگے ہیں اک راگ گا رہے ہیں

شاہ و غنی تونگر مفلس فقیر بے زر
دربار ایزدی میں سب سر جھکا رہے ہیں

کیا تاج بادشاہی کیا کاسۂ گدائی
بازار مصطفےٰ میں دام ایک پا رہے ہیں

ہے جشن عید اضحیٰ دھومیں مچی ہوئی ہیں
عالم میں دینِ حق کا ڈنکا بجا رہے ہیں

مل ملکے کہہ رہے ہیں سب "حجکم مبارک"
پوری ہوئیں مرادیں نذریں چڑھا رہے ہیں

حمد و ثنا کے نعرے پہونچے ہیں آسماں تک
عرش بریں کو حاجی سر پر اٹھا رہے ہیں

مکے میں آج رحمت چھم چھم برس رہی ہے
بن بن کے نور بادل جھڑیاں لگا رہے ہیں

کنج قفس میں بلبل اب کیونکر پھڑ پھڑائے
مالی چمن میں منڈوے پھولوں سے چھا رہے ہیں

اے کعبۂ مطہر! اے قبلۂ مقدس!
سچ کہیو ہم بھی تجھکو کچھ یاد آ رہے ہیں

اے خاک پاک مکہ! گو تو نے ہم کو چھوڑا
ہم اب بھی تیرے نقشے دل میں جما رہے ہیں

تیرا جمال دلکش دیکھا نہیں تو کیا ہے
سارے سمے ہماری آنکھوں میں چھا رہے ہیں

ہم طائران بے پر ظاہر یہاں پڑے ہیں
لو وہ صفا پہ لیلکن کا وا لکار رہے ہیں

دیکھو وہ سامنے ہے اس وقت کوہ رحمت
آآ کے وہ فرشتے خطبہ سنا رہے ہیں

شبابیؔ! حاجی شبیر!! شبیر! حاجی شبیر!!
وہ دیکھو! مکے والے مجھ کو بُلا رہے ہیں

تمنائے مدینہ

تمنا ہے کہ دربارِ محمد کا سماں دیکھیں
ملائک سر جھکاتے ہیں جہاں وہ آستاں دیکھیں

بڑھیں جب جدہ میں کہتے ہوئے "لبیک یا مولا"
تو ہم نیچی زمیں دیکھیں نہ اونچا آسماں دیکھیں

عجب کیا ہے جو آنکھیں روزنِ دیوارِ نبی دیکھیں
تمہارے روضے کی یا شاہ جب ہم جالیاں دیکھیں

سراپا نور ہے مرقد۔ نہ کیوں مشتاق حیراں ہو
ادھر دیکھیں۔ اُدھر دیکھیں کدھر دیکھیں کہاں دیکھیں

سُہانا صبح کا عالم۔ مزہ دلکش شام یثرب کی
کہاں ایسے نصیب اپنے جو جاکر یہ سماں دیکھیں

نہ جانے اب کہاں پہنچے کہاں ڈیرے لگائے ہیں
الٰہی! کس طرح ہم حاجیوں کا کارواں دیکھیں

نظر آتا ہے طیبہ کا ہمیشہ اک نیا منظر
نگاہِ شوق سے شبابیؔ! جب دیکھیں جہاں دیکھیں

سرکار بلالیں یثرب میں

ہے میری دعا یہ شام و سحر سرکار! بلالیں یثرب میں
اب وردِ زباں ہے آٹھ پہر سرکار! بلالیں یثرب میں

پوری ہو تمنا یہ میری ہوس ہاں خالی نہ جائے اب کا برس
بھجوا کے مجھے کچھ زادِ سفر سرکار! بلالیں یثرب میں

کیا حالتِ دل اب عرض کروں ہے شوقِ زیارت حد سے فزوں
بیٹھا ہوں یہاں میں باندھے کمر سرکار! بلالیں یثرب میں

طیبہ کی طرف حجاج چلے کچھ چل دئے کل کچھ آج چلے
کہتا ہوں میں کر حسرت سے نظر سرکار! بلالیں یثرب میں

ایسی نہ چلی افسوس ہوا لے جاتی جو طیبہ مجھ کو اُڑا
کہتا ہی رہا میں شام و سحر سرکار! بلالیں یثرب میں

وہ گنبدِ خضرا سامنے ہو وہ روضۂ والا سامنے ہو
ہو مرقدِ انور پیشِ نظر سرکار! بلالیں یثرب میں

آ جائے نظر وہ پاک زمیں شرماتی ہے جس سے خُلدِ بریں
اب لطف و کرم سے مجھ کو اگر سرکار! بلالیں یثرب میں

شبلیؔ کا ہے اتنا ہی پیام پہونچا کے وہاں صلوٰۃ و سلام
یہ کیجیو عرض اے بادِ سحر سرکار! بلالیں یثرب میں

غزل

مدینے جانے کے کچھ ساز و ساماں تیے ہوجاتے ہیں
غریبوں کے بھی پورے اب تو ارماں تیے ہوجاتے ہیں

چلے آتے ہیں جمگھٹ زائروں کے دشت و دریا سے
حضورِ سرورِ عالم کے مہماں ہوتے جاتے ہیں

ہوا ہے مسئلہ درپیش اب اذنِ شفاعت کا
بَری ہر جرم و عصیاں سے مسلماں تیے ہوجاتے ہیں

ہوئی تسکین حاصل انکے قلبِ مضطر کو اب
غلاموں پر شہِ بطحیٰ کے احساں تیے ہوجاتے ہیں

یہ کِس کی بارگاہ اقدس و اعلیٰ میں پہونچے ہیں
کہ اب تو بے نوا بھی شاہ شاہاں تیے ہوجاتے ہیں

گناہوں پر کہاں ضد اب وہ ایامِ جوانی کی
خدا کا شکر ہے ہم بھی پشیماں تیے ہوجاتے ہیں

عجب دیکھا اثر شبلیؔ! یہ نعتِ پیمبر کا
مرے اوراقِ دیواں اب گلستاں تیے ہوجاتے ہیں

میلادِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

یہ نظم حیدرآباد کے ایک ادبی رسالے "ترجمان" میں ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۴ھ میں شایع ہوچکی ہے ۱۲

آج وہ دن ہے کہ جنت کی ہوائیں آئیں
عرشِ اعلیٰ سے سلامی کی صدائیں آئیں

کوہِ رحمت سے گرجتے ہوئے بادل اُٹھیں
جبلِ نور سے گھنگھور گھٹائیں آئیں

چرخ سے صلِ علیٰ کہتے ملائک اُتریں
حوریں اب راگ شہانہ کوئی گائیں آئیں

جابجا شربتِ کوثر کی سبیلیں رضواں
چمنِ گلشنِ ہستی میں لگائیں آئیں

خانۂ کعبہ میں اب ڈھادیں بتوں کو جبرئیل
عَلَمِ سبز خضر لا کے چڑھائیں آئیں

خلد سے اٹھیں نسیم سحری کے جھونکے
شعلۂ آتش زرتشت بجھائیں آئیں

کاخ کسریٰ نے بھی سر خوب اٹھا رکھا ہے
اس کو عمال قضا نیچا دکھائیں آئیں

مجلس آراستہ اسوقت فرشتے کردیں
فرش آنکھوں کا سر راہ بچھائیں آئیں

زینت افزائے دو عالم سر بزم آتا ہے
قدسی اب مسند اقبال سجائیں آئیں

اب ظہور شہ بطحیٰ ہے ! نبی و مرسل
انکی بعثت کے لئے ہاتھ بڑھائیں آئیں

کعبۂ امن و اماں آتے ہیں اب جن و بشر
اپنی آنکھوں سے قدم انکے لگائیں آئیں

قبلۂ کون و مکاں احمد ذیشاں آئے
انبیاء اب سر تسلیم جھکائیں آئیں

لاتے ہیں سرور کونین محمد تشریف
مرسلین نعرۂ تکبیر لگائیں آئیں

ق

قابل دید یہ محفل ہے ولیکن شبلی
کیسے ہم دیکھیں ؟ جو سرکار بلائیں آئیں

اپنے شاؤں کو اب دیدو اجازت شاہ
کہ "یہ عاصی بھی جو آتے ہیں تو آئیں آئیں"

فقیرانہ غزل

منزل ہے کڑی اور سخت ہے راہ ۔ اب ٹھیرئے یاں اک رات میاں
چل دیجئے اٹھکر صبح اکیلے ۔ سنگ بھلا نے ساتھ میاں

تم باتوں سے اپنی بات نہ کھو ۔ سو بات کی بس اک بات کہو
جل بات میں ہاں کچھ بات بھی ہو ۔ اُس بات کی پھر کیا بات میاں

جو چال ہی اپنی چوک گئے ۔ جو نقشے تھے سوچے وہ نہ جمے
اب زد میں کچھ ایسی آن پھنسے ۔ ہر ڈھب سے ہے ہم کو مات میاں

یکساں ہے وہاں سب قوم و حسب ۔ دنیا ہی کے ہیں یہ تفرقے سب
کب پوچھتے ہیں وہ نام و نسب ۔ کام آتی ہے واں کب ذات میاں

جب ہاتھ کی اپنے بات تھی سب ۔ ہم بیٹھے تھے رکھے ہاتھ پہ ہاتھ
ہاتھ آتا ہے کیا افسوس سے اب ۔ ہیہات میاں ۔ ہیہات میاں

بستی میں رہے اور دن میں پھرے ۔ ہم گھر سے نہ نکلے رات گئے
سنسان ہے جنگل قبر اندھیری ۔ کیسے کٹے گی رات میاں

فرمائیں اگر کچھ لطف و کرم ۔ وہ سرورِ عالم شاہِ امم
پھر قبضے میں لانا باغِ ارم ۔ ہے اپنے لئے اک بات میاں

جب نعت کا دفتر ساتھ لئے ۔ حضرت کی طرف شبیرؔ بڑھے
پہونچا دیں فرشتے کیوں نہ اُسے پھر خلد میں ہاتھوں ہاتھ میاں

اشتیاقِ حج

ترے لطف و کرم کا سب سُن کے اذنِ عام بیٹھے ہیں ۔ مگر ایک الٰہی ! ہم یونہی ناکام بیٹھے ہیں
اِدھر دل کے کئی حج ہو چکے ہم بینوا اب تک ۔ اُسی اک فکر میں لینے کی قرض و وام بیٹھے ہیں
بھروسہ ہے بھیجینگے سب ہمارے کام کعبے میں ۔ اسی امید پر چھوڑے ہوئے سب کام بیٹھے ہیں
صبا نے ، دل نے ، قاصد نے کسیے بھی نہ پہنچایا ۔ غرض ہم سب کے ہاتھوں بھیجکر پیغام بیٹھے ہیں
نہ اتنا ہو سکا تجھ سے کہ پہنچاتی ہمیں مکے ۔ تجھے بھی آزما کر گردشِ ایام بیٹھے ہیں
خداوندا ! اجازت ہو کہ یہ ناخواندہ مہماں بھی ۔ پئے طوفِ حرم باندھے ہوئے احرام بیٹھے ہیں
ہمارا دل ہے کعبے میں ہمیں بھی تم وہیں بھیجو ۔ یہاں شبیرؔ گویا ہم برائے نام بیٹھے ہیں

مجھ کو بلاتے نہیں ؟

شافعِ روزِ جزا ! مجھکو بلاتے نہیں ؟ ۔ در پہ رسولِ خدا ! مجھ کو بلاتے نہیں ؟
میں ہوں سراپا قصور کیوں ہوئے ناخوش حضور ۔ بندہ ہوں میں بیوفا ! مجھکو بلاتے نہیں ؟
مجھ سے عبادت ہوئی مجھسے نہ طاعت ہوئی ۔ ہے یہی میری سزا ! مجھکو بلاتے نہیں ؟
سچ ہے گنہگار ہوں سخت خطاوار ہوں ۔ بخش دے میری خطا ! مجھ کو بلاتے نہیں ؟
پہونچے ہیں حجاج کے قافلے کے قافلے ۔ اب بھی شہِ دوسرا ! مجھ کو بلاتے نہیں ؟
کیا یونہی ترسا کروں ؟ کیا یونہی تڑپا کروں ۔ کیا رہوں یونہی جدا ؟ مجھ کو بلاتے نہیں ؟

یثربی دربار کا احمدی سرکار کا — شوق ہے بے انتہا مجھکو بلاتے نہیں

یاد اگر ہو مری اڑ کے میں پہونچوں ابھی — حکم میں ہے دیر کیا؟ مجھکو بلاتے نہیں؟

ہوتی عنایت اگر طیبہ کا ہوتا سفر — آپ ہیں مجھ سے خفا مجھکو بلاتے نہیں

قافلے صدہا گئے جن کو بلایا گیے — میں یہی کہتا رہا مجھ کو بلاتے نہیں؟

غم میں گرفتار ہوں ہجر کا بیمار ہوں — کرنے کو میری دوا مجھ کو بلاتے نہیں؟

رکھتا اگر مال و زر آہ میں ہوتا اثر — میں ہوں مگر بے نوا مجھ کو بلاتے نہیں

ہند میں شبلی نام ہے جو تمہارا غلام — اسکا یہی ہے گلہ مجھ کو بلاتے نہیں؟

غزل

حاجیو! روضۂ پرنور سے آؤ آؤ — واقعات مدنی مجھ کو سناؤ آؤ

جلوۂ شان خدا تا نظر آئے ہر سو — خاک یثرب مری آنکھوں میں لگاؤ آؤ

تشنہ کاموں کو اب اے ساقی کوثر للہ — اپنے ہاتھوں سے کوئی جام پلاؤ آؤ

بحر عصیاں میں پھنسا آکے غریبوں کا جہاز — ناخدا! بہر خدا پار لگاؤ آؤ

عاصیو! شعلے جہنم کے بھڑک اٹھے ہیں — لو انہیں اشک ندامت سے بجھاؤ آؤ

نہیں معلوم فرشتے لئے جاتے ہیں کہاں؟ — شاہ دیں! اپنے غلاموں کو چھڑاؤ آؤ

سر پہ آپہونچا ہے خورشید قیامت شبلی — دامن پاک میں اپنا اٹھاؤ آؤ

ایک معروضہ

یا خدا! ہند میں آوارہ پھرایا مجھ کو — پھر طواف در کعبہ نہ کرایا مجھ کو

آرزو تھی کہ سنوں خطبۂ کوہ عرفات — نہ سنایا نہ سنایا۔ نہ سنایا مجھ کو

یا رسول عربی! قبلۂ حاجات روا! — کیوں مدینہ نہ دکھایا نہ دکھایا مجھ کو

کیسا کیسا مرا یثرب کے لئے جی تڑپا — تمنے لیکن نہ بلایا نہ بلایا مجھ کو

الغیاث۔ اے شہ کونین! مدد یا مولا! — نفس سرکش نے گناہوں میں پھنسایا مجھ کو

بحر افکار سے شبیر نکلنا تھا محال
مرے مولا نے مگر پار لگایا مجھ کو

غزل

ہنسی خوشی سے چلو یا غم و عنا سے چلو
مدینے پہونچو۔ ملو شاہ دوسرا سے چلو

جو زاد راہ نہیں حج کا۔ خیر۔ اللہ ہے
پڑے گی جیسے بھگت لیں گے ہم۔ بلا سے چلو

سنیں گے رام کہانی تبان ہند کوئی
جو کہنا ہو کہو کعبے میں اب خدا سے چلو

یہ کیا گلہ ہے کہ آئی "صبا نہ یثرب سے"
غضب ہے تم بھی میاں لڑتے ہو ہوا سے چلو!

ہوئی دعا نہ قبول اور وقت حج آیا
اٹھاؤ ہاتھ لو اب تم بھی اس دعا سے چلو

وضو نماز سے پہلے ضرور ہے شبیر
مدینے جاتے ہو تو آؤ کربلا سے چلو

غزل

در دولت پہ شہا! آئے ہیں عاصی دیکھو
سر پہ اک بار گراں لائے ہیں عاصی دیکھو

ہئے غفلت سے یہ مدہوش تھے افسوس افسوس
اب کھلی آنکھ تو پچھتائے ہیں عاصی دیکھو

نظر لطف سے اب انکو نہ کرنا مایوس
اپنے اعمال پہ شرمائے ہیں عاصی دیکھو

نفسی نفسی ہے یہاں۔ کون خبر لے انکی
ہیبت حشر سے گھبرائے ہیں عاصی دیکھو

ابر رحمت کا کوئی اپنے بھی چھینٹا پڑ جائے
عرق شرم سے تر آئے ہیں عاصی دیکھو

دے رہا ہے سر محشر یہ دہائی شبیر
لے کے امید بہت آئے ہیں عاصی دیکھو

مشتاقوں کا مدینے میں داخل ہونا

اب حاجی پہنچتے ہیں عجب جوش سے۔ بیہوش سے۔ مدہوش سے۔ ہے سامنے صحرائے مدینہ
مستانہ جھپٹتے ہیں، لپٹتے ہیں جنوں خار سے اشجار سے۔ کہسار سے۔ شیدائے مدینہ

مجنوں ہیں کہ اب اُٹھے ہیں سرشار سے میخوار سے اُفتاں ۔ کبھی خیزاں ۔ کبھی خنداں ۔ کبھی گریاں
قابو میں کہاں دل ۔ کہ وہ منزل ہے وہ ساحل نظر آتا ہے وہ اب محمل لیلائے مدینہ

سبزے کی لہک ہے ۔ کہیں پھولوں کی مہک ہے ۔ کبھی غنچوں کی چٹک اور پرندوں کی چہک ہے
کیا گلشن ایمان ہے ۔ عجب صحن گلستاں ہے ۔ کہ ہے لطف جناں سیر و تماشائے مدینہ

شاہوں کے مکانات ہیں ۔ محلات ہیں ۔ باغات ہیں ۔ آرائش و زیبائش و آرام ہے سب کچھ
لیکن عجب اک شان کا دربار پر انوار و گہربار ہے یہ گنبد خضرائے مدینہ

یاں کے در و دیوار ہیں اُس نور سے معمور ۔ جو کافور کرے دور کرے ظلمت عصیاں
آنکھیں جو منور تمہیں کرنی ہوں تو مشتاقو! اُٹھو ۔ دوڑو ۔ چلو ۔ دیکھو تجلائے مدینہ

باقی ہے یہی روضۂ حضرت کی زیارت کی جو حسرت تو عجب کیا ہے اگر روز قیامت
قبروں سے ہم اپنی اُٹھیں غل کرتے ہوئے چیختے ۔ چلاتے ہوئے کہتے ہوئے ہائے مدینہ

ہر چند گنہگار و سیہ کار و خطاوار ہوں لیکن نہیں دلگیر کہ شبیر ہیں سر پر
احمد مرے حامی ۔ مرے آقا ۔ مرے سید ۔ مرے مالک ۔ مرے والی مرے مولائے مدینہ

غزل

گنہگاروں کو دوزخ سے بچانا یارسول اللہ
تم اُنکے جرم و عصیاں پر نہ جانا یارسول اللہ

سوا نیزے پہ خورشید قیامت جلوہ گر جب ہو
ہمیں زیر علم اپنے بٹھانا یارسول اللہ

خدارا چھوڑنا مت ساتھ اُس میدان وحشت میں
جہاں بیگانہ ہو اک اک یگانہ یارسول اللہ

پہنسے بہی شامت اعمال سے محشر میں ہم بالفرض
پڑیگا تم کو ہی آخر چھڑانا یارسول اللہ

ہزاروں کارواں پہونچے ہمارا قافلہ لیکن
ہوا یثرب نہ اب تک بہی روانہ یارسول اللہ

اُٹھینگے جانب طیبہ قدم کب ہم غریبوں کے
کبھی ایسا بہی آئیگا زمانہ یارسول اللہ

ہماری جاں بہی ہو جاتی ہے آمادہ نکلنے پر
کوئی یثرب جو ہوتا ہے روانہ یارسول اللہ

اجازت ہو تو حاضر روضہ والا پہ ہم ہو کر
سنائیں درد دل کا کچھ ترانا یارسول اللہ

تمنا ہے یہ مدت سے کہ بعد مرگ ہو جائے
تمہارے پائینتی اپنا ٹھکانا یارسول اللہ

شہیدانِ رہ یثرب کو کب حاجت کفن کی ہی
ہا ہی تشنگی کیا بجھہ سکیگی آب حیواں سے
بڑا ہے یا بہلا شبابی جیبا ہے تمہارا ہے

انہیں تم دامنِ صحرا اڑھانا یا رسول اللہ
ہمیں یثرب کا تم پانی پلانا یا رسول اللہ
ایک سینے اس ہجرے کو نبہانا یا رسول اللہ

غزل

یثرب جو میں پہنچوں تو لگے خلدِ بریں تھا
ہم بے زر و بے پر رہ طیبہ میں عزیز و
ہیہات! کہ اب ضعف سے چال ہے اپنا
ہم پاؤں بھی پھر رکھیں جو تھی ہے نہ زمیں پر
اٹھنے لگا شبابی کلیجہ بڑا تھا تھوں

دولت ہو تو آجائے یہ دولت بھی نہیں تھا
پھسلا گئے گیا پاؤں کشادہ ہی نہیں تھا
ڈالیں جو کبھی تھا تو پڑتا ہے کہیں تھا
لگ جائے جو وہ تھا مدینے کی زمیں تھا
باندھے ہیں تصور میں جو پیش نشہ دیں تھا

حاجیوں کا قافلہ اب مدینے پہنچتا ہے

اے مدینے حاجیوں کا کارواں آنیکو ہے
تو نے وہ بخشی ہے تو شائے ہوائے یثربی
جس تماشے کی تھیں اک مدت سے آنکھیں منتظر
کھینچ مشتاقوں کو اپنے اے مبارک سرزمیں
ایک جھوکا اسطرف بھی او نسیم جانفزا
چل دئے حجاج سب شبیر روتا رہ گیا

یا محمد! اک ہجوم عاشقاں آنیکو ہے
جو کڑی بھرتا ہوا ہر ناتواں آنیکو ہے
شکر ہے پیش نظر اب وہ سماں آنیکو ہے
قافلہ پردیسیوں کا میہماں آنیکو ہے
تجھسے اپنے قالب مردہ میں جاں آنیکو ہے
کون اسکو پوچھتا ہے یہ کہاں آنے کو ہے

غزل

یا نبی! آپ سرِ عرشِ معلیٰ پہونچے
شبِ معراج میں جس جا مرے آقا پہونچے
بخت خفتہ نے اجازت مجھے جانے کی نہ دی

آپکی شان گرامی کو کوئی کیا پہنچے
پر جلیں جائیں وہاں تک جو فرشتہ پہنچے
ساتھ والے مرے سب یثرب و بطحیٰ پہنچے

ہے جوں آئینہ گردش میں پیدا یکے ہیں
ہم نہ جا پہونچے کہیں اور نہ کہیں آ پہونچے

دشت غربت میں کوئی ساتھ کہاں دیتا ہے
قافلے والے مجھے چھوڑ کے طیبہ پہونچے

نذر دربار رسالت کو عمل ہیں درکار
ہاتھ خالی کوئی پہنچے بھی تو واں کیا پہنچے

جانیوالے کہیں یثرب کے گئے ہیں شبلی
روکا قسمت نے ہمیں کب گئے کب دیکھا پہنچے

غزل

مسکن مرا یثرب میں بظاہر تو نہیں ہے
رہنے کو میں رہتا ہوں یہاں دل تو وہیں ہے

حاصل ہو شرف جنت اعلیٰ یہ بھی جس کو
یاں ہو نہ ہو اک ایسی تو طیبہ کی زمیں ہے

کیوں عطر میں ڈوبی ہوئی آتی ہیں ہوائیں
یثرب ہی کی سرحد میں مگر خلد بریں ہے

جمعیت خاطر تو مدینے ہی میں ہوگی
یاں دل ہے کہیں جاں ہے کہیں جسم کہیں ہے

اے ختم رسل۔ قبلۂ دیں۔ کعبۂ حاجات!!
محتاج توجہ مری اب جان حزیں ہے

مولا ہیں اگر یار تو مشکل نہیں زنہار
کیا ہوگا اگر سارا جہاں بر سر کیں ہے

یاں کی تو گزر جائیگی کچھ واں کی بھی سوچو
اس منزل دنیا سے کڑی منزل دیں ہے

معلوم نہیں ان کے بھی حجاج کے ہمراہ
شبلی بھی اس قافلے میں ہے کہ نہیں ہے

حضرت مزمل سے گزارش

یہ نظم اس درویش کے بعض مولود خواں احباب کی فرمایش پر ۱۳۲۱ف میں لکھی گئی تھی جب طاعون کی وجہ سے حیدرآباد میں کہرام مچا ہوا تھا اور ایک عام پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ خدا کے فضل و کرم سے چند روز میں اس نظم کے ورد سے طاعون دفع ہوگیا۔ بعض اور موقعوں پر بھی جب دوسری حاجات کیلئے اسے پڑھا گیا تو مؤثر ثابت ہوئی ۱۲

مشکل اب آساں کرو او کملی والے
امت پر احسان کرو او کملی والے

دکھن کی یہ نامی بستی ہے اک اسلامی بستی
اس کو مت ویران کرو او کملی والے

جرموں سے تم درگزرو اپنی کرنی کر گزرو
ہم کو مت حیران کرو او کملی والے

کام ہمارے مت دیکھو نام ہمارے تم پوچھو
اپنوں کا کچھ دھیان کرو او کملی والے

وقت برا یہ آیا ہی دل سب کا گھبرایا ہی
فکریں دور اس آن کرو او کملی والے

ٹل جائے آفت سر سے رحمت کا اب مینہ برسے
ایسا کچھ سامان کرو او کملی والے

رحم اب ہم پہ فرماؤ سب کی حاجت بر لاؤ
پورے ہاں ارمان کرو او کملی والے

شبیر اب ہی یاں مضطر یثرب اسکو بلوا کر
اپنا تم مہمان کرو او کملی والے

او تاجدار جنت مدینے کے والی

اس نظم کا انترہ ہندی بحر میں ہے باقی اشعار کا وزن اردو ہے۔ یہ نظم بھی بعض مولود خوان احباب کی فرمایش پر تیار کیگئی تھی ۱۲

او تاجدار جنت! مدینے کے والی

نگاہ کرم تونے ہم عاصیوں پر
نہ ڈالی نہ ڈالی نہ ابتک بھی ڈالی

ہمیں تونے روضہ نہ اپنا دکھایا
نکالی نکالی نہ حسرت نکالی

خطا واروں سے تونے او ابر رحمت!
توجہ۔ توجہ۔ توجہ اٹھا لی

فلک پر مہ نو کو شرما رہی ہے
وہ گنبد کی کلسی سنہری ہلالی

وہ یثرب کے جنگل کے نخل مغیلاں
ہیں پھولوں کی ڈالی ہیں پھولوں کی ڈالی

وہی پار کردیگا بیڑا ہمارا
سدا ڈوبتی کشتی جسنے سنبھالی

تو سرسبز رکھیو ہماری بھی کھیتی
او مالی! او مالی۔ او امت کے مالی

سجائیگا محشر میں شبیر تجھ کو
غلاموں کا مولا غریبوں کا والی

غزل

خدایا رحم فرما اب کہ ہم میں کچھ نہیں باقی
نہ دل باقی نہ دیں باقی نہ آن باقی نہ ایماں باقی

ذرا تو سانس مجھ میں کچھ چلے دو جان حزیں باقی
تمنا دید کعبہ کی نہ رہجائے کہیں باقی

نہ دیکھا روضۂ اقدس تمہارا یا رسول اللہ
مری سب حسرتیں اب دل کی دل میں ہی رہیں باقی

مدینے والوں کو یارب تو عمر جاودانی دے
تمہارے روضۂ انور کی دربانی کی خواہش ہے
بجا ڈنکا عرب میں جب تمہارے دین برحق کا
پڑھایا وحشیوں کو وہ سبق تم نے اخوت کا
بہت سے کام چھوڑے تھے ادھورا اگلے نبیوں نے
بھروسہ ہے شفاعت کا۔ یہ ہے فردائے محشر میں
گنہ سے پاک ہوں سارے۔ ہو روز قیامت میں
رہو شب یوں وہاں چلکر یہ ہے جیسا قیامت تک

رہے میرے لئے بھی تا کہ واں گز بھر زمیں باقی
جبھی رکھی ہے جائے عیسیٰ گردوں نشیں باقی
رہا پھر واں نہ مکر و زور شیطان لعیں باقی
رہا پھر مطلقاً انہیں نہ شر باقی نہ کیں باقی
دقیقہ تم نے کچھ رکھا نہ ختم المرسلیں باقی
نگاہ لطف ہم پر رحمۃ للعالمیں باقی
حساب اصلاح ہے ذمے شفیع المذنبیں باقی
زماں باقی زمیں باقی۔ مکاں باقی مکیں باقی

مسلمانوں کو مبارکبادی

مسلمانو! مبارک ہو قیامت ہونیوالی ہے
مبارک ہو۔ تمہیں گلزار رضواں ملنے والا ہے
یہ دنیا چند روزہ تھی۔ بلا گر تھی گزری ہے
حضور سرور عالم تو اب تشریف لائے ہیں
خطا واروں کے گھر آئے ہیں۔ اہاہا۔ اہوہو
بہار آئی ہے جنت میں۔ بچھیگا فرش پھولوں کا
مسلمانو! مزے ہیں آؤ لوٹو دونوں ہاتھوں سے
کرو کوثر پہ تم قبضہ پیو اب جام بھر بھر کے
در فردوس پہ اب کیوں نہ اتراتا پھرے شبلی

بحمد اللہ: عنایت پر عنایت ہونیوالی ہے
سلامت ہو۔ عطا اب تم کو جنت ہونیوالی ہے
مگر اب خلد میں تم کو مسرت ہونیوالی ہے
گنہگاروں کو مژدہ ہو شفاعت ہونیوالی ہے
خدا کی آج اپنے خاص رحمت ہونیوالی ہے
بچھینگے موتیوں کے قصر زینت ہونیوالی ہے
چنے ہیں خوان نعمت اب اجازت ہونیوالی ہے
تمہیں کیا غم جہنم میں جو شدت ہونیوالی ہے
سنا ہے [illegible] ہونیوالی ہے

آہنگ حجازی

مطرب: مجھے یاد کچھ اگر ہے
تو چھیڑ دے اب حجاز کی لے
ساقی: مجھے دے تو آب زمزم
پھر یہ ایک صراحی مے

اب ہم کو توجہ کی دُھن لگی ہے
شاہان عرب کا ذکر چھیڑو
یہ ہم سے سنو کہاں ہے طیبہ
جھگڑے کبھی یاں کے طے نہ ہونگے
چلدیجئے بس چھڑی سواری
کعبے کا سفر ہے کچھ نہ سوچو
جی کرنے لگا یہاں بھی مالش
طیبہ میں ہے بھیک ہم کو جائز
زوار چلے گئے آہ آہ !!
پہنچا دے ہمیں بھی اب مدینے
گرما انہیں اُڑ ہوائے بطحیٰ
یثرب کی کھجوریں کھا چکا ہوں

درپیش ہے یہ ۔ یہی ہے درپے
بے لطف ہے قصۂ جسم و کے
ہونگے کہیں روم اور کہیں رے
اب راہِ عرب ہی کیجئے طے
افلاس کا عُذرِ لنگ تا کے
سب اچھے ہیں تیر و بہمن و دے
پھر کیوں نہ کریں جہاز میں تے
مت پوچھو گرہ میں پیسے ہیں کے
ہم رہ گئے ہائے ہائے ہے ہے !!
کوئی رسخی داتا حاتم طے
افسردہ ہوئے ہیں اب رگ و پے
کیا خاک مزا دے اب کوئی شے

سن کر یہ غزل بتانِ ہندی
شبیر کی بولنے لگے "جے"

فصل دوم

متفرق اشتیاقیہ و نعتیہ نظمیں

مدینے کی چاندنی

یہ نظم اب سے کوئی دس برس قبل حیدرآباد کے ایک ادبی رسالہ "افادہ" میں طبع ہوئی تھی ۱۲

ندی چڑھاؤ پر ہے شرابِ طہور کی
مے نوش لا رہے ہیں خبر دور دور کی
کیا دیکھیے کوئی روشنی اب شمع طور کی
جھڑیاں لگی ہوئی ہیں مدینے میں نور کی

چھٹکی ہلال گنبدِ خضرا کی چاندنی
پھیکی پڑے نہ کیوں یدِ بیضا کی چاندنی

نکلا ادھر تو چاند فلک پر بہ آب و تاب
یاں چمکے جھاڑ۔ ہانڈیاں۔ فانوس اور حباب
کیونکر نہ ہو زمینِ مدینہ۔ فلک جناب
اک اک چراغ کوکبِ انجم کا ہے جواب

واں ہیں نجوم ماہ منور کے آس پاس
یاں قمقمے ہیں روضۂ انور کے آس پاس

اب چاند لے رہا ہے ہلورے جھلک جھلک
کلسی دکھا رہی ہے جھمکڑے دمک دمک
روضے سے آ رہی ہیں ہوائیں مہک مہک
سبزہ مچل رہا ہے زمیں پر لہک لہک

گلزارِ بے خزاں ہیں وہ قالیں بچھے ہوئے
چاروں طرف ہیں گلشنِ رضواں کھلے ہوئے

کیا چاندنی نے کھیت کیا آج واہ وا
ہے ریت میں چمک یہاں مقیش سے سوا
گویا بچھا ہے روضے میں زربفت بادلہ
دیکھو جدھر اُدھر سے ہے نور جھماجھم برس رہا
غنچے ہیں یاں کے کیسۂ پُرزر بنے ہوئے
جتنے شجر ہیں سب ہیں مشجر بنے ہوئے

ایک ایک ذرہ یاں کا ہے آئینۂ جمال
ہر سنگ میں جھمکتے ہیں یوں انجم و ہلال
پھر اُس پہ چاندنی کی جھلک شان ذوالجلال
سلمے ستارے کا ہو تمامی پہ جیسے جال
بدلا ہے آج تاش کا جوڑا زمین نے
پہنا ہے چاند تارے کا گہنا زمین نے

صل علی اسلام کی اب مچ رہی ہے دھوم
سیارے آفتاب کے گرد آ رہے ہیں گھوم
روشن ہوئے ہیں یعنی اصحابی کالنجوم
ہے قبۂ شریف پہ حجاج کا ہجوم
منڈلا رہی ہیں بلبلیں باغوں کے اردگرد
پروانے اُڑ رہے ہیں چراغوں کے اردگرد

اللہ رے بہار ریاض پیمبری
وہ چاندنی سے بکھری ہوئی جابجا زری
دل کھینچتی ہے گھاس وہ اُسکی ہری ہری
وہ نور وہ ظہور وہ جالی ہری بھری
وہ سبزۂ بہشت کہ مخمل بھی ہیچ ہے
اُس پر وہ چاندنی کہ جھلاجھل بھی ہیچ ہے

اُن حاجیوں کا عرش پہ کیونکر نہ ہو دماغ
دامن کو اپنے دیکھتے ہوتے ہیں باغ باغ
وے لیکے گر رہے ہیں جو روشن یہاں چراغ
اتنے اُجالے میں بھی نہیں ملتا کوئی داغ
سب مٹ گئے گناہ جو روشن کیا دیا
یاں آرہے تو آگیا غرض اُنکا لیا دیا

روضے پہ کیوں نثار نہ ہو بار بار چاند
ہر شہر میں دکھاتا ہے یوں تو بہار چاند
ہے آسماں پہ ایک زمیں پر ہزار چاند
طیبہ میں لگ گئے ہیں مگر اسکو چار چاند

ہے یہ کہ روشنی یہاں شمس الضحیٰ کی ہے
یہ ساری چاندنی کسی بدر الدجیٰ کی ہے

کس کا ظہور جلوہ عیاں و نہاں ہے
پرتو سے کس کی روشنی کون و مکاں ہے
کس کی ضیا زمین میں ہے آسماں ہے
کس نور عرش کا یہ اجالا جہاں ہے

کس کے مقابلے میں چمک تیری ماند ہے
اے چاند! وہ ہمارے مدینے کا چاند ہے

جنکی نظر میں ہے در اطہر کی چاندنی
دیکھوں جو میں بھی روضۂ انور کی چاندنی
کب دیکھتے ہیں وہ مہ و اختر کی چاندنی
سمجھوں کہ آج چمکی مقدر کی چاندنی

پہونچے مرا دماغ بھی شبستان عرش پر
لوٹوں جو چاندنی کی طرح واں کے فرش پر

ترکیب بند اشتیاقیہ

صبا! کہیو یہ عرض کہ شاہ عرب - میری تم کو بھی کچھ ہے خبر کہ نہیں؟
گلی کوچوں میں طیبہ کے ایسے برس - کبھو میرا بھی ہوگا گذر کہ نہیں؟

کب سے مشتاق تصور میں جمائے بیٹھے
نظر لطف غریبوں پہ بھی شاہا ہو جائے
خانۂ دل میں مگر آپ نہ آئے بیٹھے
ایک مدت سے ہیں یہ آس لگائے بیٹھے

در عرش پہ پہونچی نہ میری دعا - نہ مدینے گئی کبھی آہ رسا
رہا گریہ سو اس میں بھی کیا ہے دھرا - جائے اب بھی کچھ ہوگا اثر کہ نہیں؟

احمد پاک تلک اشکوں سے جایا نہ گیا
آتش ہجر غریبوں کی بجھائی نہ گئی
قصۂ شوق مرا اُن کو سنایا نہ گیا
ہم کو طیبہ میں خداوند بلایا نہ گیا

یونہی گزرے الٰہی برس پہ برس - رہا یاد سے خالی نہ کوئی نفس
کبھی پوری بھی ہوگی ہماری ہوس - کبھی حج کا بھی ہوگا سفر کہ نہیں؟

شکل دکھلائی نہ افسوس خوشی نے ابتک
شوق دیدار سے آنکھوں میں ہی دم آپہونچا
یاد فرمایا نہ شاہ عربی نے ابتک
حیف پہونچے نہ یہ مشتاق مدینے ابتک

وہ نماز کا وقت سہانا سماں۔ وہ پرندوں کے نغمے وہ شور اذاں
وہ مدینے کو قافلہ اپنا رواں۔ کبھی یہیں گے ہم یہ سحر کہ نہیں؟

میرے آنے کی جو سن پائیں مدینے والے
کیا مبارک وہ سحر ہو کہ میں یثرب پہونچوں
تحفے دینے کو مجھے لائیں مدینے والے
پیشوائی کو مری آئیں مدینے والے

گئے چرخ پہ جب شہ عرش مکیں۔ وہاں ساتھ تھا تو بھی تو روح امیں
وہ شعلۂ نور سے سدرہ نشیں۔ یہ بتا دے جلے ترے پر کہ نہیں؟

یا نبی آپ سر عرش معلے پہونچے
شب معراج میں جس جا ہے آقا پہونچے
آپکی شان گرامی کو کوئی کیا پہونچے
پر جھلکیں جا پہونچ ہانک جو فرشتے پہونچے

یہاں کعبے میں حاجی ہوں اشک فشاں۔ ادہر ابر کرم میں سب پہ عیاں
پڑے ہے چاروں طرف سے جو سیل رواں۔ کہو ٹھنڈی ہوا رستہ کہ نہیں؟

شرم سے دوستو اب منہ نہ چھپاؤ آؤ
عاصیو! شعلے جہنم کے بھڑک اٹھے ہیں
ڈھونڈتی پھرتی ہے رحمت تمہیں آؤ آؤ
لو۔ انہیں اشک ندامت سے بجھاؤ آؤ

شبیر اس تری نظم سے دور ہے کیا۔ جو مدینے سے آئے بلاوا ترا
یہ نہ کہنا کہ نخل امید مرا۔ دیکھو لاتا ہے اب بھی ثمر کہ نہیں؟

ہم کو طیبہ میں جو سرکار بلائیں آئیں
اپنے مشتاقوں کو اب دید و اجازت شاہا
درد دل خدمت عالی میں سنائیں آئیں
کہ یہ عاصی بھی جو آتے ہیں تو آئیں آئیں

صوفیانہ ٹھمری

یہ ٹھمری نیاز مند کے ڈراما فسانہ عبرت میں سگیم شاہ فقیر کی محفل حال وقال میں ایک قوال گاتا تھا

موری دھنوا بیند پکر مت مکہ جاؤں رے
مکہ جاؤں رے سے ۔ مدینہ جاؤں رے

مورا دامنوا منہد پر مت مکہ جاؤں رے
سکے کا رستہ ہے نہیں دیکھا تبلا دے ہادی
جاؤں ہار سد ہار چلے مورے سگرے ساتھی
مورا دامنوا منہد پر مت مکہ جاون رے

ہم کو ارماں اب نہیں شہاں ملک جاہ کے مسند شاہی سے بہتر جانتے ہیں خاک کو	خواب آتے ہیں نظر دن رات بیت اللہ کے کب کسی کو لائیں خاطر میں فقیر اللہ کے

اشتیاقیہ گیت

یہ گیت ناٹکی وزن پر بنایا گیا ہے ۱۲

کبھی طیبہ میں ہم بلوائے جائیں گے
شبیر کو جن کا دھیان لگا ہے — کبھی وہ بھی سمنے دکھلائے جائینگے
کبھی طیبہ میں ہم بلوائے جائیں گے
بن بلائے کوئی اپنا نہ پرایا آیا — در اقدس پہ جسے تم نے بلایا آیا
جس کو مولا نے غلام اپنا بنایا آیا
وہ بھی ساعت کبھی آئیگی خدایا آیا؟ — شاہ فرمائیں کہ "آ" میں کہوں "آیا آیا"
کب تک ہجر نبی کے یہ صدمے اٹھائے جائینگے
کبھی طیبہ میں ہم.........

عاصیوں کی التجا

یہ گیت بھی ناٹکی طرز و وزن پر بنایا گیا ہی ۱۲

عاصی آئے ہیں یا سید منہ مت موڑنا تم
کل ہل چل جب یاں مچ جائے — سن گن دھن جب سب کچھ بسرائے
سرور بر تر شافع محشر واں مت چھوڑنا تم

عاصی آئے ہیں........

حشر میں گو کل خیر ہی کام آتے ہیں — غم نہیں ہم ہی سو خیر انام آتے ہیں
یاں عبادت ہے نہ طاعت ہے نہ تقویٰ شبیر — اک شفاعت کے بھروسے پہ غلام آتے ہیں
عاصی آئے ہیں یا سید منہ مت موڑنا تم

عالمِ حیرت

ہم دیکھ جب شہ کے روضے کا سماں اٹھیں — جوں نقشِ قدم بیٹھیں جو آہ و فغاں اٹھیں
کچھ دیر یہاں بیٹھیں کچھ دیر وہاں اٹھیں — القصہ یہی چاہیں اک اک سے جہاں اٹھیں
بیٹھیں تو کہاں بیٹھیں اٹھیں تو کہاں اٹھیں

اے خاکِ عرب تیرا دلکش ہے ہر اک ذرہ — ہے گل سے سوا ہم کو اک اک ترا کانٹا
اللہ رے فضا تیری اللہ رے ترا نقشہ — پڑتا ہے قدم جس جا پھر واں سے نہیں اٹھتا
بیٹھیں تو کہاں بیٹھیں اٹھیں تو کہاں اٹھیں

جی میں ہے یہ قدموں پر حضرت کے گر جائیں — سب چھوڑ دیں اب جھگڑے اور جاؤ وہاں چھائیں
دربار میں بار انکے کس طرح مگر پائیں — اعمال نہیں اچھے کیا منہ انہیں دکھلائیں
بیٹھیں تو کہاں بیٹھیں اٹھیں تو کہاں اٹھیں

جو کوچہ ہے یثرب کا وہ غیرتِ جنت ہے — جاں کیلئے تسکیں ہے دل کیلئے فرحت ہے
منزل کی نہیں سدھ بدھ یہ جوشِ مسرت ہے — ہم ڈیرے کہاں ڈالیں اب عالمِ حیرت ہے
بیٹھیں تو کہاں بیٹھیں اٹھیں تو کہاں اٹھیں

جس خاک مقدس پر گزرے قدمِ اطہر — ہے بے ادبی رکھیں گر ہم ہی قدم اس پر
نے چلتے ہی بنتی ہے نے ٹھہرنا ہے بہتر — اس فکر میں بیٹھے ہیں اب راہ چلیں کیونکر
بیٹھیں تو کہاں بیٹھیں اٹھیں تو کہاں اٹھیں

بازارِ مدینہ میں مشتاقوں کے پھیرے ہیں — گلیوں میں پڑاؤ ہیں سڑکوں پہ بسیرے ہیں
دشت و جبل و مینا حجاج نے گھیرے ہیں — جس سمت نظر ڈالو ڈیرے ہی ڈیرے ہیں

بیٹھیں تو کہاں بیٹھیں اٹھیں تو کہاں اٹھیں

اوصاف بیاں کیا ہوں شہر کے مکینوں کے
جو مردہ ہیں وہ اچھے جو زندہ ہیں وہ اچھے
آئے ہیں نظر واں تو اک ہم ہی برے سب سے
ہم کس کے رہے آگے اور کس کے رہے پیچھے

بیٹھیں تو کہاں بیٹھیں اٹھیں تو کہاں اٹھیں

جو خاک کہ آنکھوں میں بھر لینے کے قابل ہو
اور خاک شہیدوں کی جس خاک میں شامل ہو
اس خاک کو ہم روندیں کس طرح بھلا دل ہو
رہ جائیں تو مشکل ہو ہم جائیں تو مشکل ہو

بیٹھیں تو کہاں بیٹھیں اٹھیں تو کہاں اٹھیں

ہے ایک طرف طیبہ اور ایک طرف قبلہ
یہ روضۂ اقدس ہے وہ ہے حرم والا
نے پیٹھ ادھر اچھی نے پاؤں ادھر زیبا
پھیلائیں کدھر بستر آرام کریں کس جا

بیٹھیں تو کہاں بیٹھیں اٹھیں تو کہاں اٹھیں

گو لائق دوزخ ہیں ہم عاصی پر تقصیر
واجب ہے اگر ہم پر ہر قسم کی ہو تعزیر
آقا کی ہمارے ہے فردوس مگر جاگیر
پھر چھوڑ کے ہم اُس کو اب تم ہی کہو تدبیر

بیٹھیں تو کہاں بیٹھیں اٹھیں تو کہاں اٹھیں

مخمس

در پیش جو کعبے کا سفر ہے
ہر راگ سے قطع اب نظر ہے
کہنا مرا صرف اسقدر ہے
مطرب تجھے یاد کچھ اگر ہے

تو چھیڑ دے اب حجاز کی لے

آیا ہے قریب حج کا موسم
ہے جام شراب چشم پُر نم
کیا لیکے کروں گا ساغر جم
ساقی مجھے تو آب زمزم

بھر دے یہ تنک صراحیٔ مے

دل میں جو خیال اُخروی ہے
دن رات عجیب بے کلی ہے
دنیا کی کسے یہاں پڑی ہے
اب ہم کو تو حج کی دھن لگی ہے

در پیش ہے یہ یہی ہے درپے

بے وقت کی بھیرویں سے دل کو
تاریخ حجاز اب سناؤ
کیا خاک سکون ہو عزیزو
شاہانِ عرب کا ذکر چھیڑو
بے وقت ہے قصۂ جم و کے

جس گاؤں سے ہو نہ اپنا ناتہ
ہے سامنے اب عرب کا نقشہ
کیا اُس کا بتائیں تم کو رستہ
یہ ہم سے سنو کہاں ہے طیبہ
ہو گئے کہیں روم اور کہیں رے

دنیا کے ہیں عمر کاٹ قصے
تا حشر رہیں گے ان میں اُلجھے
فیصل کہاں ہوتے ہیں یہ قضیے
جھگڑے کبھی یاں کے طے نہ ہونگے
اب راہِ عرب ہی کیجیے طے

امیدیں جاہ و مال و زر کی
پوری یہ ہوس کبھی نہ ہوگی
افسوس تمام عمر گزری
چل دیجیے بس پکڑی سواری
افلاس کا عذر لنگ تا کے

جب پوری ہوئیاں نہ کوئی خواہش
اب ہونے لگی جگر میں کاوش
کعبے میں کریں نہ کیوں گزارش
جی کرنے لگا یہاں یہی مالش
پھر کیوں نہ کریں جہاز میں قے

میرا کہا مانو آؤ اُٹھو
دن ساعت و وقت اب نہ دیکھو
کب تک یہ پھیر پھیر سدھارو
مکّے کا سفر ہے کچھ نہ سوچو
سب اچھے ہیں تیر و بہمن و دے

سمجھا کوئی زیر و بم کو جائز
تم کہتے ہو یاں ستم کو جائز
قرضے کو بجا۔ قسم کو جائز
طیبہ میں ہے بھیک ہم کو جائز
مت پوچھو گرہ میں پیسے ہیں کے

اپنا ہو کہ ہو کوئی پرایا — بے حکم اُٹھے قدم کب اُس کا
ہے یہ بھی نصیب اپنا اپنا — زوار چلے گئے ۱ ۲ ۲

ہم رہ گئے ہائے ہائے ہے ہے

ایسے نظر آتے ہیں قرینے — فرقت نہیں دیگی ہم کو جینے
مجبور کیا ہے بے زری نے — پہنچا دے ہمیں بھی اب مدینے

کوئی سخی داتا حاتم طے

جنت کے مزے اُڑا چکا ہوں — تسنیم کے لطف اٹھا چکا ہوں
لذت میں عجیب پا چکا ہوں — یثرب کی کھجوریں کھا چکا ہوں

کیا خاک مزا دے اب کوئی شے

دل تجھ کے ہوا ہے جوش ٹھنڈا — امید کا ہے چراغ ٹھنڈا
قبلہ سے چلا دے کوئی جھونکا — گرما - اٹھیں اد ہوائے ہمی

افسردہ ہوئے ہیں سب رگ و پے

حیران ہیں شاعران ہندی — ہیں وجد میں حاجیان ہندی
مسرور ہیں عاشقان ہندی — سنکر یہ غزل ثنا خوان ہندی

شبلی کی بولنے لگے جے

مکۂ معظمہ

یہ مسدس ترجیع بند بہت بڑا تھا - لیکن گم ہو گیا - اب صرف سات بند رہ گئے ہیں ۱۲

مانا کہ زمانے کا ہر مجمع دیکھا — یورپ کا ہر اک گرجا بتخانہ چین دیکھا
میلوں میں کہیں پہنچے یا عرس کہیں دیکھا — جس جا کی سنی شہرت جا پہنچے وہیں دیکھا

بالفرض اگر تم نے کل روئے زمیں دیکھا
کعبہ ہی نہ جب دیکھا تو کچھ بھی نہیں دیکھا

جو ملک ہے دنیا کا ہے فسق و فجور اس میں — قایم ہیں بصد رونق میخانے ضرور ان میں

ہے ایک حجازایا معمور ہے نور اس میں
افعال قبیحہ کا عنقا ہے ظہور اس میں

بالفرض اگر تم نے کل روئے زمیں دیکھا
مکہ ہی نہ جب دیکھا . تو کچھ بھی نہیں دیکھا

دنیا میں پرستش کو ہر طرح کے قبلے ہیں
اشجار ہیں، دریا ہیں، پتھر ہیں، ستارے ہیں
گرجے ہیں، معابد ہیں، مندر ہیں، کلیسے ہیں
کعبے کے مقابل ہیں مت پوچھ یہ کیسے ہیں

بالفرض اگر تم نے کل روئے زمیں دیکھا
مکہ ہی نہ جب دیکھا تو کچھ بھی نہیں دیکھا

برکت ہے یہاں نازل یا جوش پہ ہے رحمت
ہر ایک پہ یاں طاری ہے اور ہی کچھ حالت
گو [illegible] معابد بھی ہیں وقف پے طاعت
کعبے کی عبادت سے کیا اُن کو مگر نسبت

بالفرض اگر تم نے کل روئے زمیں دیکھا
مکہ ہی نہ جب دیکھا تو کچھ بھی نہیں دیکھا

دیکھو تو [illegible] اگر کیا کیا یہ بہاریں ہیں
لبیک کے نعرے ہیں کلمے کی پکاریں ہیں
حجاج کے [illegible] میں اونٹوں کی قطاریں ہیں
منزل کے پڑاؤ میں راتوں کی جگاریں ہیں

بالفرض اگر تم نے کل روئے زمیں دیکھا
مکہ ہی نہ جب دیکھا تو کچھ بھی نہیں دیکھا

ہے معجزہ کعبے کا یا کوئی کرامت ہے
چھوٹا سا مکاں اس میں لاکھوں ہی کی وسعت ہے
حجاج یہاں کیونکر سب آگئے حیرت ہے
اللہ کا گھر کیا ہے اللہ کی قدرت ہے

بالفرض اگر تم نے کل روئے زمیں دیکھا
مکہ ہی نہ جب دیکھا تو کچھ بھی نہیں دیکھا

کس شاہ کا کعبے نے جوڑا ہے نیا پہنا
مشتاقوں کو دو بھر ہے اب اس سے جدا رہنا
کیا نور کی دلہن ہے کیا نور کا ہے گہنا
جو نور برستا ہے اُس نور کا کیا کہنا

بالفرض اگر تم نے کل روئے زمیں دیکھا
مکہ ہی نہ جب دیکھا تو کچھ بھی نہیں دیکھا

ترکیب بند مناجاتیہ

اس ترکیب بند کا پہلا ٹکڑا "کوئی ایسا سخی کوئی دیا سخی کوئی چڑیا کا پھندا چھڑادے" بچوں کا ایک گیت ہے جو کھیلتے وقت اپنے کانوں کی و پکڑ کے جھوم جھوم کر گاتے ہیں اور لفظ چھڑادے کے ساتھ ہی اپنی لو چھوڑ کر بولتے ہیں "پھر" "گویا چڑیا اڑ گئی۔ اس نظم کی شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ کوئی چڑیمار بہت سی مینائیں ایک پنجرے میں پکڑے ہوئے لئے جا رہا تھا۔ ایک نیکدل راہگیر نے ڈیڑھ روپیہ اُن سب کی قیمت چکائی اور ان کو اڑا دینے کے لئے کہا۔ بہیلیا پنجرے میں ہاتھ ڈال ڈالکر ایک ایک مینا کو نکالتا اور چھوڑ جاتا تہا اور مینا اپنی آزادی پر خوشی کی آوازیں نکالتی ہوئی اڑتی جاتی تہی یہانتک کہ سب مینائیں اڑ گئیں میں سڑک پر کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تہا۔ حاجیوں کا قافلہ انہیں دنوں روانہ ہوچکا تہا۔ ان پرندوں کی آزادی سے میرے دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور اپنے تئیں ایک اسیر قفس پرند تصور کرکے اپنے دلی خیالات کا اظہار اس نظم میں کیا۔

کوئی ایسا سخی کوئی دیا سخی کوئی چڑیا کا پھندا چھڑادے

خوش ہیں مرغان چمن گیت ہیں گاتے جاتے	چہچہے کرتے ہیں اشجار پہ آتے جاتے
اڑنے والوں نے کبہی یہ بہی نہ سوچا افسوس	کہ اسیران قفس کو بہی اڑاتے جاتے

اری باد صبا تو ہی طیبہ سے آ مجھے روضے کی خوشبو سنگھا دے

غش میں آیا ہوں صبا ہوش میں لادے مجھکو	دشت یثرب کے ببولوں کی ہوا دے مجھ کو
گل و ریحاں سے نہوگا دل بیمار اچھا	خاک صحرائے مدینہ کی سنگھادے مجھ کو

گہٹا یثرب سے اٹھے جھڑی ایسی لگائے مری لگی کو بجھائے

کوہ رحمت سے گھٹا اسطرف ایسی ڈہل جائے	کہ مرے سارے گناہوں کی سیاہی دہل جائے
سخت الجھن مرے کاموں میں پڑی ہے شاہا	گر توجہ ہو تو یہ عقدۂ مشکل کہل جائے

میرا مولا تو ہی میرا والی تو ہی مری بگڑی کو تو ہی بنادے

دین و دنیا میں تم میرا سہارا احمد | تو بنے میری تمہیں آکے خدارا احمد
میرے آقا مرے مالک مری فریاد سنو | میں تمہارا ہوں تمہارا ہوں تمہارا احمد

صدر روز جزا شہ یوم الحساب مجھے جنت کی جنتی لا دے

گرچہ شاہا ہمہ تن صورت تقصیر ہوں میں | غم نہیں خاک ترے در کی ہوں اکسیر ہوں میں
در جنت پہ جو روکے کا کوئی کہدوں گا | میں غلام شہ کونین ہوں شبیر ہوں میں

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY HYDERABAD

سرکار سنبھالو مجھ کو

اس گیت کی بحر بندی اور طرز ناٹکی ہے

سرکار سنبھالو مجھ کو

ارمان ہو کیسے پورا ۔ پہونچوں میں کیونکر طیبہ ۔ دیکھوں میں کیونکر روضہ
سرکار سنبھالو مجھ کو ...... سرکار سنبھالو مجھکو

سورج ہے سر پر آیا ۔ گرمی نے قہراب ڈھایا ۔ کملی کا اب ہو سایہ
سرکار چھپالو مجھ کو ...... سرکار سنبھالو ...

دریائے عصیاں امڈا ۔ موجوں نے آکر گھیرا ۔ پانی ہے سر سے اونچا
سرکار بچالو مجھ کو ۔ سرکار سنبھالو مجھ کو

شبیر کب تک ترسے ۔ رحمت کا چھینٹا برسے ۔ محروم اپنے در سے
سرکار نہ ٹالو مجھ کو ۔ سرکار ......

خمسہ بر غزل خود

سہونگا رنج کب تک ہجر شہ میں مبتلا ہوکر | جیونگا کب تک آخر سرور دیں سے جدا ہوکر
میں رہ سکتا نہیں یاں تختۂ مشق جفا ہوکر | شب ہجراں عجب لپٹی ہے تو کالی بلا ہوکر

لے اب میں ہی چلا ظالم مدینے کربلا ہو کر

کسی کا بے ضرورت دوستو احسان ہم کیا لیں
سوئے قبلہ تن تنہا اکیلے کیوں نہ اب چلدیں
مرقد ہم بنائیں کیوں مطوف ساتھ کیوں کر لیں
نہیں درکار ہم کو رہنما دشت حجازی میں

ہمیں خود لے چلیگا شوق امیر قافلہ ہو کر

خبر اب کارواں کی ہے نہ کچھ بانگ جرس کی ہے
ہماری حالت اک پر بستہ محبوس قفس کی ہے
سنا کرتے تھے ہم کل زندگی اک دو نفس کی ہے
فراق شہ میں پر اک اک گھڑی سو سو برس کی ہے

شب فرقت ڈراتی ہے مجھے روز جزا ہو کر

بتاؤ کسطرح یاں نفس سرکش کی ہوں اصلاحیں
کرے اب کون پوری میرے دل کی سب تمنائیں
زیارت کو چلا ہوں میں تو مطلب سے چلا ہوئیں
در و دیوار یثرب سے مجھے لاکھوں امیدیں ہیں

مرے کام آئیگا ہر ذرہ واں حاجت روا ہو کر

ازل سے جاگزیں ہے دلمیں الفت شاہ بطحیٰ کی
ہمارا دین وایماں ہے محبت اپنے آقا کی
کہیں بھی جائیں آئیں دھن لگی رہتی ہے مولا کی
کہیں بھی ہم اٹھیں بیٹھیں - مگر دل ہے کہ طیبہ کی

پھرا کرتا ہے گرد ہی طائر قبلہ نما ہو کر

رہوں فرقت میں یوں بیتاب کبتک یا رسول اللہ
پڑے کیا چین ہو آؤں نہ جب تک یا رسول اللہ
یہ شکوہ کیوں نہ آئے میرے لب تک یا رسول اللہ
در اقدس پہ بلوایا نہ اب تک یا رسول اللہ

مری مشکل نہ حل کی آپنے مشکلکشا ہو کر

عزیزو! تم گرہ میں باندھ کر یہ بات لیجاؤ
اگر جنت کو جاتے ہو تو کچھ سوغات لے جاؤ
یہ سودا نقد ہے - تم اس کو ہاتھوں ہاتھ لیجاؤ
عدم کے جانے والو! خاک یثرب ساتھ لیجاؤ

تمہیں یہ راستے بھر کام دیگی کیمیا ہو کر

یہ مانا بال بال اپنا سیہ کاری کا دفتر ہے
نہ عابد ہیں نہ زاہد ہیں نہ کوئی اور جوہر ہے
مگر کچھ غم نہیں ہم کو نبی کا ہاتھ سر پر ہے
نگہباں اپنی کشتی کے محمد ہیں تو کیا ڈر ہے

ہمیں کو کیا ڈبا دینگے بلا [illegible] ناخدا ہو کر

جہاں توقیر یکساں ہو گدا اور شاہ شاہاں کی
عبث ہے واقعی زینت وہاں دستار و داماں کی
نہ جانے کے ہیں سب حیلے کہیں گے ہم تو ایماں کی
مدینے کے سفر میں شرط کیا شبیر ساماں کی

جو مل جائے تو اک کشکول لے لو بے نوا ہو کر

فصل سوم

سلام و نوحہ جات

سید الشہدا کی خدمت میں سلام

سلام اُس پر کہ چھلنی ہو گیا تیروں سے تن جسکا
سلام اُس پر کہ خاکِ گرم صحرا تھی کفن جسکا

سلام اُس پر کٹایا راہ حق میں جسنے سب کنبہ
سلام اُس پر لُٹا اک دوپہر میں سب چمن جسکا

سلام اُس پر نہ سکتی تھی گنتی جسکے زخموں کی
سلام اُس پر ہوا پامال گھوڑوں سے بدن جسکا

سلام اُس پر انگوٹھی کیلئے انگلی کٹی جس کی
سلام اُس پر نہ چھوڑا ظالموں نے پیرہن جسکا

سلام اُس پر کہ جسنے غسل اپنے خون سے پایا
سلام اُس پر رہا بے گور و بے مدفن بدن جسکا

سلام اُس پر کہ بے پردہ ہوئے اہلِ حرم جسکے
سلام اُس پر جلایا آگ سے بیت الحزن جسکا

سلام اُس پر چڑھا نوکِ سناں پر جسکا سر شبیر
سلام اُس پر کہ پتھر سے ہوا زخمی دہن جسکا

شکوۂ فرات

کچھ تو بتلا ہمیں اونہرِ فرات ۔ کون تھا وہ جسے پیاسا رکھا ؟
کس کی اُتری تھی یہاں آکے برات ۔ کون تھا وہ جسے پیاسا رکھا ؟
ہل اتی شان میں آئی کس کی ۔ قسم العصر میں کھائی کس کی
حق میں نازل ہوئیں کس کے آیات ۔ کون تھا وہ جسے پیاسا رکھا ؟

صاحب آیۂ تطہیر تھا کون ۔ کچھ خبر ہے تجھے شبیر تھا کون
کسپہ پڑھتے تھے ملائک صلوات ۔ کون تھا وہ جس نے پیاسا کہا؟

جزو ایمان تھی محبت کس کی ۔ کفر تھی بغض و عداوت کس کی
کسکی الفت تھی رہ امن و نجات ۔ کون تھا وہ جسے پیاسا کہا

جھولا جبریل جھلاتے تھے کسے ۔ شافع حشر کہلاتے تھے کسے
کس کو لیتے تھے نبی ہاتھوں ہاتھ ۔ کون تھا وہ جسے پیاسا کہا

کون تھا سبط رسول عربی ۔ کس کو کہتے تھے حسین ابن علی
کس کی ماں تھی شرف موجودات ۔ کون تھا وہ جسے پیاسا کہا

کون تھا سید اہل جنت ۔ کس کی طاعت تھی خدا کی طاعت
خلد دلواتا تھا کس کو اک بات ۔ کون تھا وہ جسے پیاسا کہا؟

کون تھا دوش پیمبر کا سوار ۔ زلف احمد تھی بنی کس کی مہار
کسنے پائے تھے یہ عالی درجات ۔ کون تھا وہ جسے پیاسا کہا

مجھکو پہنچا ہے اگر واں تقدیر ۔ جاکے میں نہر کنارے شبیر
پوچھوں رو رو کے ترا مجھکو فرات کون تھا وہ جسے پیاسا کہا؟

واقعات کربلا

لخت دل حیدر کو مقتول جفا دیکھا ۔ سر سبط پیمبر کا نیزے پہ چڑھا دیکھا
نانا کا پڑھو کلمہ لو جان نواسے کی ۔ یہ دین نیا ہم نے اے اہل دغا دیکھا
تصویر پیمبر کی کیا قدر کی امت نے ۔ بے گور و کفن لاشہ اکبر کا پڑا دیکھا
چھنی ہوا مشکیزہ سقائے سکینہ کا ۔ عباس کے ہاتھوں کو شانوں سے جدا دیکھا
قاسم کا تن نازک گھوڑوں سے ہوا پامال ۔ اصغر کا گلا ہے ہے پیکاں سے چھدا دیکھا
جو سینہ کہ گنجینہ تھا علم امامت کا ۔ اس سینۂ اقدس پہ قاتل کو چڑھا دیکھا
خیموں میں شہ دیں کے اک آگ لگی دیکھی ۔ باغ آل محمد کا جنگل میں لٹا دیکھا

بے چادر و بے برقع خیموں سے حرم نکلے ۔۔۔ سہمے ہوئے بچوں کو ماؤں سے جدا دیکھا
معصوم سکینہ کے کانوں کے چھنے گوہر ۔۔۔ ننھی سی کلائی کو رسی سے بندھا دیکھا
زنجیر گراں دیکھی بیمار کی گردن میں ۔۔۔ زنجیر و سلاسل سے گردن کو جھکا دیکھا
جبریل بھی جس گھر میں بے اذن نہ آتے تھے ۔۔۔ اس گھر کے مکینوں کو محتاج ردا دیکھا
برباد ہوا یثرب ویران ہوا بطحے ۔۔۔ آباد یہاں ہوتے اک دشت بلا دیکھا

اے قوم یزید افسوس شبیر نے تیری بھی
ہر بات نئی دیکھی ہر کام نیا دیکھا

ماتم رضا

ماتم ہے بپا آج غریب الغربا کا ...... مظلوم رضا کا
یہ روز شہادت ہے معین الضعفا کا ...... مظلوم رضا کا

مارا اسے غربت میں بہت دور وطن سے ..... زہرا کے چمن سے
مشہد ہے خراسان میں اس قبلہ نما کا .... مظلوم رضا کا

اولاد محمد ہوئی سب قتل جفا سے ...... یا زہر دغا سے
دل ٹکڑے ہوا زہر سے سلطان ہدا کا ...... مظلوم رضا کا

قبریں بھی ملیں آل پیمبر کو نہ اک جا .... وا حسرتا دردا
مرقد ہے جدا سب سے شہ صبر و رضا کا ...... مظلوم رضا کا

سترہویں صفر تھی کہ بجھی شمع امامت .... برپا تھی قیامت
جب گھر سے جنازہ چلا اس شمس ہدا کا .... مظلوم رضا کا

شبیر کو اب طوس میں پہنچا دے خدایا ...... پوری ہو تمنا
روضہ اسے دکھلا دے امام دوسرا کا .... مظلوم رضا کا

اصغر نے کیا کیا تہا؟

اے چرخ سفلہ پرور — اصغر نے کیا کیا تہا
جو کچھ تہے وہ تہے سرو — اصغر نے کیا کیا تہا؟

بن بن ہے روانی — بچہ پئے نہ پانی
خاک او فرات تجھ پر — اصغر نے کیا کیا تہا؟

اک گھونٹ خود پلاتے — اتنا نہ وہ پیتے
کیا سنگدل تہے کافر — اصغر نے کیا کیا تہا؟

اک شیرخوار بچہ — ہو تیر کا نشانہ
یہ ظلم او ستمگر! — اصغر نے کیا کیا تہا؟

او بے حیا کمینے — بتلا کہ کس شقی نے
پھینکا تہا تیر اُس پر؟ — اصغر نے کیا کیا تہا؟

اس بے گنہ کے خوں کا — گرتا گر ایک قطرہ
پھٹتی زمیں یہ کہکر — اصغر نے کیا کیا تہا؟

شہ با قبائے گلگوں — منہ پر ملے ہوئے خوں
پوچھینگے روز محشر — اصغر نے کیا کیا تہا؟

ذبح صغیر گویا — ذبح عظیم نکلا
نکلی جو بحث اس پر — اصغر نے کیا کیا تہا؟

شبیر کربلا کا — ہوتا ہے ذکر جس جا
میں سوچتا ہوں اکثر — اصغر نے کیا کیا تہا؟

وا ویلا

وہ گرم زمیں وہ دشتِ بلا ۔ وہ لاشۂ سرور وا ویلا
یہ ظلم و ستم یہ جور و جفا ۔ اے چرخ ستمگر وا ویلا

خیموں سے وہ اٹھا ہائے دھواں ۔ کرتے ہیں حرم فریاد و فغاں
اب لوٹ لیا دی کچھ نہ اماں   بیمار کا بستر وا ویلا

جب غول شہیداں روز جزا ۔ لے جائیگا جھولا پیش خدا
کردیگا یہ جھولا حشر بپا   گہوارۂ اصغر وا ویلا

محمل میں تو وہ کفار گئے   اور دوڑتے یہ بیمار گئے
اونٹوں پہ حرم ناچار گئے   بے مقنع و چادر وا ویلا

شبیر وہ موسم اور وہ سفر کوفہ تہا کدہر اور شام کدہر
افسوس پھرے یوں خاک بسر   اولاد پیمبر وا ویلا

سلام بہ خدمت امام علی رضا علیہ السلام

سلام اُس پر۔ ہوا انگور سے ٹکڑے جگر جسکا
سلام اُس پر۔ ملک کرتے ہیں غم شام و سحر جسکا

سلام اُس پر۔ خدا کی راہ میں چھوڑا وطن جسنے
سلام اُس پر۔ خراساں میں ہوا آخر گزر جسکا

سلام اُس پر غریبوں کا غریب اب کہتے ہیں جسکو
سلام اُس پر ہوا غربت میں دنیا سے سفر جسکا

سلام اُس پر ضعیفوں کا معین کہتے ہیں سب جسکو
سلام اُس پر کہ ماتم کرتے ہیں جن و بشر جسکا

سلام اُس پر۔ بڑھا یا رتبہ ارض طوس کا جسنے
سلام اُس پر کہ مشہد ہے مقدس مستقر جسکا

سلام اُس پر۔ رضائے حق میں جسنے۔ جان دیدی شبیری
سلام اُس پر سدا خم تہا پے تسلیم سر جسکا

شہادت امیر المومنین علی ابن ابی طالب

یہ نوحہ باعتبار اقسام نظم "مربع" ہے۔ زمانہ قدیم میں عموماً اسی طرز میں مرثئے لکھے جاتے تھے۔ چنانچہ سودا و میر کے کلام میں بھی ایسے مرثئے موجود ہیں۔ آجکل اس قسم کے نوحوں کو چومصرعی کہتے ہیں اور انمیں اسقدر اضافہ اور کردیا گیاہے کہ ہر ایک بند کے بعد چار چار ماتمی فقرے لائے جاتے ہیں اور ہر فقرے کے بعد ایک نفقرہ ترجیع دہرایا جاتا ہے اس نوحے میں فقرۂ ترجیع "حیدر کرار ہائے" ہے۔ اہل عزا ان نوحوں کو ایک خاص طرز سے پڑہتے ہیں اور بہت موثر ہوتے ہیں۔ ہادی اصل بند اور ماتمی فقرے پڑہتا ہے اور اسکے جواب میں پہلا بند اور فقرۂ ترجیع پڑہتے ہیں ۱۲

حیدر کرار سفر کر گیا
قاتل کفار سفر کر گیا

سید ابرار سفر کر گیا
قافلہ سالار سفر کر گیا

شافع محشر گیا
ساقی کوثر گیا

حیدر کرار ہائے

رونق ممبر گیا
نصرت پیمبر گیا

جب سے سدھارے تھے شہ کائنات
ذات علی گویا نبی کی تھی ذات

آج علی نے نہیں پائی وفات
احمد مختار سفر کر گیا

جس سے ہدایت ہوئی   دیں کی اشاعت ہوئی
حیدر کرار ہائے
حق کی حمایت ہوئی   دور ضلالت ہوئی

دین کی تائید سدا جس نے کی   جلتے رہے جس سے ہمیشہ شقی
دیدۂ اعدا میں خلش جس سے تھی   وہ گل بے خار سفر کر گیا

سید عالی نسب   سرور والا حسب
حیدر کرار ہائے
شاہ گرامی لقب   فخر زمین عرب

نور علی نور شہ انس وجاں   ایک تھے کچھ فرق نہ تھا درمیاں
ہوگیا اب نور رسالت نہاں   مطلع انوار سفر کر گیا

دین کا یاور گیا   حیدر و صفدر گیا
حیدر کرار ہائے
صاحب لشکر گیا   فاتح خیبر گیا

فوج خدا کا وہ جری پہلواں   جس سے لرزتے تھے زمین و زماں
جس کو پیمبر نے دیا تھا نشاں   آج وہ کرار سفر کر گیا

ضیغم دشت وغا   قاتل اہل دغا
فوج کش کبریا   بادشہ لافتیٰ

دین نبی کا وہ بڑا جاں نثار   جس کو عطا حق سے ہوئی ذوالفقار
ضرب سے جس کے ہوئے شق کوہسار   حیف وہ جرار سفر کر گیا

اب وہ شجاعت کہاں   آہ وہ ہمت کہاں
حیدر کرار ہائے
اب وہ سخاوت کہاں   حیف وہ جرأت کہاں

سرور کونین کا وہ راز داں   جس نے کہ ہجرت میں دیا امتحاں

لب تشنہ کا وہ نذر بیاباں محرم اسرار سفر کر گیا

شاہ ہدیٰ مر گیا بحر سخا مر گیا
حیدر کرار ہائے
عقدہ کشا مر گیا شیر خدا مر گیا

جنت فردوس کا وہ تاجدار شاہ عرب سرور دلدل سوار
چھوڑ کے شبیر وہ یہ خار زار جانب گلزار سفر کر گیا

ساقی کوثر کا ماتم

برپا ہے شہادت سے تری خلق میں ماتم اے ساقی کوثر
افسوس کہ آیا رمضاں میں یہ محرم اے ساقی کوثر

ٹوٹا ہے نبی زادوں پہ اب کوہ مصیبت آفت پہ ہے آفت
سبطین نظر آتے ہیں با دیدۂ پُر نم اے ساقی کوثر

روتے تھے جو شہزادے تو دیتے تھے دلاسا پیغمبر و زہرا
اب فاطمہ زہرا ہیں نہ ہیں سرور عالم اے ساقی کوثر

ہوتے جو نبی آج تو دیتے تجھے کندھا اور کہتے کہ تیرا
تھا نقش قدم مہر نبوت سے مقدم اے ساقی کوثر

ہے ہے ترا دیکھا نہ غلاموں نے جنازہ جب کوفے سے نکلا
جی بھر کے ترا کر نہ سکا کوئی بھی ماتم اے ساقی کوثر

اب شمع حرم بجھ گئی تاریک جہاں ہے محشر کا گماں ہے
یہ روز سیہ روز قیامت سے نہیں کم اے ساقی کوثر

ہے سوگ ترا روضۂ سلطان زمن میں اور بیت حزن میں
ہر سمت اداسی ہے عجب ہو کا ہے عالم اے ساقی کوثر

فرقت میں تری بگڑے نہ کیوں کعبے کا نقشہ مولد وہ تیرا
کیوں دیدہ پر آب ہو چشمۂ زمزم اے ساقی کوثر

تو مصحف ناطق تھا تری موت ہے گویا اسلام کا مرنا
کیوں سر نگوں ہو جائے نہ اب دین کا پرچم اے ساقی کوثر
شبیر کے نکلے ہیں جو آنسو ترے غم میں اس رنج و الم میں
کافی ہیں بہا دینے کو وہ نار جہنم اے ساقی کوثر

نوحۂ علی اصغرؑ

اے مرے چاند مری آنکھوں کے تارے اصغر
کون سے بن میں پڑے سوتے ہو پیارے اصغر

گھر میں مقتل میں نہ ہے گنج شہیداں میں پتہ
بانو اب جا کے کہاں تم کو پکارے اصغر

یہ بیاباں یہ اداسی یہ اندھیری راتیں
کیسی نیند آ گئی ندی کے کنارے اصغر

کون جنگل میں سلائیگا تھپک کر تم کو
چھوڑ جائیں تمہیں یاں کس کے سہارے اصغر

خاک میں اٹ گئے وہ بال جھنڈولے ہے ہے
تیرے پاس آ کے انہیں کون سنوارے اصغر

جاں بلب پیاس سے تھے چھوڑ کے ناچار یہاں
پانی پینے گئے کوثر کے کنارے اصغر

زیست کی اب نہ رہی کوئی حلاوت باقی
مر گئے ہم بھی بن آئی ترے مارے اصغر

جاتے ہیں چھوڑ کے جنگل میں اکیلا تجھ کو
کیا کریں قید ہیں تقدیر کے مارے اصغر

اس بیابان میں ہے اب تیرا خدا حافظ ہے
تو یہاں چین سے سو ہم تو سدھارے اصغر

حشر میں بھول نہ جانا کہیں شبیر کو تم
جی رہے ہیں یہ تمہارے ہی سہارے اصغر

الوداع

اے شہ گلگوں قبا الوداع! الوداع!
ہو چکا ماتم ترا الوداع! الوداع

سید تشنہ دہن بے لحد و بے کفن
اے شہ کرب و بلا الوداع! الوداع

غم میں تیرے شاہ دیں مجلسیں ہر گھر میں تھیں
ختم ہوا تعزیہ الوداع! الوداع!

شمع نہ پروانے ہیں سونے عزا خانے ہیں
کیا کہیں یہ کیا ہو گیا الوداع! الوداع!

فاطمہ گریہ کناں لاتی تھیں تشریف یاں
آج ہوا خاتمہ الوداع! الوداع!

اب کے تو بہر نجات آنکھوں کی دیدئی کو آہ
باقی ہیں گر کچھ نفس رو ینگے اگلے برس
اے غم شاہ عرب جاتا ہے شبیر اب

آگئے ہے مالک خدا الوداع! الوداع!
دم کا بھروسہ ہے کیا الوداع! الوداع!
لے خدا حافظ ترا الوداع! الوداع!

ہے ہے رضائے مظلوم

بچھڑا ہوا وطن سے ہے ہے رضائے مظلوم
تجھکو دغا سے مارا جور و جفا سے مارا
کیا زہر تھے وہ انگور سنبھلا نہ قلب بجور
اہل جفا نے تیرا رتبہ ذرا نہ سمجھا
کونے کا کربلا کا تجھکو ملا نہ گوشہ
شبیر بھی ہے ازبس مشتاق قبر اقدس

نکلا ہوا چمن سے ہے ہے رضائے مظلوم!
زہر بلا سے مارا ہے ہے رضائے مظلوم!
پلٹی نہ جان بھور ہے ہے رضائے مظلوم
میرے غریب آقا ہے ہے رضائے مظلوم
تو سب سے دور پہنچا ہے ہے رضائے مظلوم
بلوا امام بیکس ہے ہے رضائے مظلوم

اے کرب و بلا خونخوار زمیں

کس قبر میں ہے وہ ماہ مبیں اے کرب و بلا خونخوار زمیں!
واپس نہ رہیں وہ دُرِّ ثمیں اے کرب و بلا خونخوار زمیں!

کس ابر میں ہے وہ چاند چھپا کس حجرے میں ہے خاموش پڑا
وہ ماہ عرب کا ماہ جبیں اے کرب و بلا خونخوار زمیں!

فردوس کا کیا وہ پھول نہ تھا۔ کیوں تونے اُسے یوں چھین لیا
ہے منتظر اسکی خلد بریں اے کرب و بلا خونخوار زمیں!

تجھہ میں نہ سمایا کیوں وہ شقی ؟ جاں جسنے کہ اک بے شیر کی لی
زندہ رہا وہ بدبخت لعیں اے کرب و بلا خونخوار زمیں

چھوٹا سا وہ اک مہمان ترا وہ تشنہ دہن مقتول جفا
دے ہائے تڑپ کر جان جہاں اے کرب و بلا خونخوار زمیں!

تو میں تھیں یہاں آباد بہت تھیں شاد بہت ناشاد بہت
سب وہ بھی تری اب نذر ہوئیں اے کرب و بلا خونخوار زمیں!

جو راج یہاں تاراج ہوئے برباد یہاں جو تاج ہوئے
رہنے دے تو ہی محتاج وہیں اے کرب و بلا خونخوار زمیں!

نایاب جو تھے محلات یہاں سرسبز جو تھے باغات یہاں
اب وہ بھی ہیں درکار نہیں اے کرب و بلا خونخوار زمیں!

شبیر نے سب کچھ بخش دیا واپس دے مگر بے چون و چرا
وہ تشنہ دہن گہوارہ نشیں اے کرب و بلا خونخوار زمیں!

شبیر کا نوحہ شبیر پر

یہ نوحہ اب سے کوئی دس برس قبل حیدرآباد کے ایک علمی رسالے "افادہ" میں شایع ہو چکا

سید مظلوم امام زمن بیکس و بے یار غریب الوطن
تیروں سے چھلنی ترا سارا بدن لاش تری بے لحد و بے کفن

سید عالی نسب سرور والا حسب
اے شہید جفا
شاہ گرامی لقب سبط رسول عرب

جن و بشر نے تجھے مانا امام پڑھتے ہیں سب تجھ پہ درود و سلام
بن تری الفت کے عبادت حرام زہد عبث خرقہ ہے اک مکر و فن

تجھکو نہ سمجھے جہول باغ رسالت کا پھول
اے شہید جفا
قرۃ عین بتول زبدۂ آل رسول

داخل ایماں ہے محبت تری راہ جہنم ہے عداوت تری
ایک قیامت ہے شہادت تری نوحہ کریں تجھ پہ نہ کیوں مرد و زن

گلشن حیدر لٹا باغ پیمبر لٹا
ہائے شہید جفا
خیمۂ اطہر لٹا فاطمہ کا گھر لٹا

قافلہ سالار مارا گیا شام میں جا کر لٹا قافلہ
ذبح ہوئے ہائے امام ہدیٰ لٹ گیا افسوس ہرا انجمن

خیموں سے شعلے اٹھے لوٹنے کا نرغے
ہائے شہید جفا
نکلے حرم سر کھلے گودوں میں بچے چھپے

آگ ترے ڈیرے میں جب دی لگا ڈر کے نکل آئے حرم بے ردا
سہم کے بچوں نے لئے منہ چھپا رو نہ سکے چیخ کے تشنہ دہن

خواہر شبیر ہائے بانوئے دلگیر ہائے
ہائے شہید جفا
قیدی زنجیر ہائے ہائے یہ تشہیر ہائے

نیزے پہ تیرا سر اقدس ہوا اونٹوں پہ روتی ہوئی ہیں بیبیاں
عابد بیمار بنے ساربان پاؤں میں زنجیر گلے میں رسن

قیدی ہیں با چشم تر طشت میں ہے تیرا سر
ہائے شہید جفا
جمع ہیں اہل شر ظلم پہ باندھے کمر

ظالم بے دین یزید پلید کرتا ہے دربار میں ...
آل نبی قید و مظالم شدید تیغ جواب اور سخن دلشکن

بانوئے مغموم ہیں زینب و کلثوم ہیں
ہائے شہید جفا
باقر معصوم ہیں عابد مظلوم ہیں

ایک وہ دن تھا ترے زیر لوا | نکلے تھے یثرب سے عزیز و اقربا
آج پہنچا ہے لٹا قافلہ | گور غریباں سے یہ سوئے وطن

شہر میں کہرام ہے | آہ و بکا عام ہے
ہائے شہید جفا
اب کسے آرام ہے | رونے سے بس کام ہے

اب ہے مدینے میں قیامت بپا | روضۂ احمد میں ہے اک زلزلہ
سن کے ترا قصۂ رنج و بلا | رو رو کے سر پیٹتے ہیں مرد و زن

آہ جمیل الشیم | آہ شفیع الامم
ہائے شہید جفا
آہ اسیر الم | آہ قتیل ستم

تیرے مصائب کو شہا سو جگر | ہوتا ہے شبیر کا ٹکڑے جگر
یہ ترا ہمنام ترا نوحہ گر | رہتا ہے ماتم میں ترے سینہ زن

شبیر کا نوحہ اصغر پر

اے گل پژمردۂ باغ جناں | نخل ستم دیدۂ باد خزاں
تیرا گلا اور وہ آب سناں | خون رلاتی ہے تری داستاں

کیسی ہوا یہ چلی | اوس یہ کیا پڑ گئی
اصغر معصوم ہائے
کیوں نہ وہ دل توڑ ہی | اب وہ فضا کیا ہوئی

پھول یہ کیا جلدی سے کمھلا گیا | کھلنے نہ پایا تھا کہ مرجھا گیا
دیکھتے ہی دیکھتے سنولا گیا | آئی نہ راس اسکو ہوائے جہاں

تم پہ یہ جور و جفا | تم کو نہ پانی ملا
اصغر معصوم ہائے

سو کہا وہ پیارا گلا　　غش یہ غش آنے لگا

جینے سے تم اپنے ہوئے تھے اداس　　ٹھیرے کس طرح بھلا ماں کے پاس
حوروں کی گودی میں تجھا کو پیاس　　ہو گئے فردوس کی جانب رواں

تشنہ دہن تشنہ لب　　تجھ پہ جفا بے سبب
اصغر معصوم ہائے
ہائے غضب ہے غضب　　ہو گیا اندھیر اب

جانتے ہیں یہ تو زمانے میں سب　　کرتے ہیں مہمان کی خاطر عرب
پیاس سے اصغر ہے مگر جاں بلب　　مہماں نوازی وہ گئی اب کہاں

پیاس نہ تیری بجھی　　بڑھتی گئی بیکلی
اصغر معصوم۔ ہائے
ہو گئی طاری غشی　　نزع کی حالت ہوئی

بانو کی جس وقت بڑھی تشنگی　　سو کہہ گیا ہائے ستم وہ دہی
شاہ سے رو رو کے وہ کہنے لگی　　اصغر بے شیر ہے اب نیم جاں

بانو سے لیکر تجھے　　شہ ہوئے مقتل کے
اصغر معصوم ہائے
کافروں کے جگھٹے　　تکتے تھے تجھکو کھڑے

کہتے تھے کفار سے شاہ ہدیٰ　　پیاس سے بچہ ہے یہ غش میں پڑا
اسپہ ہی کچھ رحم کرو اشقیا　　یہ تو خطاوار نہیں بے زباں

ہائے غضب کر دیا　　آیا نہ کیوں زلزلہ
اصغر معصوم ہائے
کیوں نہ فلک گر پڑا　　عرش نہ کیوں ہل گیا

رحم لعینوں کو نہ آیا ذرا　　چھید دیا تیر سے تیرا گلا
کیوں نہ زمیں پھٹ گئی اے کربلا　　ٹوٹ پڑا اسپہ نہ کیوں آسماں

ابنِ امامِ جہاں　　تشنہ دہاں بے زباں
اصغرِ معصوم ہائے
کشتۂ جورِ زماں　　آہ شہیدِ سناں

خوں چھڑک کر ترا کشتۂ شاہ　　اے فلک پیر تو رہنا گواہ
راہِ خدا کا یہ شہید آہ آہ　　جانبِ کوثر ہوا پیاسا رواں

لاشۂ بے صد رنج و غم　　ہاتھوں پہ شاہِ امم
اصغرِ معصوم ہائے
نعشِ قتیلِ ستم　　پیٹتے تھے سر خم

نکلے پھرے شاہ جو لاشہ ترا　　ہو گئی خیمے میں قیامت بپا
ٹکڑے جگر کرتی تھی ایک ایک کا　　بانوئے مغموم کی آہ و فغاں

رشکِ قمر چھپ گیا　　نورِ نظر چھپ گیا
اصغرِ معصوم ہائے
لختِ جگر چھپ گیا　　جانِ پدر چھپ گیا

کھود کے تربت تری واحسرتا　　دفن تجھے ہاتھوں سے شہ نے کیا
رو کے یہ فرمایا کہ اب ہو گیا　　زیرِ زمیں چاند ہمارا نہاں

عترتِ حیدر گیا　　ماہِ منور گیا
اصغرِ معصوم ہائے
سبطِ پیمبر گیا　　مالکِ کوثر گیا

تجھ سے یہ شبیر کی ہے التجا　　حشر کے دن بہرِ شہِ کربلا
قدموں سے تو اسکو نہ کیجو جدا　　ساتھ ہو تیرے یہ ترا نوحہ خواں

مظلوم سکینہ مغموم سکینہ

اس نظم کے پہلے مصرعے میں باعتبار تقطیع ایک رکن کم ہے مگر جب ترنم سے پڑھا جاتا ہے تو یہ کمی ہی ایک خاص کیفیت پیدا کر دیتی ہے ۱۲

مظلوم سکینہ مغموم سکینہ
اس عمر میں کیا کیا نہ ستم تو نے اٹھائے
ایذا سہے رہائی نہ ملی تا دمِ آخر
مشکل تھا یہاں گور و کفن کا بھی سرانجام
صدموں سے تن زار میں کچھ بھی نہ رہا تھا
اس قید بلا میں بھی سب بہلتا تھا تجھی سے
سنسان پڑا ہے ترے بن گوشۂ زنداں
ہے جی میں پڑے روتے یہ شبیر تو

یہ قیدِ مصیبت کی وہ معصوم سکینہ
ہے ہے تری قسمت ترا مقسوم سکینہ
زنداں ہی میں آخر ہوئی معدوم سکینہ
افسوس کفن سے رہی محروم سکینہ
تھی لاش تری پیکرِ موہوم سکینہ
اب سوگ میں ہیں زینب و کلثوم سکینہ
سب تیرے ہی دم سے تھیں یہاں دھوم سکینہ
جو اسمِ گرامی سے ہے موسوم سکینہ

تابوتِ سکینہ

زنداں سے اب آتا ہے سوئے گورِ غریباں — تابوت سکینہ
سجاد لئے آتے ہیں با دیدۂ گریاں — تابوت سکینہ

نے خویش و اقارب ہیں نہ یاں مونس و غمخوار — جز عابد بیمار
جاتا ہے بصد یاس سوئے شہرِ خموشاں — تابوت سکینہ

اک قیدی بیمار نے تکلیف و محن میں — اس بیت حزن میں
تیار کیا ہے یہ بصد حالِ پریشاں — تابوت سکینہ

تھی بے سر و سامانی نہ چادر تھی نہ کپڑا — کرتا ہی کفن تھا
کس طرح بنا ہوگا الٰہی سرِ زنداں — تابوت سکینہ

زنداں میں بھی رونق تھی اسی بچی کے دم سے — دل لگتے تھے سب کے
اب کر گیا اس خانۂ ویراں کو بھی ویراں — تابوتِ سکینہ
کیا وقت تھا شبیر کہ جب بکّلی باندھے — سب اہلِ حرم نے
دیکھا درِ زنداں سے بصد حسرت و حرماں — تابوتِ سکینہ

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY HYDERABAD

صبحِ محشر

ہو چکی شامِ مصیبت کی سحر آتی ہے
رات تو گزری اس آفت سے کہ اللہ اللہ
کل سرِ شام سے چھائی ہے اداسی سب پر
اہلِ بیتِ نبوی پر ہے بلاؤں کا ہجوم
ہو گا کچھ دیر میں اب فتنۂ محشر برپا
دو پہر کے ہیں یہ سب خویش و اقارب مہماں
جائیں گے ایسے کہ تا حشر نہ ملنا ہو گا
خونِ اولادِ پیمبر کے بہینگے نالے
ڈر کے نکلیں گے حرم باہر کینگے شعلے ہے ہے
شان میں جنکی خدا نے بھی کہا ہے والفجر

سرورِ دیں کی شہادت کی سحر آتی ہے
اب سحر دیکھیں کس آفت کی سحر آتی ہے
شبِ حسرت گئی۔ حسرت کی سحر آتی ہے
کوہِ غم ٹوٹے گا مصیبت کی سحر آتی ہے
دل اڑے جاتے ہیں وحشت کی سحر آتی ہے
اب جدا ہوتے ہیں فرقت کی سحر آتی ہے
یار و انصار کی رخصت کی سحر آتی ہے
کیا قیامت ہے۔ قیامت کی سحر آتی ہے
خیمے لٹ جائیں گے غارت کی سحر آتی ہے
آج شبیر وہ عظمت کی سحر آتی ہے

محرّم کی چاندنی

تیرے دم کی ہے دل زندہ یہ ساری چاندنی
لاکھ چہرہ ہائے فلک پر چاند کچھ حاصل نہیں
چودھویں کی چاندنی بھی ایسی آتی ہے نظر
رنج میں سامانِ عشرت بھی مزا دیتا نہیں
حجرۂ زندانِ عابد میں اندھیرا ہی رہا

تو نہو جب خوش تو کس کا چاند کیسی چاندنی
اے محرم گر گئی نظروں سے تیری چاندنی
جیسے مٹی پر بچھی ہو کوئی میلی چاندنی
سب مہینوں میں محرم کی ہے پھیکی چاندنی
شام کے ہر بام و در پر خوب چھٹکی چاندنی

ہو سکا کب دشمن شبیر کو حاصل فروغ
ہے اندھیرا آجتک بھی چاند کا [illegible]

ماہِ عرب

نرغے میں ہے اعدا کے وہ ماہ عرب ہے ہے
اندھیر ہے دنیا میں پیاسا بھری گنگا میں
مقتل میں ہے اب تنہا رو بیٹھ کے ہے بیٹھا
ہے ریت پہ اب لیٹا بچپن میں جو تھا کھیلا
زخموں سے بدن چھنی وہ تپتی ہوئی ریتی
بندوں نے نماز ایسی اب تک نہ پڑھی ہوگی
ظلم اور فرات اتنا : افسوس گیا پیاسا
پہونچا نہ کوئی ہوگا جس شکل سے ہے پہونچا
شبیر فلک کانپے جب سرخ کفن پہنے

بدلی میں چھپا آکے وہ ماہ عرب ہے ہے
ساحل پہ ہے دریا کے وہ ماہ عرب ہے ہے
اٹھارہ کو دفنا کے وہ ماہ عرب ہے ہے
آغوش میں زہرا کے وہ ماہ عرب ہے ہے
سجدے میں ہے غش کھا کے وہ ماہ عرب ہے ہے
جو پڑھ گیا یاں آکے وہ ماہ عرب ہے ہے
مہمان ترا آکے وہ ماہ عرب ہے ہے
دربار میں مولا کے وہ ماہ عرب ہے ہے
ہو سامنے نانا کے وہ ماہ عرب ہے ہے

نوحہ

شمر تو پی لے پیئے سب ترا لشکر پانی
آخر اس چھوٹے سے بچے نے بگاڑا کیا ہے
آج دیتے نہیں جن کو یہ ستمگر پانی
خیمۂ شاہ میں اک بوند نہ تھی پانی کی
پھر گیا پانی سکینہ کی سب امیدوں پر
قطرہ بھر پانی نبی زادوں کو بھی نہ ملا
پانی پی پی کے بچے کو سبق کیوں نہ فرات
شاہ صد حیف رہے تیرے کنارے پیاسے
پیاس شبیر کی اسنے نہ بجھائی شب تو

جانور پی لیں مگر پائے نہ اصغر پانی
بند کس جرم میں کرتا ہے تو اسپر پانی
اُنسے ہی مانگیں گے کل بر لب کوثر پانی
سارے کوفے میں پڑا بہتا تھا گھر گھر پانی
مشک عباس سے جب بہ گیا گر کر پانی
نہر سے لیتی تھی خلقت گھڑے بھر بھر پانی
حلق سے اُترے ہمارے ترا کیونکر پانی
دیدیا تونے اُنہیں کیوں نہ چھلک کر پانی
اسی قابل ہے کہ پھکتا پھرے در در پانی

احمد ثانی

انہوں نے مٹادی مرے آقا کی نشانی — اے احمد ثانی
افسوس کہ امت نے تری قدر نہ جانی — اے احمد ثانی

جاں تن میں تڑپ جاتی ہے جوں ماہیِ بے آب — دل ہوتا ہے بیتاب
یاد آتی ہے جس وقت ہمیں تیری جوانی — اے احمد ثانی

افسوس کہ ظالم کو محبت بھی نہ آئی — شمشیر چلائی
سب جلوے مٹے تیرے پیمبر کی نشانی — اے احمد ثانی

افسوس پڑا جلتی زمیں پر ترا لاشہ — وہ احمدی نقشہ
پھر اس پہ ستم یہ کہ ہو گھوڑوں کی دوانی — اے احمد ثانی

... ہے اگر صدمہ رسول عربی کو — جنت میں ہوا ہو
... جب تری سنگی ہوگی نشانی — اے احمد ثانی

جب آئیگی خاتون قیامت کی سواری — اس وقت پڑیگی
صورت ترے قاتل کو جہنم میں چھپانی — اے احمد ثانی

کل حشر میں جب ہوگا ترے قبضے میں کوثر — داں آکے ستمگر
کیا منہ ہے جو مانگیں گے ترے ہاتھ سے پانی — اے احمد ثانی

مشکل ہی تھا ۔ تری اسواسطے خلقت — کرتی تھی زیارت
مٹنا ترا تصویر ہمیشہ رہی مٹانی — اے احمد ثانی

لے جگی بپا حشر کفن کی ترے سرخی — جب قبر سے آئی
نکلیگا تو پہنے ہوئے پوشاک شہانی — اے احمد ثانی

اشک آنکھوں سے شبیر کے ہوجاتے ہیں جاری — با نالہ و زاری
ہر سال رلاتی ہے اسے تیری کہانی — اے احمد ثانی

بیمار کربلا

غم سجاد میں ہو کیوں نہ مرا دل بھاری
ایسا بیمار ضعیف ایسی سلاسل بھاری

آبلے پاؤں میں - دشوار سفر - ریتی گرم
ہو گی بیمار سے طے کیسے یہ منزل بھاری

سرگراں کیوں نہوں سجاد کہ ہے طوق گراں
غم کی ہر وقت ہے چھاتی پہ دہری سل بھاری

پا پیادہ ہیں ادہر عابد بیمار - ادہر
شمر پھرتا ہے اڑاتا ہوا محمل بھاری

تیز گامی کی نہ زحمت دے - کہ پڑ جاتے ہیں
پاؤں بیمار کے اکثر اے قاتل بھاری

ایک تو بھاری یونہی ہوتی ہے بیمار پہ رات
اسپہ ہیں قید - یہ ہے اور بھی مشکل بھاری

قیدی آئے ہیں حرم - آج تماشہ ہوگا
منعقد شام میں اب ہوتی ہے محفل بھاری

کعبۂ دیں پہ ستم آگ نہ برسی ہے ہے
کیوں لعینوں پہ نہ اے چرخ گری سل بھاری

بزم کیا پڑھتے ہیں جو گلشن میں بھی نوحہ شبیر
روتے روتے پڑے آواز عنادل بھاری

سکینہ کی مصیبت

ظلم کیا کیا نہ سکینہ پہ سراسر ٹوٹے
پر ترسے ہاتھ نہ او شمر ستمگر ٹوٹے

گھٹ کے مرجائے نہ کیوں بلبل باغ زہرا
تنگ و تاریک قفس - پاؤں ہیں بند - پر ٹوٹے

جیتے جی پیاس نہ مظلوم سکینہ کی بجھی
فاقے ٹوٹے بھی تو اسکے لب کوثر ٹوٹے

روتے ہیں نعش سکینہ پہ حرم زنداں میں
آج وہ دن ہے کہ دیوار گرے در ٹوٹے

دیکھکر چھوٹی سی میت پہ وہ کوڑوں کے نشاں
ہائے کیونکر نہ دل زینب مضطر ٹوٹے

ہائے کس دہوم سے تابوت سکینہ نکلا
دل ہلے - سینے پھٹے - تڑپتے جگر - سر ٹوٹے

دل تو کیا شے ہے جو اس غم سے نہ ٹوٹے شبیر
پہونچے یہ صدمہ جو پتھر کو تو پتھر ٹوٹے

شام قیامت

حشر تھا صبح - قیامت کی یہ شام آئی ہے
غم کی مظلوموں پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے

آج ہے آلِ پیمبر پہ مصائب کا ہجوم
کل تلک زینبِ بیکس کو بڑی ہمت تھی
ایک بیمار کے پاس اہلِ حرم بیٹھے ہیں
جل گئے خیمے۔ نہ بستر ہے نہ بالیں باقی
وہ بھی اک دن تھا کہ اکبر کے تھے در پہ لشکر
یونہی رو رو کے بس اب پڑ گئے بھوکے بچے
نیند میں کیوں نہ انہیں چونک کے سہمے بچے

ق

کس پیمبر کا گھرانا ہوا ایسا برباد
کسی اولادِ پیمبر پہ کب آیا یہ دن

رات اک کالی بلا بنکے یہاں آئی ہے
آج بیٹے۔ نہ بھتیجے۔ نہ کوئی بھائی ہے
روح جنکی ستم و ظلم سے گھبرائی ہے
خاک پر بیٹھے ہیں سب نیند کسے آئی ہے
خدمت اب زینبِ مظلوم نے ... پائی ہے
انکو غش آیا ہے یہ نیند نہیں آئی ہے
شمر نے خواب میں صورت انہیں دکھلائی ہے

ایسی آفت کسی امت نے کہاں ڈھائی ہے
کس پیمبر کے ہاں اس شکل سے رات آئی ہے

مجھ کو واللیل پہ تشبیہ یہ ہوتا ہے گماں
کہ خدا نے بھی اسی شب کی قسم کھائی ہے

گھر نظر آتا ہے خالی خالی

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY HYDERABAD

ہو گیا قتل ہمارا والی گھر نظر آتا ہے خالی خالی
کس ستمگر نے یہ آفت ڈالی گھر نظر آتا ہے خالی خالی

لٹ گئے باغ نبی کے اب پھول سب اماں چمن میں مقتول
گلشن دیں کا سدھارا مالی - گھر نظر آتا ہے خالی خالی

سب اسیرانِ محن ہیں مغموم کیا ہوئے ہائے وہ بچے معصوم
ہے نہ اصغر نہ سکینہ بالی گھر نظر آتا ہے خالی خالی

ایک بیمار ہے با حالِ تباہ اشک آنکھوں میں بھرے لب پہ آہ
مونس اسکی ہے پریشاں حالی گھر نظر آتا ہے خالی خالی

بام و در پر ہے برستی حسرت ہو نہ مظلوموں کو کیونکر وحشت
چھاگئیں غم کی گھٹائیں کالی گھر نظر آتا ہے خالی خالی

ہے مدینے میں عجب سناٹا دیدہ دیا ہے سب نبی کو
روضہ اقدس شہ کی جالی گھر نظر آتا ہے خالی خالی

اب ہے عباس نہ قاسم شبیر مٹی ہم شکل نبی کی تصویر
کوئی وارث ہے نہ کوئی والی ۔ گھر نظر آتا ہے خالی خالی

تمت بالخیر

قطعۂ تاریخ طبع

"نظم شبیر" از جناب مولوی اسد اللہ حسینی صاحب صیغہ دار ایکور حیدرآباد

مرحبا اے عندلیب خوش نوا — حبذا۔ اے طوطی شیریں زباں
بارک اللہ ۔ موجد نظمِ نو — در زبان اردوئے ہندوستاں
می کند دلہا مسخر سحرِ تو — شاد باش اے شاعرِ معجز بیاں
رنگ نو دارند و طرز و بوئے نو — غنچہ و برگ و گل ایں بوستاں
با اثر مضمون تو فرحت فزا — دلنشیں اشعار تو گوہر فشاں
مغز آوردی چو از جسم سخن — می شمارم ہست باقی استخواں

مصرعِ تاریخ می گوید اسد
شاعرے شبیر سعدی زماں
۱۳۳۵ ف

قطعۂ تاریخ تکمیل "نظم شبیر" از جناب مولوی سید اشفاق حسین صاحب اشفاق بی۔اے

یہ کوئی باغ ہے یا نظم شبیر؟ — کہ اسکی سیر سیر بوستاں ہے
ہر اک فصل اسکی فصل گل ہے گویا — ہر اک باب اسکا باب گلستاں ہے
نئی اک طرز کے ہیں آپ موجد — نرالا آپ کا رنگ بیاں ہے

سن تکمیل نظم اشفاق لکھدو
عجب یہ گلستانِ بے خزاں ہے
۱۳۳۶ ف